مسیحیت

مغربی مفکرین کی نظر میں

****

مُصنّف

چوہدری عبدالمجید

فہرست عنوانات

فہرست عنوانات

فہرست عنوانات

پیش لفظ

جولائی ۱۹۷۲ء کی بات ہے کہ میں لندن جانے کے لئے کراچی کے مڈوے ہوٹل میں مقیم تھا کہ لابی میں میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک یورپین نے ٹوٹی پھوٹی اُردو زبان میں اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ فرانسیسی مشنری ہے اور کئی سال سے کوئٹہ میں مقیم ہے۔ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے اس نے کہا کہ "ہماری نجات کے لیئے یسوع مسیح نے دکھ سہے اور اپنی جان کی قربانی دے کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ اس لیئے جو اس پر ایمان لائے گا وہی نجات پائے گا وغیرہ" ایک باعمل مسلمان کے لیئے بغیر عملوں کے نجات کا دعویٰ خلافِ عقل اور معاشرتی اعتبار سے نقصان دہ ہونے اور بعض محض مفروضوں کی طرف پادری صاحب مذکور کی توجہ دلائی تو آنجناب بہانہ بنا کر کھسک گئے۔ بعد میں تجربہ ہوا کہ ان کا غیر مسیحی مخاطب اگر مسیحیت کی تاریخ کے بارے میں کچھ شُد بُد رکھتا ہو تو عام طور پر پادری صاحبان اُس سے پرہیز کرتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے۔

بہر حال ان فرانسیسی پادری صاحب کی دعوت اور نتیجۃً مختصر سا مکالمہ میرے حساس دل و دماغ پر اس موضوع سے متعلق تحقیق کا جنون طاری کر گئے جو انگلینڈ میں قیام کے دوران میں کی گئی اور تمام تر استفادہ یورپین اور امریکن مورخین و محققین کی تصنیفات سے کیا گیا۔ جیسا کہ فہرست کُتب (BIBLIOGRAPHY) سے ظاہر ہے۔

گبن (GIBBON) کے مطابق شروع میں بغیر عملوں (ANTINOMIANISM) کی مسیحیت معاشرے کے گھٹیا طبقوں (DREG OF SOCIETY) کے اندر مقبول ہوئی۔ اور بعد میں طبقہ امراء کی آلۂ کار بنا لی گئی۔ اسی لیے مشہور جرمن فلسفی اور محقق نطشے نے مروجہ مسیحی عقائد کی سندات (AUTHORITY) کی طرف سے مایوس ہو کر کہا تھا کہ "مسیحیت مسیح کے ساتھ ہی مصلوب کر دی گئی"۔ گویا ان کے نام سے آگے بڑھائے جانے والا مذہب فرضی بنیادوں

پر قائم کیا گیا۔ چنانچہ حالیہ زمانے میں خصوصاً جنگِ عظیم دوئم کے بعد سے مسیحیت کی ابتدار اور ارتقا کے بارے میں خود روایتی مسیحی دنیا میں بکثرت ایسا مواد چھپ رہا ہے۔ جس سے نہ صرف مسیحیت کے بہت سے مخفی پہلو سامنے آتے ہیں۔ بلکہ اس مذہب کی بنیاد بھی مشکوک ہو کر رہ گئی ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں، قارئین کی سہولت کے لئے اہم تاریخی حقائق کے بیان کے ساتھ ساتھ ماخذ کے انگریزی الفاظ بھی بعینہٖ نقل کر دیئے گئے ہیں۔

مقصد اُردو دان طبقے کو بلا لحاظ مذہب و ملت مستند معلومات فراہم کرنا ہے۔ کیونکہ تاحال اُردو زبان میں اس موضوع پر بہت کم مصدقہ مواد ملتا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مصنف بحیثیت مسلمان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے۔ لہٰذا زیرِ بحث مروّجہ مسیحیت ہے جس کا اُس کی وسیع تحقیق کی روشنی میں یسوع مسیح کی ذاتِ اقدس سے تعلق فقط نام کا ہے۔ ان کی نامعلوم تعلیمات خود انجیل کے مطابق محدود وقت اور قوم یعنی صرف یہودیوں کے لیئے تھیں جنہوں نے انہیں رد کر دیا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق یہ علمی شاہد ہیں یہودی چودھویں صدی تک مسیحیوں کو بُت پرستوں کا کوئی فرقہ کہتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف ادوار میں اناجیل اور عقائد میں پے در پے رد و بدل بھی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ بار بار کی کلیسائی کونسلوں میں یہی کچھ ہوتا رہا جن کے فیصلے زبردستی عوام الناس پر ٹھونس دیئے جاتے تھے۔ پادریوں نے اپنے لیئے لامحدود اختیارات مخصوص کر رکھے تھے جن کے بل پر گھڑ گھڑ مقرر کردہ عقائد کے نفاذ اور قبولیت کی نگرانی کی جاتی تھی۔ عقل کی بات یا اعتراض کرنے والوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے جن میں اذیت ناک قید اور زندہ یا مُردہ جلا دینا بھی شامل تھا۔ مفروضہ تھا کہ انسان کم عقل ہے اس لیئے مذہب کو سمجھنے کا اہل نہیں جبکہ پادری خود کو انسانوں سے بالاتر اور خدا کا نمائندہ سمجھتے تھے۔

عقل پر پابندی ہی کی وجہ ہے کہ قریباً پندرہ صدیوں تک یورپ بھر کی تاریخ میں کوئی قابل ذکر علمی اور ادبی سرگرمی دکھائی نہیں دیتی۔ امریکہ وغیرہ وسیع ممالک کی دریافت کے بعد جب عام یورپین کی ضرورت اور قدر ہوئی تو سائنسی و دیگر علوم کی ترویج و ترقی ان لوگوں کے حصے میں آئی جو مسیحیت کے باغی تھے۔ جبکہ مسیحیت کے سب سے بڑے ستون یعنی جناب پوپ نے ریل اور گیس وغیرہ سائنسی ایجادات سے استفادے کی اجازت بھی کہیں انیسویں صدی کے آخر میں "شیطانی انسانی ایجادات" (UNHOLY HUMAN INVENTIONS) کے نام سے کراہت کے ساتھ دی تھی۔

حد یہ ہے کہ قبل از مسیح کے یونانی فلسفیوں اور عالموں کے بارے میں بھی نسبتاً حالیہ زمانے کے یورپین کو عربوں کی کتابوں کے تراجم سے پتہ چلا۔

مجھے کارزارِ زمانہ کی چومکھی سے بھی عہدہ برآ ہونا تھا۔ بڑھاپے کی کمزوری بھی حائل رہی۔ اسی لیئے طویل عرصے کے بعد اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کرنے کے قابل ہوا۔ دعا ہے اللہ تعالےٰ اس محنت کو قبول فرما کر میری نجات کا وسیلہ بنا دے۔ (آمین)

آخر میں اپنے بیٹے سلطان مسعود احمد کی امداد کا اقرار ضروری سمجھتا ہوں جس نے بڑے حوصلے اور مستقل مزاجی سے اپنے باپ کے خراب خط میں لکھے گئے مسودے کو اپنے خوبصورت خط میں تبدیل کیا۔ نیز پروفیسر عابد صدیق صاحب کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے ادبی نوک پلک سنوارنے میں میری مدد کی۔

عبدالمجید عفی عنہٗ

پوسٹ ماسٹر (ریٹائرڈ)

یہودیت

مسیحیت چونکہ خود کو یہودیت کی وارث اور تورات (PENTATEUCH) یا (OLD TESTAMENT) کو انجیل کی بنیاد قرار دیتی ہے۔ اس لیے آغاز یہودیت کے مختصر ذکر سے کیا جاتا ہے۔

آکسفورڈ کنسائز ڈکشنری کے مطابق یہودی کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

CHEAT AND WHO PRACTICES ALL TRICKS AND VILES

”یہودی دھوکے باز کو کہتے ہیں جو کمینگی کی حد تک ہر طرح کے حربے استعمال کرتا ہے۔“ حال ہی میں انگلستان میں مذکورہ ڈکشنری میں سے یہ تعریف حذف کروانے کی یہودی کوشش ناکام ہو گئی ہے۔ محققین یہودی تاریخ کا آغاز مصر میں اُن کی غلامی کے زمانے یعنی ۱۳۰۰ ق م سے کرتے ہیں۔ جہاں سے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نجات دلائی اور بعد میں جلدی ہی اُنہوں نے خُدا کی نافرمانی کرتے ہوئے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی نیز کنعانیوں سے لڑنے سے انکار کی سزا کے طور پر وہ چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے رہے اور آخر کار فلسطین میں آباد ہوئے لیکن اپنی مختصر حکومت کے دوران میں وہ اکثر نازک حالات سے دوچار ہونے کے باوجود تمام ہمسایہ ممالک کے لئے مصیبت بنے رہے۔ یہودی دہقان اور مزدور کی حلال کمائی ہتھیانے کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق غیر یہودی کو دھوکہ دینا بلکہ جان سے مار دینا جائز ہے۔ ان کے دولت مند مذہبی رہنماؤں پر بڑی بے شرمی سے صحیفوں میں تحریف کا الزام لگایا جاتا ہے۔ رچرڈ برٹن اپنی کتاب JEW GYPSY AND AL-ISLAM

"یہودی خانہ بدوش اور سلام" میں کہتے ہیں: "یہودی عورتیں اس قدر بدچلن ہوتی ہیں کہ اُن کے نزدیک عصمت اور عفت اُسی طرح بے وقعت ہے جیسے اُن کے مردوں کے نزدیک دیانتداری۔ یہ قوم عورت کو بہت گھٹیا مخلوق سمجھتی ہے۔ اس لئے ان کے لڑکے سونے سے پہلے روزانہ خُدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے انہیں عورت نہیں بنایا۔ پیغمبر عزیز کو یہ خُدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ سال میں ایک بار (YOM-KIPPER) یوم کفارہ نامی تہوار کے موقع پر یہ (KOL NIDDRE) کل ندرے نامی عبادت اس غرض سے کرتے ہیں کہ خُدا انہیں توڑی گئی قسمیں معاف کر دے گا۔

تھامس پین (THOMAS PAINE) اٹھارہویں صدی میں لکھی گئی اپنی مشہور زمانہ کتاب "معقولیت کا زمانہ" (AGE OF REASON) میں کہتے ہیں "چُنی گئی قوم" کی اصطلاح ان کے امرأ اور مذہبی رہنماؤں کے ذہن نے اس وجہ سے گھڑی تاکہ وہ اپنے ظالمانہ اور گھٹیا کردار پر پردہ ڈال سکیں ورنہ خُدا کی برگزیدہ قوم سے جو تصوّر اُبھرتا ہے وہ صرف نیکی پارسائی اور بلند کرداری کا ہو سکتا ہے نہ کہ ظلم، بددیانتی، کمینگی اور بے حیائی کا جس کی یہ قوم عادی ہے (J.H. PROCTOR) اپنی کتاب "اسلام" میں کہتے ہیں کہ یہودی تمام دُنیا پر حکمرانی کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ بقول مصنف یہودیوں کے نزدیک سونا سب قوتوں کا سرچشمہ ہے جس کے وہ مالک بنتے جا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں نیویارک امریکہ کا دل ہے اور امریکہ تمام دُنیا کا جب کہ نیویارک کے اخبار اور دولت یہودیوں کی مٹھی میں ہیں جس سے وہ تمام دُنیا کی حکومتوں اور عوام کو بدکردار بنا کر اپنے آپ کو اقوام عالم پر مسلط کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ رچرڈ برٹن اپنی محولہ بالا کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہودی اتنے بڑے ہنگامہ پرور ہیں کہ اگر کسی غیر یہودی کے ہاتھوں ان کی مُرغی کی ٹانگ ٹوٹ

جائے تو ہنگامہ آرائی کرتے ہوئے سفارتی حد تک پہنچنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اور خود اگر کسی غیر یہودی انسان کو ہلاک بھی کر دیں تو چاہتے ہیں کہ اسے معمولی واقعہ سمجھا جائے۔ یہ تو تھا ایک عام جائزہ۔ اب ملاحظہ ہو انجیل میں خود عیسےٰ مسیح اس قوم کے بارے میں کیا فرما گئے ہیں۔

انجیل متی۔ باب ۲۳ فقرہ ۲۴: اے اندھے رہبر و مچھر کو تو تم چھانتے ہو لیکن اونٹ نگل جاتے ہو۔

باب ۲۳ فقرہ ۲۸: اوپر سے تم راستباز دکھائی دیتے ہوئے ہو لیکن اندر سے تم مکاری اور بدمعاشی سے بھرے ہوئے ہو۔

باب ۲۳۔ فقرہ ۳۱: تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کی اولاد ہو۔

باب ۲۳۔ فقرہ ۳۳: اے اژدہو، اے سانپوں کی نسل تم دوزخ کے عذاب سے کیسے بچ سکتے ہو۔

یوحنا۔ باب ۱۔ فقرہ ۱۱: وہ اپنوں (یعنی یہودیوں) کے گھر آیا لیکن اپنوں نے اسے قبول نہ کیا۔

---

۶۳ ق م میں فلسطین پر رومن غلبے سے پہلے یہ ملک نبوکدنضر (NEBUCHEDNAZAR) سکندر اعظم اور دارا کے لشکروں کی آماجگاہ رہ چکا تھا۔ اس لئے یہاں عاشوری، یونانی، فارسی، رومن اور یہودی مذاہب آپس میں خلط ملط ہو کر ایک دوسرے کو متاثر کرتے رہے تھے۔ یہودی شدت سے ایک مسیحا کے منتظر تھے۔ جو ان کو رومنوں کی غلامی سے نجات دلا کر پھر سے فلسطین کا مالک بنا دے کہ ۴ سے ۶ ق م میں کسی وقت حضرت یسوع مسیح پیدا ہوئے۔ نہ تو یہودیوں نے اور نہ ہی کسی قوم کے ہم عصر مورخین نے ان کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ پوپ گریگری

نے انجیلوں کے بیان سے اِن کی پیدائش کا اندازاً تعین کیا جس میں غلطی کی وجہ سے قدرتاً پہلی تاریخ جھینیہ اور سال بعد میں بدل کر ۴ تا ۶ ق م مقرر کرنا پڑی۔ مُروجہ گریگورین یا عیسوی کا کلینڈر روم میں سولھویں صدی عیسوی کے آخر میں رائج ہوا۔ اور دوسری یورپین اقوام نے اُسے بہت بعد میں اختیار کیا۔

آثار و قرائن بتلاتے ہیں کہ حضرت مسیح کی زندگی اور موت کا واقعہ غیر اہم سمجھا جانے کی وجہ سے ہم عصر مورخین کے علم میں نہ آسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے بارے میں ہم تمام تر بھروسہ اناجیل پر کرنے پر مجبور ہیں جو متعلقہ واقعات کے بہت دیر بعد وجود میں آئیں اور جن کے مصنفین عینی شاہد بھی نہیں۔ اس طرح اس تمام واقعے کے بیان کے لیے ہم اُن مذہبی و اساطیری کتابوں پر تکیہ کرنے پر مجبور ہیں۔ جو یقیناً ٹھوس تاریخی شواہد کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔ اناجیل کے لئے لفظ انجیل صیغہ واحد ہونے کی وجہ سے غلط العام سمجھنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ دو بڑے حصوں "پرانا عہدنامہ اور نیا عہدنامہ" OLD TESTAMENT AND NEW TESTAMENT پر مشتمل ہے جو مزید کئی کئی حصوں اور مختلف مصنفین پر مشتمل ہیں۔ جب کہ "پرانا عہدنامہ" یہودی اور "نیا عہدنامہ" عیسائی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ تورات یا (PENTATEUCH) کے پانچ حصے "پیدائش" (GENESIS) "خروج" EXODUS "گنتی" "احبار" (LEVITICUS) اور "استثنا" (DEUTERONOMY) ہیں صدیوں تک یہ باور کیا جاتا رہا کہ اِن پانچوں کتابوں کے مُصنف خود حضرت موسیٰؑ ہیں۔ جس کی تصدیق "نئے عہد نامے" میں پال نے بھی رومیوں کے نام اپنے خط (۵ : ۱۰) کے مطابق اور یوحنا نے اپنی انجیل (۵ : ۴۶ : ۴۷) میں حضرت عیسےٰؑ کی طرف سے یہ بات کہہ کر کی کہ "اگر تم موسیٰؑ پر ایمان لاتے تو مجھ پر بھی ایمان لاتے۔ لیکن اگر تم اُن کے صحائف پر ایمان نہ لانے تو میرے اقوال پر کیسے ایمان لاؤ گے۔

یہ ماننا پڑے گا۔ کہ اپنے زمانے کے حالات کے پیش نظر مارٹن لوتھر بڑے دل گردے
کا آدمی تھا۔ جس نے ۱۵۱۷ء میں پوپ اور کلیسا کے صدیوں سے قائم اقتدار اور مذہبی
عقائد کو للکارا۔ جب کہ ایسی جسارت کی سزا اذیت ناک موت سے کم نہ تھی۔ تقریباً
اسی وقت امریکہ کی نئی دریافت ہوئی اور وسیع پیمانے پر یورپ سے انسانوں کا نقل
وطن شروع ہوا۔ انگلستان میں ملکہ الزبتھ اول نے کیتھولک عقیدوں کی بنیادیں ہلا
دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپین عیسائیوں کی سوچ پر لگائی گئی صدیوں پرانی سخت پابندیوں
کی گرفت ڈھیلی پڑنی شروع ہو گئی اور آنے والی دو تین صدیوں میں مورخین اور محققین
نے ایسے ایسے سوال پوچھنے شروع کر دیئے جن کا تصور بھی اس سے پہلے رونگٹے کھڑے
کر دینے کیلئے کافی تھا۔ ہر عیسائی پر لازم تھا۔ کہ پادریوں اور کلیسا سے متعلق عملے کی تابعداری
کرے۔ اور اُمرا اور بادشاہ وقت کا وفادار رہے۔ رابرٹ پین کی کتاب
(CHRISTIAN) (CENTURIES) کے صفحہ ۳۰۲ گلیڈ سٹون برٹین کی کتاب
(HISTORY OF BIBLE) کے صفحہ ۱۹۵ اور کرسٹوفر ہل کی کتاب (THE
CENTURY OF REVOLUTION) کے صفحہ ۹۹ کے مطابق عام آدمی کے لئے
انجیل رکھنے کی (ممانت) ممانعت تھی۔ جس کا لکھنا پڑھنا یا مطلب بیان کرنا صرف پادریوں
کی اجارہ داری تھی۔ دوسرے علوم کی کتابیں رکھنا بھی عام آدمی کے لئے منع تھا اور
خلاف ورزی کی سزا سخت (بشمول موت) تھی۔ ۱۶۷۸ء عیسوی میں رچرڈ سائمن
نے "پرانے عہد نامے کی تنقیدی تاریخ" (CRITICAL HISTORY OF OLD
TESTAMENT) میں بائبل کے اس ابتدائی یا یہودی حصے پر یہ اعتراضات
اٹھائے ۱۔ زمان و مکان کی مشکلات ۲۔ واقعات کا اعادہ ۳۔ غیر واضح کہانیاں
اور ۴۔ مختلف حصوں کے انداز بیان میں فرق۔ جب کہ کتاب ایک ہی مصنف
یعنی حضرت موسیٰ ؑ سے منسوب ہے۔ لیکن کسی نے اس پر کان نہ دھرا خاص طور پر

اس لئے کہ اس کتاب کو خود حضرت عیسےٰؑ نے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے سند عطا کی تھی۔ فرانس کے بادشاہ لوئی کے ایک ڈاکٹر جین آسٹرک (JEAN ASTRUC) نے اپنی کتاب اُن" ابتدائی تحریروں کے بارے میں خیالات جو غالباً حضرت موسےٰؑ نے کتاب " پیدائش " (GENESIS) کی ترتیب کے لئے استعمال کیں" "CONJECTURES ON THE ORIGINAL WRITING WHICH IT" APPEARS MOSES USED TO COMPOSE THE BOOK OF GENESIS" جن کے مطابق مصنف نے دو ماخذ بیان کئے۔ گو کہ اس اہم دریافت کے لئے وہ پہلا شخص نہیں تھا۔ لیکن اس انکشاف کے برملا اظہار کا حوصلہ کرنے والا وہ پہلا آدمی تھا۔ یہودی اناجیل کے حصہ "پیدائش" میں خدا کو بعض جگہ یہووا (YEHOVA) اور بعض جگہ الوہیم (ELOHIM) کہا گیا ہے۔ جبکہ انگریزی تراجم میں یہ دونوں القاب لارڈ (LORD) کے لفظ سے بدل دیئے گئے ہیں۔ "پیدائش" ہی کے باب ۳۶ کی آیات ۳۱ تا ۴۳ اور ایک کرانیکل کے باب ایک کی آیات ۴۵ سے اور دو کرانیکل کے باب ۳۶ کی آیات ۲۲ - ۲۳ عذرا کے باب ایک کی آیات ایک تا تین کے ساتھ لفظ بلفظ ملتی ہیں۔ جبکہ دونوں کے مصنف الگ الگ بتائے جاتے ہیں۔

"آئی کورن" (EICOHORN) نے معلوم کیا کہ بقیہ ۴ کتابوں کا بھی یہی حال ہے ۱۷۹۸ میں "الگن" (ALGEN) کے علم میں یہ بات آئی کہ آسٹروک کی وہ دریافت جس میں خدا کو الوہیم کہا گیا ہے۔ مزید دو حصوں میں منقسم ہے۔ یعنی منصف الگ الگ ہیں۔ کتاب "پیدائش" پرانے عہدنامے کی پہلی کتاب ہے لیکن یہ کتاب "کرانیکل" (CHRONICLES) کے بعد لکھی گئی جو حضرت موسیٰؑ (جن کو اس کتاب کا خالق کہا جاتا ہے۔) کی وفات کے ۸ صدی بعد وجود میں آئی - استثنا (DEUTRONOMY)

نامی کتاب کی تصنیف بھی حضرت موسیٰؑ کے نام سے منسوب ہے۔ جبکہ اس کے باب
نمبر ۳۴ کا فقرہ ۵ تا ۸ میں وفات کے وقت حضرت موسیٰؑ کی عمر ۱۲۰ سال بیان کی گئی
اور یہ کہ وہ وادیٔ مواب (MOAB) میں دفن ہیں تو اس کے مصنف حضرت موسیٰؑ
کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ کتاب "گنتی" (NUMBERS) کے باب نمبر ۳۱ کی آیت نمبر ۱۸-۱۷
میں مرقوم ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا" ان لڑکیوں کو جنہوں نے مردوں سے ہم بستری
نہیں کی اپنے لئے رکھ لو اور باقی سب مردوں اور عورتوں کو قتل کر دو۔ اسی باب کی
آیت نمبر ۳۵ کے مطابق ایسی معصوم لڑکیوں کی تعداد جن کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ۳۲
ہزار بتائی گئی۔ اسی طرح اس انجیل (پرانا عہد نامہ) کے کئی دوسرے حصے انسانیت سوز
قصوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جنہیں انسانیت اور شرافت سننا بھی برداشت نہ کرے
ان کو خدائی احکام پر محمول کرنا خدا کی پاک ذات پر نہایت گھٹیا درجے کی الزام تراشی
ہے۔ ایسا مذہب کیوں کر سچا کہلانے جانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جو انسانوں اور معاشرے
کے مختلف طبقوں پر ظلم و تعدی کی تعلیم دے۔ دوسرے تمام حصوں کے برعکس
(BOOK OF JUDGES) کے لکھنے والے کا نام ہی نہیں۔ تو اس کے بارے
میں الہامی ہونے کا دعویٰ کیسے کیا جاتا ہے؟ کتاب "سلاطین ۲" (II KINGS)
کے باب نمبر ۱۰ فقرہ نمبر ۷ - ۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ شہر کے دروازے پر بچوں
کے کٹے ہوئے ستر سروں سے بھرے دو ٹوکروں کی نمائش کی گئی جو آہاب قوم سے تھے۔
اور جنہیں جیہو (JEHU) نے قتل کیا تھا۔ جسے ایشا (ELISHA) نبی نے ایسے ہی
ظالمانہ کاموں کے لئے برکت دی تھی۔ اسی کتاب کے باب نمبر ۱۵ کے فقرہ نمبر ۱۶ کے
مطابق یہودی بادشاہ مناہم (MANAHEM) نے (TIPHSAH) نامی شہر
کو فتح کرنے کے بعد شہر کے دروازے نہ کھولنے کی پاداش میں تمام حاملہ عورتوں کے
پیٹ پھاڑ دیئے" نبیوں یعنی (PROPHETS) کے بارے میں یہ کتاب کچھ نہیں

بتائی کہ انہوں نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے البتہ یہ بتایا ہے کہ نبیوں کو خدا رسیدہ (SEER) کہا جاتا تھا۔ ۱۔ سموئیل ۹ : ۹ (I, SAM 9:9) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نام سُراغ رساں قسم کے لوگوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ یا پھر اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ (PROPHET) سے مُراد گانے بجانے والے یا شاعر قسم کے لوگ تھے۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں یہودی تاریخ کے تحت درج ہے کہ ۹۷۳ - ۱۰۱۳ ق م کے دوران میں (PROPHECY) پیشین گوئی کرنے کا فن سکھانے کے سکول جو پہلے پہل سیموئیل (SAMUEL) نبی نے جاری کئے تھے پھر سے پھلنے پھولنے لگے گویا نبوت ایک پیشہ تھا۔ اس مفروضے کی تصدیق نیا عہد نامہ کے حصہ "اعمال" باب ۲۱، کے فقرہ ۹ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے۔ "اُس کی چار کنواری بیٹیاں تھیں جو نبوت کرتی تھیں"۔ "سلطنت رُوم کے زوال" (DELLINE AND FALL OF ROMMAN EMPIRE) نامی کتاب کے مختصر ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۳۸۱ پر گبن (GIBBON) لکھتے ہیں۔ کہ اگر یہودی جو اپنے آپ کو اپنے مذہب کا بہت پابند بتاتے ہیں۔ اپنی انجیل کی کتاب خروج ۲۳ : ۳۴ اور استثنا ۱۶ : ۱۶ پر عمل کرتے جس کے مطابق ہر یہودی مرد پہ یہ لازم ہے۔ کہ وہ سال میں ۳ مرتبہ یروشلم میں خود کو خداوند یہوواہ (LORD JEHOVA) کے سامنے پیش کرے تو اس قوم کیلئے تمام دنیا میں پھیل جانا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ چار ماہانہ پیشی کے لئے وہ ایک محدود فاصلے کے اندر رہنے پر مجبور ہوتے۔

ایک یہودی کتاب "تارگم" (TARGUM) کے مطابق وہ مدتوں اپنے زبانی قانون (ORAL LAW) یا (HALACHAH) کو قصداً تحریر میں نہ لاتے کہ ایسا کرنے سے اُس کی حدود متعین ہو جاتیں جس سے وہ مستقل اور ہمہ وقتی بن جاتا اور تحریف کی گنجائش کم ہو جاتی یہ عجیب بات ہے کہ ترتیب کے اعتبار سے

(KINGS AND CHRONICLES) کے لکھے جانے سے بہت پہلے اہمیت
کے حامل انبیاء عزکائیل، دانیا، ہوسیا، جول، آموس، عبادیا۔ یونس، میکاہ
ناہوم۔ حباکوک اور زفانیا گزر چکے تھے۔ لیکن ان انبیاء کا اِن کتابوں میں کوئی ذکر
نہیں سوائے اسایا (ISAIAH) کے اکیلے یرمیاہ کا ذکر صرف کرانیکل کے آخری باب
میں ہے۔ عذرا (EZRA) کی پہلی تین آئتیں لفظ بہ لفظ کرانیکل کی آخری دو کے
مطابق ہیں۔ جب کہ دونوں کے مصنف الگ الگ ہیں۔ اندرونی شہادت سے یہ بات
ثابت نہیں ہوتی کہ ایوب (JOB) کی کتاب یہودی ہے۔ اس بارے میں خود
یہودی ناقدین (EBENZERA) اور (SPINOZA) کی رائے میں یہ کتاب
یہودی نہیں بلکہ کسی غیر یہودی مصنف کی ہے۔ جو ترجمہ کرکے بائبل میں شامل کی گئی ہے
(PROVERBS) کا باب نمبر ۳۱ یہ بات ثابت کرتا ہے۔ کہ یہودی غیر یہودیوں کی
تحریروں کا ترجمہ کرکے اپنی کتابوں میں شامل کر لیا کرتے تھے۔

عراق سے ملنے والی مشہور بابلی تختیوں (BABYIOMIAN TABLETS)
کو پڑھ (DECIPHER) لیا گیا ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے زمانے سے پہلے کی ہیں اور
اُن میں پائے جانے والے حمورابی کے احکامات (CODE OF HAMMURABI)
حیران کن حد تک حضرت موسیٰ سے منسوب دس احکامات (TEN COMMANDMENTS)
سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اسی لئے بعض محققین کا خیال ہے کہ اِن کو یہودیوں نے چھٹی
صدی قبل مسیح میں اپنی بابئل میں اسیری کے دوران اپنا لیا ہوگا۔

تھوڑا سا غور کرنے پر "پرانے عہد نامے" میں بے شمار تضادات نظر آتے
ہیں۔ اور کئی ناممکن باتیں ملتی ہیں۔ مثلاً "پیدائش" (GENESIS) کے باب نمبر ٦
کے فقرہ نمبر ۳ میں سیلاب نوحؑ سے پہلے خدا فرماتا ہے۔ کہ آئندہ کے لئے انسانوں

کی عمر کی حد ایک سو بیس برس ہوا کرے گی۔ جبکہ اسی کتاب کے باب ۱۱ کی آیت نمبر ۱ تا ۳۲ میں حضرت نوح کے دس وارثین کی عمریں ۱۴۸ سال سے لے کر ۶۰۰ سال تک بیان کی گئی ہیں۔ یہودی کیلنڈر دنیا کی پیدائش کے دن سے شروع ہوتا ہے۔ جو آج کل ۱۹۸۸ عیسوی میں ۵۷۴۹ سال بنتا ہے۔ آدمی کی پیدائش چند دن بعد ہوئی۔ یہودی ذرائع کے مطابق حضرت آدمؑ سے لے حضرت ابراہیمؑ تک ۲۱۲۳ سال بنتے ہیں۔ اور مختلف ذرائع سے حاصل کردہ معلومات سے حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسٰیؑ تک ۱۸ صدیاں بنتی ہیں۔ اس اندازے میں معمولی غلطی کا امکان ہے۔ آج کے سائنسی دور میں ۱۶۲ سال کے فرق سے قطع نظر کروڑوں سال کے اندازے کے مقابلے میں انسان کی ابتداء کے صرف ۵۷۴۹ سال صریحاً غلط ہیں۔ اگر ہم شمار کریں تو "پیدائش" (GENESIS) کے مطابق حضرت نوحؑ کا طوفان حضرت آدمؑ کی پیدائش کے ۱۶۵۶ سال بعد وقوع پذیر ہوا اور حضرت ابراہیم اس طوفان سے ۲۹۲ برس بعد پیدا ہوئے اور اس وقت تک روئے زمین پر کئی قومیں پھر سے آباد ہو چکی تھیں۔ یعنی صرف ۳ سو برس میں جب کہ اس کتاب کے مطابق طوفان میں حضرت نوحؑ اور اُن کے ۳ بیٹوں اور بیویوں کے سوا باقی تمام نوعِ انسانی ختم ہو گئی تھی۔ گویا ان تین جوڑوں کی اولاد صرف ۳ صدیوں میں مختلف قبیلوں میں بٹ کر روئے زمین پر پھیل چکی تھی۔ جبکہ صرف وادیٔ سندھ میں پائے جانے والے آثارِ قدیمہ قریباً ۳ ہزار سال قبل مسیح کے بتائے جاتے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت ابراہیم کے درمیان ۱۸ صدیوں کا فاصلہ بتایا جاتا ہے اس طرح اس کتاب کا یہ بیان غلط ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے کئی دیگر تضادات اور غلط بیانیوں پر غور کے بعد روم میں ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۵ء میں ویٹیکن کونسل (VETICAN COUNCIL) اس نتیجے پر پہنچی کہ "پرانے عہد نامے" میں کچھ ایسا مواد پایا جاتا ہے۔ جو نامکمل اور فرسودہ ہے۔ یہ بھی غنیمت ہے ویٹیکن نے کچھ تو محسوس کیا۔

دو ہزار سال بعد ہی سہی۔ اسی دوسری ویٹیکن کونسل میں یہ بھی طے پایا کہ یہودی قوم کو حضرت عیسٰے کے قتل سے بری کر دیا جائے۔ اور اکیلے اُن کی بجائے تمام بنی نوع انسان کو اس جرم کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ دوسری طرف یہ دعویٰ قابلِ غور ہے۔ کہ ان کا مصلوب کیا جانا اللہ تعالیٰ کے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھا۔ تاکہ بنی نوعِ انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو۔ پھر دو ہزار سال تک یہودی قوم پر اسی وجہ سے ظلم کیوں کئے جاتے رہے؟ مزید براں اس کونسل نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ آئندہ عبادت کے دوران مسلمانوں اور یہودیوں کو گالیاں نہ دی جایا کریں۔ یہودی برتری کے دعوے کا رُخ مسیحیوں کی طرف تھا۔ جنہیں وُہ بت پرستوں کا کوئی فرقہ سمجھتے تھے۔ تیسری صدی عیسوی میں اوریگن (ORIGEN) نے اپنی کتاب (HEXAPLA) میں "پرانے عہد نامے" کو مزید تحریف سے بچانے کی کوشش کی۔ جس کا ہر نسخہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ بطور نمونہ "پرانے عہد نامے" (OLDTESTAMENT) اور تورات (PENTATEUCH) میں سے تھوڑی سی جھلک پیش کی ہے ورنہ صرف اسی موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ ساری کتاب تضادات، ناممکنات اور انتہائی گھناؤنے ظلم و تعدّی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جن کا پڑھنا کسی بھی سلیم الطبع انسان کو شدید ذہنی کوفت میں مبتلا کر سکتا ہے۔ خداوند کریم کے عظیم اور پاک نام کے ساتھ ایسی ایسی شرمناک باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ کہ پناہ بخدا یاد رہے کہ یہ حصہ مکمل انجیل کی بنیاد ہے اور مسیحی گرجوں میں عبادت کا موضوع بنتا ہے۔ یہ کیسی ستم ظریفی کی بات ہے کہ عیسائی عقیدے کے مطابق ہونا چاہیئے۔ حضرت یسوع کے مصلوب ہونے سے بنی نوع انسان یا کم از کم مسیحیوں نے نجات پالی پھر یہ "پرانا عہد نامہ" اور اس کی موجودگی میں "نیا عہد نامہ" کیا معنی! جب کہ دعویٰ یہ ہے کہ دونوں الہامی ہیں۔ یعنی ایک ہی خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ہیں۔ اور دونوں حرف بحرف ٹھیک ہیں مزید براں

مسیحی عقیدہ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت یسوع مسیح کی قربانی کے بعد اُن کے ماننے والے تمام قوانین سے آزاد کر دیتے گئے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر کسی مقدس کتاب کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ آئندہ ابواب میں "نئے عہد نامے" (NEW TESTAMENT) یعنی مسیحی حصے کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ جو عہد نامہ عتیق (OLD TESTAMENT) سے کم دلچسپ اور عبرتناک نہیں۔

یسوع مسیح کی ولادت کے وقت فلسطین میں مذاہب کی کھچڑی

یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہوتے لگ بھگ ۷ صدیاں گزری تھیں کہ اس ملک کو بابل کے بادشاہ نیبوکدنفر (NEBUCHEDNAZAR) نے فتح کر لیا۔ اور اُن کی بڑی تعداد کو غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ جہاں انھوں نے بہت کچھ سیکھا۔ اور کئی سال تک قابلِ برداشت حالات میں وقت گزارا تا آنکہ سائرس (CYRUS) کے آزاد کرا دینے کے باوجود اِن میں سے بہت سے وہیں آباد ہو گئے۔ یہودیوں کی اس جلاوطنی کے دوران میں ارد گرد کے قبائل نے فلسطین میں آباد ہو کر خلا کو پُر کر دیا۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں سکندر اعظم نے فلسطین کو فتح کیا۔ تو وُہ بہت سے یہودیوں کو اسکندریہ لے گیا۔ جو وہیں آباد ہو گئے۔ یونانیوں کی تین صدیوں کے دورِ حکومت میں فلسطین کئی مذاہب کے قریبی میل جول کا مقام بنا رہا اور یہاں کے علماء نے مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ سرکاری زبان یونانی کو بھی اپنا لیا۔ اِسی لیے اس زمانے کا اکثر لٹریچر یونانی زبان میں ملتا ہے۔ ۶۳ ق م میں اس ملک پر رومن چھا گئے۔ رومیوں کے تسلط سے فلسطین کے ایک محدود علاقے پر کچھ ہی عرصہ پہلے پھر سے قائم ہونے والی یہودی بالادستی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ یہ تھا وہ زمانہ جب کہ یہودی قوم کسی نجات دہندہ کی

منتظر تھی۔ جو انہیں غلامی سے نجات دلاکر دوبارہ فلسطین کا مالک بنا دے مذہبی لحاظ سے رومن بے حد رواداری تھے۔ اور اُن کے دورِ حکومت میں ہر طرح کے مذہبی عقیدے کی عام اجازت تھی۔ وہ خود بھی ہر اس بات کو اپنے مذہب میں شامل کر لیتے تھے۔ جو انہیں پسند آجاتی۔ اس طرح اُن کے عقیدے اور خداؤں میں مسلسل رد و بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ اس وقت کے بعض پُر اسرار عقائد کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا جو اس ملک میں پائے جاتے تھے۔ اور جنہوں نے عیسائی عقائد کو یقیناً متاثر کیا۔

نوفلاطونیت (NEOPLANTONISM) اس مکتب فکر کے ماننے والوں نے رومن، یونانی اور مشرق وسطیٰ قریب مثلاً شام وغیرہ کے مذاہب سے بعض باتیں یکجا کر کے ایک مذہبی فکر کی بنیاد ڈالی جس کی ابتدا حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے قریباً ایک صدی پہلے ہوتی۔ اس کی مثال ایسے سمندر کی تھی۔ جو ندیوں کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اِن عقائد میں سے چند یہ تھے۔ ۱۔ تثلیثی تصور کے مطابق رفتارِ زمانہ کی ایک پیچیدہ فلسفیانہ توجیہہ ۲: فلسفیانہ اور مذہبی دوہرے نقطہ نگاہ سے خداؤں فرشتوں، شیطانوں اور برگزیدوں کی ایسی نمائندگی اور تشریح جس کے ذریعے منطق اور فلاسفی پر مذہبی پیشوا غالب رہیں۔ ۳۔ پلاٹو (PLATO) کی تشریح ذو معنی کہانیوں (ALLEGORY) کے طویل اور پر پیچ طریقے کی مدد سے روائتی علم (SCHOLASTICISM) اور رہبانیت (MYSTICISM) کے باہمی تعلق اور معقولیت (RATIONALISM) پر راہبانہ (MYSTICAL) مشاہدے کی بالادستی اِس مکتبِ فکر نے مسیحی عقائد (THEOLOGY) اور رہبانیت پر گہرا اثر ڈالا۔

متھرازم۔ (MITHRAISM) یہ مذہب ایرانیوں کی مغربی فتوحات کے

ساتھ مغرب میں پھیلا اور ۶۸ ق م سے روم اور ازاں بعد دوسری صدی عیسوی تک اکثر یورپین ممالک کا بڑا اہم مذہب بن چکا تھا۔ لیکن بعد میں مسیحیت کے متشددانہ حملوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ تاہم مسیحیت اور اس میں پائی جانے والی حیران کن مشترکہ مثالیں ملاحظہ ہوں۔ مثلاً متھرا چٹان سے پیدا ہوا اس معجزے کو بعض چرواہوں نے دیکھا۔ جو اس کے لئے تحائف لاتے اور اُس کی حمد کی۔ ایک عبادت کے وقت روٹی، پانی اور شراب عبادت کے متبرک اجزاء بنتے تھے۔ بڑا پروہت شہر کے باسیوں کا نگران بھی ہوتا تھا مذہبی تنظیم کی ایک شاخ کنواریوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ عبادات میں گھنٹی اور موم بتی کا استعمال۔ خدا سے جاری ہونے والی روح (LOGOS) کی شفاعت۔ کفارے کے طور پر قربانی۔ اِتوار کے دن اور ۲۵ دسمبر (متھرا کی پیدائش کا دن) کا تقدس وغیرہ۔

یونانی اور رومن دیومالائی (MYTHOLOGY) مذاہب میں پرومیتھس کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ جو ایک سخت کشمکش میں مبتلا روح کی حیثیت سے اِنسان کی نمائندگی کرتا تھا۔ رومانوی شاعروں کے نزدیک پرومیتھس کرب میں مبتلا انسانی روح کے مترادف تھا۔ جو پروہتوں اور بادشاہوں کے خلاف جدوجہد کر رہی ہو۔

دوسری صدی عیسوی کے ایک مذہبی محقق ترتولیان (TERTULLIAM) کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ مسیح کے ساتھ وہی کچھ ہوا۔ جو پرومیتھیس کے ساتھ ہوا (یعنی) ایک کا انجام صلیب پر اور دوسرے کا چٹان کے ساتھ گاڑے جانے سے ہوا۔

۲۰ ق م سے ۴۰ء عیسوی کے دوران "فیلو" (PHILO) نامی پروہتوں کے خاندان سے متعلق ایک یہودی، غالباً مصر کے یونانی فرمانرواؤں کی ایما سے سکندریہ میں بڑا فعال تھا۔ اس نے اپنی تحریروں وغیرہ میں یونانی اور یہودی مذاہب کو باہم ملانے کی کوشش کی۔ اور ایسی پُر فریب زبان اور طریقے اختیار کیے جنہوں نے یقیناً مسیحی

مذہب کی تخلیق میں اہم کردار ادا کیا۔

بیت اللحم (BATHLEHEM) کے مقام پر انجیل کے ایک اہم ترین مرتب و مترجم سینٹ جیروم (ST. JEROME) کے مطابق چوتھی صدی عیسوی تک مشہور غار (GROTTO OF NATIVITY) میں ایڈونس دیوتا (ADONIS) کی عبادت کی جاتی تھی۔ اور اُسے اس کی جائے پیدائش سمجھا جاتا تھا۔ (ADONIS) کے معنی عبرانی زبان میں لارڈ (LORD) کے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس جگہ کو حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش چوتھی صدی عیسوی کے بعد قرار دیا گیا۔

رومن مؤرخ طاسیطوس (TACITUS) کے مطابق رومن شہنشاہ ویسپاشین (VESPASIAN) ... (۷۹-۹ عیسوی) نے لنگڑے کی ٹانگیں اور اندھے کو آنکھیں دینے کے معجزات دکھائے تھے۔ اور اس نے مرتے وقت کہا تھا۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں خدا بن رہا ہوں۔ خدائی اور تاج لازم وملزوم سمجھے جاتے تھے۔ اسی لئے ہم عصر رومن بادشاہ آغسٹس (AUGUSTUS) بھی خدا کہلایا اور عبادات میں شامل کیا گیا۔ حضرت یسوع مسیح کو بھی تاج پہنایا گیا تھا۔ (گو کہ کانٹوں کا تھا) شاید اسی لئے اُن کے لئے بھی خدائی کا درجہ ضروری قرار دیا گیا۔ یہ تھا مختصر ذکر اس پس منظر کا جس میں حضرت یسوع مسیح اس دنیا میں تشریف لائے۔

(MESSIAH) یا مسیح سے مُراد وہ ہستی بتائی جاتی ہے۔ جس کی مالش کی گئی ہو جسے انگریزی زبان میں (THE ANOINTED ONE) کہتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ انجیل کے عیسائی حصے یعنی "نیا عہد نامہ"

(NEW TESTAMENT) کے بھی کئی مصنف اور حصّے ہیں۔ لیکن بنیادی چار حصّے یہ ہیں۔ انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا۔ جن میں بعض اہم اور منفرد واقعات کو یہ انجیلیں تضادات کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب ماخذ ایک ہے (یعنی خداوند کریم) اور واقعہ ایک ہے۔ (یعنی عیسیٰ کی زندگی اور تعلیم کا بیان) تو چاروں میں فرق کیوں ہے؟ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ خداوند کریم نے بذریعہ الہام متضاد باتیں بتائی ہوں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آخر ایک کی موجودگی میں دوسری تیسری اور پھر چوتھی انجیل کی ضرورت کیوں پیش آئی! مندرجہ بالا چاروں میں سے پہلی تین "ہم خیال" (SYNOPTIC) کہلاتی ہیں۔ ظاہر ہے یوحنا کی انجیل مختلف ہے۔ لیکن وسیع اختلاف کے باوجود یہ بھی جزو ایمان ہے۔ انجیل متی باب ایک میں فقرہ نمبر ۶ سے ۱۶ تک حضرت یسوع مسیح کا شجرہ نسب حضرت داؤد سے ۲۸ پشتوں کے حوالے سے ملاتی ہے جبکہ لوقا کے باب ۳ کی فقرہ ۲۳ - ۳۱ کے مطابق ۴۳ پشتیں بنتی ہیں۔ اور سوائے حضرت عیسیٰؑ حضرت داؤدؑ حضرت عیسیٰ کے والد یوسف سیلاتھیل اور زوربابل کے باقی سب نام مختلف ہیں۔ یہ ایک مثال ہے اُن انجیلوں کی جنہیں "ہم خیال" (SYNOPTIC) کہا جاتا ہے ملاحظہ ہوں دونوں شجرے۔

شجرہ مطابق انجیل متی ۱۶ : ۶ : ۱

۱: عیسےٰ مسیح	۷: آخیم
۲: یوسفؑ	۸: صادق
۳: یعقوبؑ	۹: آندور
۴: متھان	۱۰: الیایکیم
۵: الیعزر	۱۱: ابیود
۶: الیہود	۱۲: زوربابل

شجرہ مطابق انجیل لوقا ۳۱-۲۳ : ۳

۱: عیسیٰ مسیح	۷: ینا
۲: یوسفؑ	۸: یوسف
۳: عیلی	۹: متاتھیاس
۴: متھاٹ	۱۰: آموس
۵: لیوی	۱۱: ناحوم
۶: ملکی	۱۲: اسلیاہ

۱۳: سلاتھیل	۲۱: ادنیاد	۱۳: نوگہ	۲۹: یشوع
۱۴: یکونیا	۲۲: یوررم	۱۴: ماتھ	۳۰: الیعزر
۱۵: یوسیاہ	۲۳: یہوسفط	۱۵: متاتھیاس	۳۱: یوریم
۱۶: آمون	۲۴: آسا	۱۶: شمعی	۳۲: متھات
۱۷: مناسس	۲۵: آبیا	۱۷: یوسیخ	۳۳: لیوی
۱۸: حزکیاہ	۲۶: رحبعام	۱۸: یودا	۳۴: شمعون
۱۹: آخز	۲۷: سلیمان	۱۹: یوحنا	۳۵: یہودا
۲۰: یوتام	۲۸: داؤد	۲۰: ریسہ	۳۶: یوسف۔
		۲۱: زوروبابل	۳۷ یونان
		۲۲: سلاتھیل	۳۸: ایلیقیم
		۲۳ نیری	۳۹: ملےآہ
		۲۴ ملکی	۴۰ مناہ
		۲۵ ادی	۴۱ متھاتہ
		۲۶ کوسام	۴۲ نتھان
		۲۷ المدام	۴۳: داؤد
		۲۸ عیر	

کم ازکم حسب نسب کے معاملے میں تو کسی اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دونوں میں سے کون سچا ہے یہ جانچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں۔ لیکن ایک نہ ایک جھوٹا ضرور ہے۔ اس کے باوجود اس کی کتاب پر بھی ایمان لازم ہے۔ تو یہ ایمان کی کون سی قسم ہوگی؟! یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ جس نے شروع میں جھوٹ بولا وہ بعد میں سچ بولے گا۔ اس سے بہرحال ایک بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کے بیٹے کا درجہ

اِن اناجیل کے لکھے جانے کے بعد دیا گیا۔ ورنہ ان کا نسب انسانوں کی بجائے خدا سے ملایا جاتا۔
اس طرح یہ اختراع کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ اُن کے قریباً ایک صدی بعد وضع کی گئی
جیسا کہ انجیل یوحنا کے مزاج سے ثابت ہے جو حضرت کی وفات کے تقریباً ۱۲۰ سال بعد لکھی
گئی۔ پیدائش کے بارے میں متی ۱: ۲۰ میں کہا گیا ہے۔ کہ فرشتے نے حضرت یوسفؑ کو حمل
کے بعد خوشخبری دی جبکہ لوقا کے بقول ۱: ۳۰ : ۳۱ یہ خوشخبری حمل سے پہلے حضرت مریم کو دی
گئی اور روایت ایک تیسرا شخص کر رہا ہے۔ کہ فلاں فلاں نے یہ بات بتائی جو باوجود تضاد
کے گواہی کے طور پر ناقص ہے۔ مرقس اور یوحنا نے پیدائش کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا متی
۲ : ۱۳ : ۱۶ میں کہا گیا ہے۔ کہ ہیروڈ کے ڈر سے جس نے دو سال عمر تک کے بچوں کو قتل
کر دینے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عیسیٰ کے والدین انہیں بچانے کے لئے مصر ہجرت کر گئے۔ لیکن
یوحنا (JOHN THE BAPTIST) بپتسمہ دینے والے کی ہجرت کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ
وہ بھی حضرت عیسیٰؑ کے ہم عمر تھے۔ اور انجیل بیان کا اس سے کہیں کم اہم باتوں کے لئے
ذکر ملتا ہے۔ وہ ہجرت نہ کرنے کے باوجود بچ گئے۔ اس سے واقعاتی شہادت
(CIRCUMSTANTIAL EVIDENCE) سے یہ کہانی غلط معلوم ہوتی ہے۔
جب کہ مرقس، لوقا اور یوحنا نے اس اہم واقعے کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو
اہمیت کی وجہ سے اس کا ضرور ذکر کرتے۔ متی اور لوقا کی مندرجہ بالا پیدائش کے ذکر کے
علاوہ کسی نے اور کچھ نہیں بتایا کہ اُن کا لڑکپن اور جوانی کہاں اور کن حالات میں گزرے۔
صرف لوقا (۳ : ۴۱ : ۴۷) نے ۱۲ سال کی عمر میں بڑے معبد میں یہودی عالموں کے ساتھ
سوال جواب کرنے کا سرسری سا ذکر کیا ہے۔ تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں حضرت عیسیٰؑ دریائے
اردن کے کنارے اچانک وارد ہو کر یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بپتسمہ لیتے ہیں۔ جس کے فوراً
بعد روح القدس کبوتر کی شکل میں نازل ہو کر ان میں حلول کر کے انہیں تقویت پہنچا کر صحرا میں
لے جاتا ہے۔ جہاں وہ ۴۰ دن تک روزہ رکھتے ہیں۔ اور اس دوران میں شیطان

انہیں ورغلاتا رہتا ہے تاآنکہ جب وہ صحرا سے واپس آتے ہیں۔ تو شیطان انہیں ہیکل کی چھت پر لے جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اپنے آپ کو نیچے گرادو۔ وہ جواب دیتے ہیں۔ کہ خدا کی آزمائش نہ کر۔ پھر شیطان انہیں ساتھ لے کر بہت اونچے پہاڑ پر جاتا ہے۔ اور دنیا کی تمام سلطنتیں دکھا کر (خود اس مصنف نے تو متعلقہ علاقے میں کوئی پہاڑی تین ساڑھے تین ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں دیکھی، پھر "بہت بلند پہاڑ" کہاں سے آگئے۔ جن پر سے تمام دنیا کے ملک نظر آتے تھے؟) سجدہ کرنے کو کہتا ہے۔ تاکہ وہ انہیں سب ملکوں کا بادشاہ بنا دے۔ لیکن انکار کرنے پر وہ انہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ متی ۴ : ۷ : ۱۰ مرقس ۱ : ۱۰ : ۱۳ لوقا ۴ : ۱ : ۲ جب کہ یوحنا نے صرف روح القدس کے کبوتر کی شکل میں اترنے کا ذکر کیا ہے صحرا میں روزہ رکھنے، شیطان کے ورغلانے وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

چاروں انجیلوں کے ماخذ اور تاریخ

۱۹۷۲ میں انجیل بائبل کا مشترکہ عالمی ترجمہ ECUMENICAL TRANSLATION OF THE BIBLE(NEW TESTAMENT) شائع ہوا۔ جو کہ چوٹی کے ایک سو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادریوں کی متحدہ کاوش کا نتیجہ ہے۔ اور جسے اِن فرقوں کی منظوری حاصل ہے۔ جو عیسائیت کی بہت بڑی اکثریت کے نمائندہ ہیں۔ اس ترجمے کے بقول اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا اِن اناجیل کے مصنفین کے پاس اپنے علاوہ کوئی اور تحریری ذریعہ بھی تھا۔ یا انہوں نے چھوٹی چھوٹی زبانی روایات پر انحصار کیا۔ (WERE CONTENT TO EVOKE THE MEMORY OF FRAGMENTS OF THE ORAL TRADITION) بہر حال کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا۔ جس سے حضرت مسیح کے شاگردوں سے منسوب بہت سی تحریروں کی شناخت

اور تصدیق کی جا سکتی۔ مکمل انجیل حضرت مسیح کے بعد ایک صدی سے زیادہ عرصے تک وجود میں نہیں آئی تھی۔ مذکورہ بالا ترجمے کے مطابق اِن انجیلوں کو منظوری کا درجہ قریباً ۷۰۰ ابس یعنی مسیح کی وفات کے پونے دو سو سال بعد ملا۔ تاہم بعض محققین کے مطابق اگر ان اناجیل کو شاگردوں (DISCIPLES) کی یادداشتوں کے طور پر تسلیم کرنے کی معقول وجوہات نہیں ہیں۔ تو پھر یہ اناجیل آئی کہاں سے؟ (D.CULMAN) اپنی کتاب نیا عہد نامہ میں کہتے ہیں کہ شاگرد ابتدائی مسیحی جماعت کے نمائندوں (SPOKESMEN) کی حیثیت رکھتے تھے۔ جنہوں نے زبانی روایات کو لکھ لیا تھا۔ جب کہ شروع کے تیس چالیس سال تک انجیل محض زبانی روایت ORAL TRADITION ہی کی شکل میں تھی۔ جنہیں بعد کے مصنفین نے اپنے اپنے اخلاقی پس منظر اور مذہبی رجحان کے مطابق اکٹھا کیا۔ انہوں نے موجودہ روایات اور اقوال کو آپس میں مربوط کیا۔ اور اِن اقوال کی جمع اور ترتیب کے وقت اس قسم کی اصلاحات جیسے "اس کے بعد" اور "جب اس نے" وغیرہ کے مبہم الفاظ سے تینوں "ہم خیال" (SYNOPTIC) اناجیل کا جوڑھانچہ تیار ہوا۔ وہ خالصتاً ادبی نوعیت کا ہے تاریخی بنیادوں پر مبنی نہیں۔ یہ تھے اوکلمین کی تحقیق کے الفاظ یہی مصنف مزید لکھتا ہے کہ جن حالات میں عیسیٰ مسیح کی زندگی کے بارے میں روایات تحریر کی گئیں۔ اُن میں بانی کی زندگی کے حالات کے ذکر سے زیادہ تبلیغ، عبادت اور تعلیم کی ضرورت مدِنظر تھی۔ شاگردوں نے تبلیغ کے دوران ہی مسیح کی زندگی کے واقعات بیان کرتے ہوئے عقیدے کی تشریح کی ان وعظوں (SERMONS) ہی کے نتیجے میں تفصیل تحریریں آئی خاص طور پر مسیح کے اقوال گرجاؤں کی ابتدائی تعلیم کے ذریعے منتقل ہوئے۔ بعینہٖ اسی طرح انجیل کے مشترکہ عالمی ترجمے کے مبصرین کے مطابق ایسی تحریریں وجود میں لائی گئیں۔ جو خاص حلقوں کے لئے موزوں تھیں۔ اور گرجاؤں کی ضرورتوں کے مطابق تھیں۔ جن میں صحائف پر مشاہدات (OBSERVATIONS) کی وضاحت، غلطیوں کی تصحیح اور بعض اوقات مخالفین

کے اعتراضات کے جواب بھی شامل کرکے اضافہ کیا گیا اسی طرح ابتدائی مبلغین (EVANGELISTS) میں سے ہر ایک نے زبانی روایات سے ملنے والا مواد جمع کیا اور اپنے اپنے خیالات سے ہم آہنگ کرکے قلمبند کیا یہ صورت حال انجیل (NEW TESTAMENT) کے ایک سو سے زیادہ ماہر محققین نے اختیار کی ہے۔ جن میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں شامل ہیں۔ یہ موقف ویٹیکن کی دوسری کونسل سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ جنہوں نے ۱۹۶۲ - ۶۵ میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے یہ بات تو تسلیم کی کہ "پرانے عہد نامے" میں ایسا مواد موجود ہے۔ جو نامکمل اور فرسودہ (IMPERFECT AND OBSOLETE) ہے۔ لیکن "نئے عہد نامے" کے بارے میں کسی تحفظ کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے باوجود ہم اس کونسل کا یہ اظہار پڑھتے ہیں کہ "کوئی شخص اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ تمام صحیفوں میں بشمول نئے عہد نامے کے چاروں انجیلوں کو اعلیٰ مقام کا حق حاصل ہے۔ یہ اُس اچھائی کی حقیقت کی وجہ سے ہے۔ جسے وہ بیان کرتی ہیں۔ اور یہ کہ وہ ہمارے نجات دہندہ کی زندگی اور الہام کی سب سے بڑھ کر گواہ ہیں۔ ہر زمانے اور ہر جگہ کے کلیساؤں نے چاروں انجیلوں کی ابتداء شاگردوں (DISCIPLES) سے منسوب کی ہے۔ اور جو کچھ شاگرد مسیح کے حکم سے تبلیغ کرتے تھے۔ اور خود انہوں نے اور ان کے مُریدوں نے روح کے الہام کی بدولت جو کچھ تحریر کرکے منتقل کیا۔ وہ عقیدے کی بنیاد ہے۔ یعنی متی مرقس، لوقا اور یوحنا کی اناجیل "انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"NO BODY CAN OVERLOCK THE FACTTHAT, AMONG ALL THE SCRIPTURES, EVEN THOSE OF THE NEW TESTAMENT, THE GOSPELS HAVE A WELL DESERVED POSITION OF SUPERIORITY. THIS IS BY VIRTUE OF THE FACT THAT, THEY REPRESENT THE MOST PRE-EMINENT WITNESS

TO THE LIFE AND TEACHINGS OF THE INCARNATE WORD. OUR SAVIOUR. AT ALL TIMES AND AT ALL PLACES THE CHURCH HAS MAINTAINED AND STILL MAINTAINS THE APOSTOLIC ORIGIN OF THE FOUR GOSPELS. WHAT THE APOSTELS ACTUALLY PREACHED ON CHRISTS ORDERS. BOTH THEY AND MEN IN THEIR FOLLOWING SUBSEQUENTLY TRANSMITTED. WITH THE DIVINE INSPIRATION OF THE SPIRIT, IN WRITINGS WHICH ARE THE FOUNDATION OF THE FAITH, I.E. THE FOUR FOLD GOSPEL ACCORDING TO MATHEW, MARK, LUKE AND JOHN".

اسی کونسل کے بقول مقدس ماں" یعنی کلیسا کا یہ غیر متزلزل مؤقف رہا ہے. کہ یہ چاروں انجیلیں جن کی تاریخی سچائی کی تصدیق کی جاتی ہے. اور یہ دیانت داری سے یسوع ابنِ خدا کے افعال اور اقوال کو نقل کرتی ہیں. جو انہوں نے لوگوں کے درمیان رہ کر اُن کی دائمی نجات کے لئے سرانجام دیئے. تاآنکہ وہ آسمانوں پر اُٹھائے گئے. مقدس مصنفین نے چاروں انجیلیں اس طریقے سے مُرتب کیں کہ اُن سے ہمیں یسوع مسیح کی زندگی کی سچی اور بے باک معلومات ملتی ہیں. یہ غیر مبہم عقیدہ کہ یہ انجیلیں یسوع کے افعال بے لاگ طور پر نقل کرتی ہیں. محولا بالا اشتراکہ نئے عہدنامے کے مؤقف سے قطعی مختلف ہے. مثلاً یہ کہ اِن انجیلوں کو لغوی معنوں میں صحیح نہ سمجھا جائے. ONE NOT TO BE TAKEN LITERALLY. کیوں کہ یہ تحریریں خاص موقعوں کے لئے لکھی گئی تھیں. THEY ARE WRITINGS

SUITED TO AN OCCASION.

یا اس وجہ سے کہ "یہ مقابلے کی تحریریں" (COMBAT WRITINGS) تھیں. کیتھولک بائبل سکول پیرس کے پادری کینن گیزر (FATHER KENNENGIESSER) کے بقول یہ انجیلیں یسوع کی زندگی کے بارے میں مختلف طبقوں کی اپنی روایات کے مطابق لکھی گئی تھیں. THEIR AUTHORS WERE WRITING DOWN

TRADITIONS OF THEIR OWN COMMUNITY CONCERNING JESUS.

یہاں ایک طرف مذکورہ کونسل کے اعلان کردہ موقف اور دوسری طرف حالیہ چوٹی کے بے شمار محققین کے اخذ کردہ نتائج واضح طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں. جس تاریخی پس منظر میں یہ انجیلیں وجود میں آئیں - وہی اُن اختلافات کی وجہ ہے جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے - یعنی یہ کہ ہر ایک نے اپنی اپنی سمجھ، عقیدے اور فرقے کے مطابق یہ تحریریں لکھیں، جیسا کہ ان تحریروں کا مواد جو ہمارے پاس ہے خود اس بات کی شہادت دیتا ہے - فرداً فرداً غور کرنے پر ان اناجیل میں کئی اختلافات ملتے ہیں.

"انجیل متی" GOSPEL ACCORDING TO MATHEW

یہ "نئے عہد نامے" کی ترتیب میں پہلی ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے - یہ "پرانے عہد نامے" کا تسلسل ہے جو یہ دکھلانے کے لئے لکھی گئی . کہ یسوع ہی یہودی امیدوں کی تکمیل تھے - وہ بار بار "پرانے عہد نامے" میں سے حوالے دیتا ہے - جیساکہ پہلے بیان کیا گیا ہے - یہ کتاب حضرت یسوع مسیح کے شجرہ نسب سے شروع ہوتی ہے - جو حضرت داؤد سے حضرت مسیح تک لکھا گیا ہے - اس میں جو فرق ہے وُہ اکثر تبصرہ نگار خاموشی سے نظرانداز کرجاتے ہیں - متی کا واضح رجحان اُن کے یہودی اسلاف پر زور دینے اور اُن سے جوڑنے کا ہے اور یہی لب ولہجہ لگاتار یہودی عبادات، روزوں اور خیرات وغیرہ کے بارے میں حضرت عیسٰی کے رویے سے منسلک رہتا ہے - جسے وہ بار بار سامنے لاتا ہے - اُن کی اوّلین تعلیمات کے مخاطب صرف یہودی تھے - وہ اپنے بارہ شاگردوں کو اس طرح ہدایت دیتے ہیں کہ اور کہیں مت جاؤ اور سامریوں کے کسی شہر میں مت داخل ہونا بلکہ اسرائیلی گھرانے کی بھیڑوں کی طرف جاؤ (متی ۱۰ : ۵ : ۶) مجھے صرف گمراہ اسرائیلی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہے - متی ۱۵ : ۲۴ البتہ بالکل آخر میں ثانوی درجے پر متی حضرت یسوع مسیح کے مشن کا رُخ غیر یہودی اقوام

کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور اُن سے یہ حکم منسوب کرتے ہیں۔ جاؤ اور تمام اقوام کو مُرید بناؤ متی ۲۸ : ۱۹ لیکن بُنیادی منزل لازماً اسرائیل ہے" ٹرائی کاٹ" (TRICOT) کے بقول یونانی لبادے کے نیچے اِس انجیل کا گوشت پوست یہودی ہے۔ اور ایسی ہی اِس کی روح بھی ہے' یہ یہودی احساس رکھتی ہے جس کی واضح علامات اس میں شامل ہیں۔ ان مشاہدات کی بنیاد پر متی کی انجیل کی جڑیں یہودی مسیحی (JUDO CHRISTIAN) طبقے میں پائی جاتی ہیں۔" اوکلمین (O.CULMAN) کے نزدیک یہ طبقہ اپنے عقیدے کے تسلسل کو پُرانے عہدنامے ساتھ رکھتے ہوئے یہودیت سے الگ ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اِس انجیل کا بڑا مقصد اور عام سیاق و سباق کشیدہ حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس انجیل کے کچھ سیاسی محرکات بھی ہیں۔ کیونکہ فلسطین پر رومنوں کے قبضے نے قدرتی طور پر آزادی کی خواہش کو تیز کر دیا تھا۔ اور یہودی یہ دعا کرتے تھے۔ کہ خدا نے جیسے پہلے کئی مرتبہ اپنی اس "برگزیدہ قوم" کی براہ راست مدد کی تھی۔ اسی طرح پھر کرے گا۔ آیئے اب دیکھیں متی کس قسم کا آدمی تھا۔ اس کے بارے میں سیدھی بات ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ حضرت عیسیٰ کے بارہ شاگردوں میں سے نہیں تھا۔ گو کہ اے ٹرائی کاٹ (A.TRICOT) اپنے نئے عہدنامے اشاعت ۱۹۶۰ء کے ترجمے میں کہتے ہیں۔ کہ وہ شاگرد تھا۔ اسی طرح کلیسا کے بعض پُرانے زمانے کے پادریوں مثلاً اوریگن (ORIGEN) جیروم (JEROME) اور ایپی فینس (EPIPHANES) کا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن آجکل اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جاتا۔ ایک اہم نکتہ جس کا جواب نہیں دیا جاتا یہ ہے کہ مصنف یہودی رسوم اور عبرانی زبان سے واقف تھا۔ لیکن اس نے یہ تحریر (انجیل) صرف یونانی زبان بولنے والوں کے لئے لکھی عالمگیر ترجمے (ECUMENCIAL TRANSLATION) کے مصنفین کے نزدیک اس انجیل کے مندرجہ ذیل ماخذ ہو سکتے ہیں۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یہ انجیل شام۔ انطاکیہ یا فونشیا میں لکھی گئی جہاں بہت سے یہودی آباد تھے۔ اس میں ہمیں ہیکلوں میں پائی جانے والی کٹر یہودیت اور

فریسیت کے خلاف تنازع کے اشارات ملتے ہیں۔ جیسے کہ جمینہ (JAMINA) کے مقام پر تقریباً ۸۰ عیسوی میں پیش آئے ان حالات میں بہت سے مصنفین اس پہلی انجیل کے وجود میں آنے کی تاریخ تقریباً ۹۰، ۸۰ عیسوی یا قدرے پہلے بتاتے ہیں۔ تاہم یہ ممکن نہیں کہ اس بارے میں پورے یقین کے ساتھ کچھ کہا جاسکے۔ اِس بات سے سب کو اتفاق ہے کہ متی نے اپنی انجیل لکھتے وقت مرقس (MARKS) اور لوقا (LUKES) کی انجیل سے استفادہ کیا۔ حالانکہ جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ بعض اہم نکات میں وہ اُن سے مختلف ہے بقول او کلمین باوجود اس کے کہ مرقس شاگردوں میں سے نہیں تھا۔ متی نے بڑی حدتک اس کی انجیل پر انحصار کیا۔ وہ اپنی کتاب میں ایسی باتیں لکھتا ہے جو ادبی زاویہ نگاہ سے ناممکن ہیں۔ یہ الفاظ پادری کینن گائزز (KENNENGIESSER) کے ہیں۔ جو انہوں نے مرنے کے بعد جی اٹھنے کے واقعے کے بیان میں قبر پر فوجی پہرے کے بارے میں کہے۔ یہ غیر یہودی سپاہی اپنے افسران بالا کو اطلاع دینے کی بجائے یہودیوں کے بڑے کاہنوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ یہ جھوٹ بولنے کے عوض انہیں رشورت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی کو اس بات پر ہنسنا نہیں چاہیئے۔ کیوں کہ متی کی نیت بالکل سنجیدہ تھی۔ البتہ اس نے اس پرانی روایت کو بلا سوچے سمجھے اپنی تحریر میں شامل کرلیا۔ یہ رائے مذکورہ بالا پادری کی ہے۔ جو پیرس کے کیتھولک انسٹیٹیوٹ کی ایک بڑی نامور مذہبی شخصیت ہے۔

متی کی اختراع کی ایک اور مثال حضرت مسیح کی وفات سے متعلق ہے۔ جو اپنی انجیل کے باب ۲۷ : ۵۱ : ۵۳ میں کہتے ہیں۔ کہ معبد کا پردہ دو حصوں میں اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا۔ زمین کو زلزلہ آگیا۔ اور چٹانیں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں۔ قبریں کھل گئیں اور بہت سے برگزیدوں کے اجسام جو سوتے پڑے تھے۔ جی اُٹھے اور زندہ ہوجانے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے۔ اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔ انگریزی الفاظ یہ ہیں:

AND BEHOLD THE CURTAIN OF THE TEMPLE WAS TORN

IN TWO FROM TOP TO BOTTOM; AND THE EARTH SHOOK, AND THE ROCKS WERE SPLIT, THE TOMBS ALSO WERE OPEN, AND MANY BODIES OF THE SAINTS WHO HAD FALLEN ASLEEP WERE RAISED, AND COMING OUT OF TOMBS AFTER THEIR RESURRECTION THEY WENT IN TO THE HOLLY CITY AND APPEARED TO MANY(MATHEW 27: 51-53).

اس بیان کے مقابلے کا باقی کی تین اناجیل میں کوئی ذکر نہیں۔ اس بات کا قیاس بہت مشکل ہے۔ کہ حضرت مسیح کی وفات کے ساتھ بہت سے ولی برگزیدہ یا (SAINTS) مردوں میں جی اُٹھے ہوں گے۔ اس کے علاوہ بعض دُوسری باتوں کو بھی جنہیں یہ انجیلیں حضرت عیسےٰ یسوع مسیح کے اقوال کہتی ہیں۔ معقولیت کے ساتھ آپس میں ہم آہنگ کرنا انتہائی مشکل ہے۔ متی ہی کے باب ۱۲ کے فقرہ ۴۰ : ۳۸ میں حضرت یونسؑ کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ جو انہوں نے فقیہوں اور فریسیوں کے نشانی طلب کرنے پر بیان کیا کہ "اِس زمانے کے زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یونس نبی کے نشان کے سوا اور کوئی نشان اِن کو نہ دیا جائے گا۔ "جیسا کہ حضرت یونسؑ تین دن اور تین راتیں مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے اسی طرح یہ ابنِ آدم تین دن اور تین راتیں زمین کے پیٹ میں رہے گا"۔ گویا حضرت یسوع مسیح نے اعلان کیا کہ وہ بھی تین دن اور تین راتیں زمین کے اندر رہیں گے۔ متی کی طرح مرقس اور لوقا بھی ان کے مصلوب ہو کر دفن ہونے کا واقعہ یوم سبت کی شام کو بیان کرتے ہیں۔ اور جی اٹھنا سبت کے ایک دن بعد۔ اِس طرح پیش گوئی کے برعکس ایک رات کم بنتی ہے اور اگر اس کے ساتھ ساتھ حضرت یسوع مسیح کا یہ قول مدِنظر رہے کہ بقول مرقس ۸ : ۱۱ : ۱۲ "اس نسل کو کوئی نشانی نہیں دی جائے گی"۔ تو کوئی کیا سمجھے گا۔

نوٹ : اناجیل میں بار بار قریباً ستر مرتبہ حضرت عیسےٰ کے لئے اِنسان کا بیٹا (SON OF MAN) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جب کہ کسی ایک جگہ بھی یہ نہیں

کہا گیا۔ کہ میں خدا ہوں اور بیٹے کا روپ دھار کر انسان کی نجات کے لئے آیا ہوں۔

انجیل مطابق مرقس : MARKS یہ انجیل چاروں میں سب سے مختصر اور پرانی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ حضرت مسیح کے کسی شاگرد کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ کسی شاگرد کے شاگرد کی لکھی ہوئی ہے۔ اس انجیل میں بھی کسی مصنف کے نام کا ذکر نہیں یہ عقیدہ کہ متی اور لوقا نے اس انجیل سے بڑی حد تک استفادہ کیا ہے۔ اس بات کا ثبوت فراہم نہیں کرتا کہ اس کا مصنف ضرور شاگرد ہی ہوگا۔ اولمین اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ یہ انجیل مرقس نامی شاگرد کی لکھی ہوئی ہے۔ پادری روگٹ (FATHER ROUGET) کے مطابق مرقس کی تحریر بھدی ہے۔ وہ کسی واقعے کو ڈھنگ سے بیان کرنا بھی نہیں جانتے اور کہ اس کے بیان میں کئی کمزوریاں ہیں۔ مثلاً بارہ شاگردوں کے انتخاب کا واقعہ وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ "پھر وہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور جن کو وہ آپ چاہتا تھا۔ اُن کو پاس بلایا اور وہ اس کے پاس چلے آئے۔ اور اُس نے بارہ کو مقرر کیا۔ تاکہ اس ساتھ رہیں۔ اور وہ اُن کو بھیجے کہ منادی کریں۔ اور بدروحوں کو نکالنے کا اختیار رکھیں۔ اور شمعون کا نام پطرس رکھا۔ انگریزی الفاظ یہ ہیں۔

AND HE WENT UP IN TO THE HILLS, AND CALLED TO HIM THOSE WHOM HE DESIRED, AND THEY CAME TO HIM. AND HE MADE THAT THE TWELVE WERE TO BE WITH HIM AND TO BE SENT OUT TO PREACH AND HAVE AUTHORIY TO CAST OUT DEMONS, AND HE MADE THE TWELVE AND IMPOSED THE NAME SIMON ON PETER(MARK.3:13-15).

حضرت یونس (JONAH) کے متعلق جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ وہ متی اور لوقا سے اختلاف کرتا ہے اور باب ۸ کی آیت ۱۱ تا ۱۳ میں بیان کرتا ہے۔ کہ پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اُسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا۔ اس زمانے کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں۔ میں تم سے سچ

کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا۔ اور وہ انھیں چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھا اور پار چلا گیا"۔ اس میں شک نہیں اس اعلان کے جو خود حضرت مسیح سے منسوب ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے۔ جو مافوق الفطرت (معجزہ) ہو۔ عالمی ترجمے کے تبصرہ نگاروں کو شدید الجھن میں ڈال دیا۔ جب کہ لوقا (۷ : ۲ : ۱۱ : ۲۲) اور متی کے بقول جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت یونس کی طرح ۳ دن ۳ رات زمین کے پیٹ میں رہنے کی نشانی دی گئی۔ مرقس کی تمام تر انجیل کو قانونی درجہ حاصل ہے۔ باوجود اس کے کہ باب ۱۶ کے ۱۹ تا ۲۰ فقرات موجودہ تبصرہ نگاروں کے نزدیک اصلی تصنیف کے ساتھ بہت بعد میں منسلک کی گئیں عالمی ترجمے کے مصنفین نے اس بات کو برملا تسلیم کیا۔ ملاحظہ ہو!

مذکورہ آخری حصے کا کوئی ذکر قدیم ترین مسودات مثلاً کوڈکس ویٹیکن (CONDEX VATICANUS) اور کوڈکس سینائی (CODEX SINAITICUS) میں نہیں پایا جاتا جو چوتھی صدی عیسوی کے ہیں۔ ملاحظہ ہوں باب ۱۶ کے فقرہ ۱۹ : ۲۰ "غرض خداوند یسوع اُن سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اُٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا۔ پھر انہوں نے نکل کر ہر جگہ منادی کی اور خداوند اُن کے ساتھ کام کرتا رہا اور کلام کو اُن معجزوں کے وسیلے سے جو ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ ثابت کرتا رہا۔ آمین" پادری کینن گیزر اس آخری متنازعہ حصے پر یوں تبصرہ کرتے ہیں کہ "ہو سکتا ہے جس طبقے نے مرقس کی انجیل کی پذیرائی کی ہو اس آخری حصے کو حذف کر دیا ہو۔ جب کہ، لوقا، متی اور یوحنا کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو۔ لیکن بعد میں جب یہ خلا محسوس کیا گیا۔ جو قابل قبول نہیں تھا۔ تو باقی کی تینوں میں سے لے کر اس یعنی مرقس کی انجیل میں بھی ان آخری آیات کا اضافہ کر دیا گیا ہو۔ مرقس کے باب ۱۶ کے فقرات ۹ تا ۲۰ کے مطالعے سے اس معمے کا حل آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس بات کا بین ثبوت ملتا ہے۔ کہ انجیل کی تحریروں کو دوسری صدی کے آخر تک کس آزادی سے مسخ کیا جاتا رہا"۔ ملاحظہ ہوں باب نمبر ۱۶ کی آیات ۹ تا ۲۰۔

"ہفتہ کے روز جب وہ سویرے جی اٹھا۔ تو پہلے مریم میگدلینی کو جس میں سے اس نے سات روحیں نکالی تھیں۔ دکھائی دیا ○ اس نے جاکر اس کے ساتھیوں کو جو ماتم کرتے اور روتے تھے خبر دی ○ اور انہوں نے یہ سن کر کہ وہ جیتا ہے اور اس نے اُسے دیکھا ہے یقین نہ کیا ○ اُس کے بعد دوسری صورت میں اُن میں سے دو کو جب وہ دیہات کی طرف پیدل جا رہے تھے دکھائی دیا ○ انہوں نے بھی جاکر باقی لوگوں کو خبر دی مگر انہوں نے ان کا بھی یقین نہ کیا ○ پھر وہ اُن گیارہ کو بھی جب کھانا کھانے بیٹھے تھے۔ دکھائی دیا، اور اس نے اُن کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر اُن کو ملامت کی کیوں کہ جنہوں نے اُس کے جی اٹھنے کے بعد اُسے دیکھا تھا۔ انہوں نے اُن کا یقین نہ کیا تھا۔ اور اس نے اُن سے کہا کہ تم تمام دنیا میں جاکر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو ○ جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائے گا' اور جو ایمان نہ لائے مجرم ٹھہرایا جائے گا ○ اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے۔ وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے ○ نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھا لیں گے۔ اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پائیں گے۔ تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔ ○ غرض خداوند یسوع اُن سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔ اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا ○ پھر انہوں نے نکل کر ہر جگہ منادی کی۔ اور خداوند ان کے ساتھ کام کرتا رہا اور کلام کو ان معجزوں کے وسیلے سے جو ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ ثابت کرتا رہا آمین ○"

یہ ہے اس بڑے مذہبی محقق کا واضح اقبال جو اس نے اپنی تحقیق کے مطابق تسلیم کیا۔ کہ اِن صحیفوں کے اندر انسانی کمزوروں کی کارفرمائی (HUMAN MANIPULATION) پائی جاتی ہے۔

انجیل مطابق لوقا

او کلمین (O. CULMAN) کے نزدیک لوقا وقائع نگار ہیں۔ جب کہ پادری کینن گانزر

انھیں "کھرا ناول نگار" "TRUE NOVELIST" کہتے ہیں تھیوفلس (THEOPHILIUS) کے تعارف میں لوقا خبردار کرتا ہے ۔ کہ کئی دوسروں کی طرح انہوں نے بھی حضرت مسیح کے متعلق عینی شاہدوں کے بیانات پر مبنی حالات لکھے ہیں ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ وہ خود عینی شاہد نہیں تھے ۔ مرقس کے برعکس شروع سے ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ انجیل ادبی رنگ لئے ہوتے ہے لوقا ایک پڑھا لکھا غیر یہودی یونانی تھا ۔ جس نے مسیحیت قبول کرلی تھی ۔ یہودیوں کی طرف اس کا رویہ جانبدارانہ واضح ہو جاتا ہے ۔ بقول "اوکلمین" وہ یہودی آیات کو جو مرقس میں مرقوم ہیں ۔ نظر انداز کر دیتا ہے ۔ اور یہودیوں کے حضرت مسیح کی باتوں کا یقین نہ کرنے پر زور دیتا ہے ۔ وہ اُن کے سامریوں سے اچھے تعلقات کو نمایاں کرتا ہے جن سے یہودیوں کو نفرت تھی ۔ دوسری طرف مرقس حضرت مسیح سے یہ بیان منسوب کرتا ہے کہ انہوں نے شاگردوں سے کہا اِن (سمیریوں) سے دور بھاگو صرف یہی ایک نہایت واضح مثال اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ انجیل کے مصنفین نے پوری آزادی سے اپنی مرضی کی باتیں حضرت مسیح کے منہ سے کہلوائیں ۔ شاید انہوں نے ایسا سنجیدگی سے کیا ہو ۔ اور ان کا ارادہ اپنے فرقے (COMMUNITY) کی ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کرنا ہو ۔ اس بین شہادت کی موجودگی میں کوئی کیوں کر اس بات سے انکار کر سکتا ہے ۔ کہ انجیلیں دراصل مخالفانہ تحریریں (COMBAT WRITINGS) تھیں ۔ یا ایسی تحریریں جو ایک خاص موقع محل کے مدنظر لکھی گئیں ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ۔ مرقس اور لوقا کے عام لب و لہجے کا فرق اور تقابلی جائزہ اس بات کا واضح مظہر ہے ۔ لوقا کی انجیل کی تصنیف کے سال کا اندازہ بہت سے اجزاء سے لگایا جا سکتا ہے ۔ عالمی ترجمے (ECUMENICAL TRANSLATION) سے یہ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اس نے ۷۰ عیسوی میں ٹائٹس (TITUS) کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی دیکھی تھی ۔ اس کی انجیل غالباً اس واقعے کے بعد کی لکھی ہوئی ہے ۔ مبصرین ایسے

۸۰ - ۹۰ بعد مسیح کی تحریر کردہ سمجھتے ہیں۔ کئی بیانات جو لوقا میں پائے جاتے ہیں۔ دوسروں سے مختلف ہیں۔ جیسا کہ مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ عالمی ترجمے کے صفحہ نمبر ۱۸۱ پر اس فرق کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح "او کلمین" اپنی کتاب NEW TESTAMENT کے صفحہ نمبر ۱۸ پر وہ تفصیلات بیان کرتا ہے۔ جو اور کہیں نہیں پائی جاتیں اور جو معمولی نوعیت کی باتوں سے متعلق نہیں۔ لوقا میں حضرت عیسیٰ کے بچپن کا ذکر منفرد ہے۔ متی اس کو مختلف طریقے سے بیان کرتا ہے۔ اور مرقس میں بچپن کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں متی اور لوقا حضرت مسیح کے شجرہ نسب میں اختلاف کرتے ہیں۔ جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ حضرت مسیح کے مشن کے بارے میں کئی پہلو متی، مرقس اور لوقا میں مختلف طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ مسیحیوں کے لئے اتنی بڑی اہمیت کی حامل قربانی کی رسم (EUCHARIST) کے ذکر میں بھی فرق ہے۔ لوقا اس اہم امر کے بارے میں مرقس اور متی سے اختلاف کرتا ہے۔ پادری روگٹ (FATHER ROGUET اپنی کتاب "انجیل سے بنیادی تعارف" (INITIATION TO GOSPEL) کے صفحہ نمبر ۷۵ پر لکھتے ہیں، کہ لوقا نے ۲۲ : ۱۹ تا ۲۴ کے مطابق قربانی کا ذکر اور ہی شکل میں کیا ہے۔ جب کہ متی ۲۶ : ۲۶ تا ۲۹ اور مرقس ۱۴ : ۲۲ تا ۲۴ میں قریباً متفق نظر آتے ہیں۔ ان دونوں کے برعکس لوقا کے الفاظ پال کے کرنتھیوں کے نام پہلے خط کی ۱۱ : ۲۳ تا ۲۵ سے بہت زیادہ مماثلت رکھتے ہیں۔

لوقا حضرت مسیح کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کا واقعہ الیسٹر کے دن وقوع پذیر ہونا لکھتا ہے۔ اور "رسولوں (شاگردوں) کے اعمال" ACTS OF APOSTLES) میں یہی واقعہ الیسٹر کے ۴۰ دن بعد کا بتایا گیا ہے۔ جب کہ اعمال کا مصنف بھی لوقا ہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور دونوں حصے جزو ایمان اور بائبل کے مقدس حصے ہیں۔ سچائی کی تہہ تک پہنچنے کے خواہش مند مبصرین (جیسا کہ عالمی ترجمے

کے مبصر معلوم ہوتے ہیں) عام اصول کے طور پر لوقا کے بارے میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ لوقا کے مدِ نظر واقعات کو اصل حقائق کے مطابق بیان کرنا نہیں تھا۔

(THE MAIN PREOCCUPATION WAS NOT TO WRITE FACTS CORRESPONDING TO MATERIAL ACCURACY).

اور جب پادری کانن گیزر لوقا کے تصنیف کردہ "رسولوں کے اعمال" کا مقابلہ پال کے بیان کردہ" حضرت مسیح کے مردوں سے جی اُٹھنے کے ذکر سے کرتے ہیں۔ تو کہہ اٹھتے ہیں۔ کہ "لوقا انجیل کے چاروں مصنفین میں سے سب سے زیادہ حساس اور ادیب ہے۔ اور اس میں ایک ناول نگار کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ NOVELIST کا لفظ غور طلب ہے۔

انجیل مطابق یوحنا

یوحنا کی انجیل بنیادی طور پر باقی کی ۳ انجیلوں سے مختلف ہے۔ پادری روگٹ اسے "جدا دنیا" (DIFFERENT WORLD) کہتے ہیں۔ اوکلمین کے نزدیک یہ واقعی منفرد کتاب ہے۔ جو ترتیب، مضامین کے انتخاب، زبان و بیان اسلوب جغرافیہ، زمانے بلکہ مذہبی نقطۂ نظر میں بھی مختلف ہے۔

"IT IS INDEED A UNIQUE BOOK DIFFERENT IN THE ARRANGEMENT AND CHOICE OF SUBJECT. DESCRIPTION AND SPEECH. DIFFERENT IN ITS STYLE, GEOGRAPHY, CHRONOLOGY, THERE ARE EVEN DIFFERENCES IN THEOLOGICAL OUTLOOK (O.CULMAN).

پادری روگٹ کہتے ہیں۔ تینوں ہم خیال (SYNOPTIC) انجیلوں میں حضرت مسیح کے الفاظ کا طرز بیان متاثر کرنے والا اور تقریری طریقے سے قریب تر ہے

جب کہ یوحنا کا انداز تمام تر فکری ہے۔ اس حد تک کہ بعض اوقات حیرت ہوتی ہے کہ کیا اب بھی الفاظ کے پیچھے حضرت مسیح ہی بول رہے ہیں، یا مصنّف نے ان کے خیالات کو لاشعوری طور پر اپنے خیالات کے مطابق بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ اس کا مصنّف کون تھا؟ اس پر بہت زیادہ بحث ہو چکی ہے اور اس موضوع پر الگ الگ آراء ظاہر کی گئی ہیں۔ قدیم مقبولِ عام مذہبی دیواری تصویروں میں یوحنا کو حضرت عیسیٰ مسیح کے قریب دکھایا جاتا ہے۔ مثلاً مسیح کے ہیجانی لمحات PASSION سے پہلے آخری کھانے (LAST SUPPER) کے موقع کی تصادیر میں یوحنا کی جانی پہچانی شبیہہ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اس انجیل کا مصنّف شاگرد یوحنا (DISCIPLE JOHN) نہیں ہے۔ یہ اعتراض زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ یہ انجیل چونکہ بہت دیر بعد وجود میں آئی۔ اس لیئے یوحنا اس کا مصنّف نہیں ہو سکتا۔ ابتدائی حالت میں یہ کتاب غالباً پہلی صدی عیسوی کے آخر میں لکھی گئی عالمی ترجمے کے مصنّفین کے مطابق ناقدین کی اکثریت یہ تسلیم نہیں کرتی کہ یہ انجیل یوحنا نے لکھی تھی۔ اگرچہ یہ مفروضہ مکمل طور پر خارج از امکان نہیں لیکن مختلف امور سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ جس شکل میں آج ہمارے پاس ہے۔ اس کے کئی مصنّف ہوں گے۔ یہ بات بھی ممکن ہے کہ موجودہ صورت میں اس انجیل کی تشہیر یوحنا کے شاگردوں نے کی ہو جنھوں نے باب نمبر ۲۱ کا اضافہ اور ممکنہ حاشیہ آرائی کی ہو، مثلاً ۴ : ۲ اور شاید ۱ : ۴ ، ۴ : ۴۴ ، ۷ : ۳۷ ، ۱۱ : ۲ ، ۱۹ : ۳۵ ؟ ۷ : ۳۵ ، ۸ : ۱۱ کے مطابق حرام کار عورت کی کہانی کے بارے میں سب متفق ہیں کہ یہ اس کا ماخذ معلوم نہیں اور یہ کہ بعد میں شامل کی گئی ہے۔ (اس کے باوجود یہ منظور شدہ "الہامی صحیفے" کا حصّہ ہے)۔

۱۹ : ۳۵ کسی عینی شاہد کی نشاندہی ہے (O. CULMAN) لیکن مبصرین کا

خیال ہے کہ غالباً یہ بعد کا اضافہ ہے۔

"اوکلمین کا خیال ہے کہ اس انجیل میں بعد کے کئے گئے اضافے واضح ہیں۔ مثلاً باب نمبر ۲۱ جو کسی شاگرد کا کام ہو سکتا ہے جس نے اس انجیل کے عام تصور پر بھی اثر ڈالا ہو۔ یہاں اس کے فاضل شارحین کے سب مفروضوں کا ذکر ضروری نہیں۔ اس چوتھی انجیل کے بارے میں ممتاز مسیحی مصنفین نے جن مشاہدات کا ذکر کیا ہے ان سے بخوبی ظاہر ہے کہ اس کے مصنف کے بارے میں کس حد تک ابہام پایا جاتا ہے۔ یوحنا کی کہانیوں کی تاریخی قدر و قیمت پر بڑی حد تک اعتراضات ہوئے ہیں ان میں باقی تینوں میں فرق واضح ہے۔ عالمی ترجمے (ECUMENICAL TRANSLATION) کے مصنفین نے ایسی منتخب مثالوں کا ذکر صفحہ نمبر ۲۸۲ پر کیا ہے جن کے مطابق بعض خلا ناقابلِ عبور ہیں جیساکہ کفارے والی قربانی (EUCHARIST) کا کوئی ذکر نہیں، یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ عیسائی مذہب میں اس بنیادی اہمیت کے حامل واقعے کا ذکر تک نہ کیا ہو جو عبادت (MASS) کا بنیادی رکن ہے۔ جبکہ اس کا زیادہ تر زور عبادات پر ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کرب و ہیجان (PASSION) سے پہلے کی دعوت کا بیان صرف شاگردوں کے پاؤں دھونے، یہودا کے دھوکہ دینے اور پطرس کے انکار تک محدود رکھتا ہے (باب ۱۳) جیساکہ عالمی ترجمے کے صفحہ نمبر ۲۸۳ پر درج ہے۔ بعض کہانیاں صرف یوحنا کی انجیل میں ہی مذکور ہیں، باقی اناجیل میں نہیں۔ اس سے یہی فرض کیا جا سکتا ہے کہ جو باتیں باقی تین کے نزدیک اہم تھیں وہ یوحنا کے نزدیک نہ تھیں۔ تاہم یسوع مسیح کے مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا بیان پڑھ کر کوئی حیران بلکہ ششدر رہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بقول یوحنا ۲۱ : ۱ تا ۱۴ حضرت عیسیٰؑ مر کر جی اٹھنے کے بعد

بحیرہ طبریہ کے قریب شاگردوں کو ملتے ہیں جب کہ یہ بیان باوجود بعض اضافوں کے ہو بہو لوقا ۵: ۱-۱۱ میں بیان کئے گئے ان کی زندگی کے معجزانہ طور پر مچھلیاں پکڑنے والے واقعے سے ملتا ہے۔ لوقا اپنے بیان میں یوحنا کی موجودگی کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو کہ روایت کے مطابق شاگردوں میں سے تھا اور جو چوتھی انجیل کا مصنف ہے۔ درآنحالیکہ یہ بیان یوحنا کے باب ۲۱ میں شامل ہے۔ جس کے بارے میں متفقہ رائے ہے کہ یہ بعد از تصنیف دوسرے ہاتھوں کا اضافہ کردہ ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ چونکہ لوقا کے بیان میں یوحنا کی موجودگی کا حوالہ معلوم ہوتا تھا اس لئے آخر میں باب ۲۱ کا اضافہ کر کے یہ واقعہ شامل کر لیا گیا۔ ردّو بدل کرنے والے ہاتھوں کو یہ اہمیت بھی اس بات سے باز نہ رکھ سکی کہ زندگی میں پیش آنے والے واقعے کو موت کے بعد سے کیسے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ ایک اور اہم معاملہ جس میں یوحنا باقی تین انجیلوں کے مصنفین سے اختلاف کرتا ہے، حضرت مسیح کے مشن کی میعاد کا ہے جسے متی، مرقس اور لوقا ایک سال سے کچھ اوپر بیان کرتے ہیں اور یوحنا دو سال سے اوپر۔ اوکلمین نے بھی یہ فرق محسوس کیا ہے اور عالمی ترجمے میں اس بارے میں یوں اظہار کیا کہ متفق علیہ (SYNOPTIC) اناجیل یعنی متی، مرقس اور لوقا گیلیلی میں ایک لمبے عرصے کا ذکر کرتی ہیں۔ جس کے بعد یہودیہ کی طرف ایک لمبے سفر کا بیان ہے اور آخر میں یروشلم میں مختصر قیام کا ذکر ہے اس کے مقابلے میں یوحنا ایک سے دوسرے علاقے کی طرف بار بار سفر بتاتا ہے اور یہودیہ میں خاص کر یروشلم میں لمبا قیام بیان کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

(۱۲: ۲۰-۳۱ ، ۵: ۱-۴۷ ، ۳: ۲۶،۳۶: ۱،۱۳: ۱۹-۵۱)

وہ کئی دعوتوں (PASSOVER CELEBRATIONS) کا ذکر کرتا ہے۔ دیکھیں (۲: ۱۳ ، ۵: ۱ ، ۶: ۴ ، ۱۱: ۵۵) اس طرح وہ مسیح

کا مشن دو سال سے زائد عرصے تک کا لکھا ہے۔ کوئی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا میں سے کس کا اعتبار کرے!؟

اناجیل کے ماخذ

اناجیل (GOSPELS) کا عام جائزہ اس لٹریچر کے بارے میں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ (اس طرح سے غیر مربوط ہے کہ اس کی ترتیب میں تسلسل کا فقدان ہے اور بظاہر اس میں ناقابل عبور تضادات پائے جاتے ہیں) خطوط وحدانی کے اندر اس فیصلے کے الفاظ کا ترجمہ ہے جو انجیل کے عالمی ترجمے کے مبصرین نے دیا۔ انگریزی الفاظ یوں ہیں۔

"DISJOINTED WITH A PLAN THAT LACKS CONTINUITY "AND" SEEMINGLY INSUPERABLE CONTRADICTIONS."

ان مبصرین کا وقار اور اختیار بہت اہم ہے اور اس موضوع پر ان کی تشخیص کے نتائج انتہائی دور رس ہیں۔ جیسا کہ اوپر دیکھا جا چکا ہے کہ اس زمانے کی مسیحیت کی تاریخ کے بارے میں جب اناجیل وجود میں آئیں۔ بعض آرام نے کچھ موقعوں پر سنجیدگی اور توجہ سے پڑھنے والوں کے لیئے اس لٹریچر کے بعض پریشان کن پہلوؤں کی وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی۔ تاہم یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق جاری رکھنے والے آجکل کے ذرائع سے استفادہ کیا جائے کہ وہ ان ماخذوں کے بارے میں کیا بتاتے ہیں جن سے اناجیل کے مصنفین نے خود مواد حاصل کیا۔ یہ بات بھی دلچسپی کا باعث ہوگی کہ اناجیل کے متن کے مقرر اور تسلیم کئے جانے کے بعد کی تاریخ بعض پہلوؤں کی وضاحت کر سکتی ہے جو آج درپیش ہیں۔ مسیحیت کی شروع کی صدیوں میں بھی پادریوں نے ماخذوں کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب مکمل شکل میں

صرف متی کی انجیل میسر تھی تو یہ مسئلہ صرف مرقس اور لوقا کے بارے میں درپیش تھا۔ کیونکہ یوحنا کی تو بات ہی بالکل مختلف تھی۔ سینٹ آگسٹائن کی نظر میں مرقس (جو روایتی ترتیب میں دوسرے نمبر پر ہے) نے متی کا اثر قبول کرتے ہوئے اپنے کام میں اختصار سے کام لیا۔ مزید برآں اس کے خیال میں لوقا نے جو تیسرے نمبر پر آتا ہے دونوں سے اثرات لیئے۔ آج کل کے عالمی ترجمے ECUMENICAL TRANSLATION OF BIBLE ہمیں مندرجہ ذیل اعداد فراہم کرتے ہیں۔

تینوں متفق علیہ (SYNOPTIC) اناجیل میں مشترکہ آیات کی تعداد = ۳۳۰

متی اور مرقس میں پائی جانے والی مشترکہ آیات = ۱۷۸

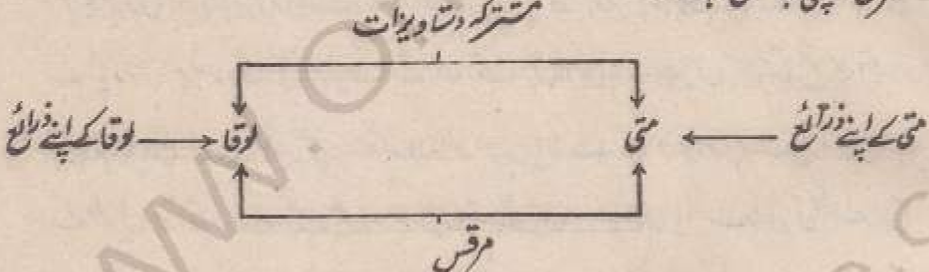
مرقس اور لوقا " " " " " " " ۱۰۰

متی اور لوقا " " " " " " " ۲۳۰

فرداً فرداً تینوں میں پائی جانے والی منفرد آیات کی تعداد متی میں = ۳۳۰ مرقس میں ۵۳ اور لوقا میں ۵۰۰ ہے۔

ابتدائی مسیحیت کے پادریوں کے وقت سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی تک سترہ صدیوں کا طویل زمانہ اناجیل کے مصنفین کے ماخذوں کے بارے میں کوئی سوال اٹھائے بغیر گزر گیا۔ اور لوگ روایت کی پابندی کرتے رہے کیونکہ پادریوں کے بے پناہ اختیارات کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ حالیہ زمانے میں تقریباً گزشتہ ایک صدی سے یہ بات پوچھی جاتی رہی ہے کہ اناجیل کیونکر وجود میں آئیں؟ اور ان کے ماخذ کیا تھے؟ اختلافات کیوں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ بحث شاید آئندہ بھی جاری رہے۔ جس سے یہ مسائل سلجھنے کی بجائے اور بھی الجھ جائیں۔ خیال یہ ہے کہ مصنفین کے پاس زبانی روایات کے علاوہ ارامی زبان میں لکھا ہوا

ٹکڑوں کی صورت میں تحریری مواد بھی تھا جو گم ہو چکا ہے ۔ ان ذرائع کو یکجا کر کے ہر ایک نے الگ الگ اپنے ذاتی خیالات اور فرقے کی ضرورت کے مطابق ردوبدل کر کے تحریر کیا ۔ "اوکلمین" اور عالمی ترجمے کے مصنفین یوں وضاحت کرتے ہیں کہ ایک طرف تو متی اور لوقا کی تحریروں کو مرقس نے متاثر کیا ہوگا اور دوسری طرف ایک مشترکہ دستاویز اثر انداز ہوئی ہوگی ۔ جو اب گم ہو چکی ہے ۔ اس کے علاوہ ہر ایک کے اپنے ذرائع بھی ہو سکتے ہیں ۔ اس مفروضے سے اُبھرنے والی صورت حال خاکے کی شکل میں اس طرح کھینچی جا سکتی ہے ۔



"اوکلمین" اس پر مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کرتے ہیں ۔

۱ ۔ مرقس کی تصنیف جسے متی اور لوقا نے استعمال کیا ۔ غالباً مرقس سے بھی پہلے کی کوئی تحریر ہوگی ۔

۲ ۔ ماخذ کے طور پر زبانی روایات پر کافی زور نہیں دیا جاتا ۔ حالانکہ شروع کے تیس چالیس سال کے دوران میں صرف زبانی روایات ہی کے ذریعے سے حضرت مسیح کے اقوال اور مشن کی تفصیلات محفوظ کی گئی تھیں اور یہ کہ مصنفین ان طبقوں کے نمائندہ تھے جنہوں نے زبانی روایات کو اپنے طور پر تحریر کیا تھا ۔

اسی طرح سے ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اناجیل جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے وہ حضرت مسیح کی زندگی اور مشن کے بارے میں ان معلومات کا عکس ہیں جو مختلف مسیحی طبقوں کے پاس تھیں ۔ علاوہ ازیں وہ الگ الگ مذہبی

عقیدے اور خیالات کا مظہر بھی ہیں اور ان کے مصنّفین (EVANGELISTS) نمائندہ (SPOKESMAN) تھے۔ انجیل کے مضامین پر تازہ ترین تنقیدی روشنی واضح طور پر مضامین کے ابتدائی ارتقاء کے بارے میں مسئلے کو اور بھی پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ ۱۹۷۲-۷۳ء میں یروشلم کے بائبل سکول کے دو پروفیسروں پادری بینوٹ (FATHER BENOIT) اور بوئسمارڈ (BOISMARD) نے اپنی کتاب "چاروں انجیلوں کا اشتراک" (SYNOPSIS OF THE FOUR BIBLES") میں اس بات پر زور دیا ہے کہ تحریروں اور زبانی روایات کا ارتقاء ایک ساتھ ہوا۔ چنانچہ ——— پادری بینوٹ نے پادری "بوئسمارڈ" کی تصنیف کے تعارف میں اس بارے میں جن نتائج کا اظہار کیا ہے ان میں یہ جملہ بھی ہے کہ الفاظ اور بیانات کے وہ اسالیب جو روایات کے طویل ارتقاء کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں۔ بنیادی یا ابتدائی کی طرح مصدقہ نہیں ہو سکتے۔ اس کتاب کے پڑھنے والے یہ جان کر شاید حیران ہوں گے کہ اناجیل میں مرقوم حضرت مسیح کے بعض اقوال، کہانیاں اور ان کے انجام کے بارے میں پیشگوئیاں ابتداء میں اس طرح بیان نہیں کی گئی تھیں جیسا کہ آج ہم پڑھتے ہیں بلکہ ان واقعات میں ان لوگوں نے تبدیلیاں کی تھیں، جنہوں نے وہ ہم تک پہنچائے البتہ ان لوگوں کے لئے یہ بات حیران کن یا بدنامی کا باعث نہ ہو جو اس کی قسم کی تاریخی تحقیق کے عادی نہیں۔ تفصیلات کے لئے دیکھیں

SYNOPSIS OF THE FOUR GOSPELS. BY FATHER BOISMARD.

ایک طویل عرصے تک کوئی بھی ذریعہ ایسے کسی حتمی اور فیصلہ کن متن پر منتج نہ ہوا ہوتا جیسا کہ آج ہمارے پاس ہے بلکہ یہ ایک درمیانی (INTERMEDIATE) حالت یعنی درمیانی متی، درمیانی مرقس، درمیانی لوقا اور درمیانی یوحنا سے گزر کر موجودہ شکل میں وجود میں آئیں۔ ان صحائف پر تحقیق بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ جو تاریخی

کے علاوہ پادری "بوسمارڈ" کے الفاظ میں "قبل از تاریخ" (PRE - HISTORY)
بھی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنی آخری شکل تک پہنچنے سے پہلے درمیانی درجے
کی حالت میں ان میں تبدیلیاں اور ردّو بدل کیا گیا۔ اسی صورت میں ہم بعض تضادات
کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ مثلاً لوقا یسوع مسیح کی زندگی میں معجزانہ طور پر مچھلیاں
پکڑنے کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ جب کہ یوحنا اسے جی اُٹھنے RESURRECTION
کے بعد کا واقعہ بتاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انجیل کا مطالعہ کرتے وقت
ہم یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ یسوع مسیح ہی کے الفاظ ہیں۔

پادری "بینوٹ" قارئین کو اس بارے میں خبردار کرتے ہوئے یوں تسلی دیتے ہیں
کہ "اگر پڑھنے والا ایک سے زیادہ بار براہِ راست یسوع مسیح کی آواز سُننے سے
مایوس ہوجائے تو بھی وہ کلیسا کی آواز سنتا اور اس پر اعتبار کرتا ہے۔ کیوں کہ
وہ خدا کی طرف سے آقا (یسوع مسیح)، کا ترجمان مقرّر ہے جو زمانہ ہوا زمین پر ہم
سے ہم کلام ہوا تھا۔ اور جو اب بھی ہم سے اپنے جلال میں بولتا ہے۔"

صحائف کی صحت :-(AUTHENTICITY) کے بارے میں مندرجہ بالا
قول کو دوسری ویٹیکن کونسل کے اس بیان سے کیسے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔ جو
اس کے برعکس یقین دلاتی ہے کہ "یسوع مسیح کے الفاظ کے دیانتدارانہ بیان
کی کلیسا (CHURCH) بلا کسی ہچکچاہٹ کے توثیق کرتا ہے جس کا مظہر یہ چاروں
اناجیل ہیں اور یہ کہ وہ تاریخی لحاظ سے مصدقہ ہیں۔ ان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ
لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے ان کی ہمیشہ کی نجات کے لیئے یسوع ابن خدا نے
اپنی زندگی میں واقعی جو کچھ کیا اور وفاداری سے تعلیم دی۔ یہاں تک کہ انہیں آسمانوں
پہ اٹھا لیا گیا"۔ یوروشلم کا بائبل سکول واضح الفاظ میں کونسل کے
اس اعلان کی نفی کرتا ہے۔ یہاں یہ بھی بات قابلِ ذکر ہے کہ آکسفورڈ

یونیورسٹی میں اناجیل کے دفاع کرنے کا شعبہ (CHAIR OF FUNDAMENTALISTS) جو بڑی شد و مد سے اس امر کی وکالت کیا کرتا تھا کہ ان کا ایک ایک لفظ الہامی ہے اس موقف کے خلاف ناقابلِ تردید ثبوت کے پیشِ نظر بند (ABOLISH) ۔ کیا جا چکا ہے۔

اناجیل کے متنوں (TEXTS) کی تاریخ

عیسائیت کے آغاز میں صرف زبانی روایات ہی مستند سمجھی جاتی تھیں۔ اور پہلے پہل اس بارے میں جو تحریریں سامنے آئیں وہ پال کے خطوط تھے۔ EPISTLES OF PAUL اور ان کو اناجیل سے بہت پہلے کچھ مقام حاصل ہو چکا تھا۔ اور جو اناجیل کے ظہور سے پہلے عام ہو چکے تھے۔ حقیقت میں ۱۴۰ عیسوی سے پہلے اناجیل کے وجود کے بارے میں کوئی شہادت نہیں ملتی۔ البتہ اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ غالباً ۱۷۰ عیسوی کے قریب زیرِ بحث چاروں اناجیل کو منظوری مل ہو گی۔ موریس بوکائیلی (MAURICC-BUCAILI) اپنی مشہور کتاب BIBLE QURAN & SCIENCE میں اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

IT WAS NOT UNTIL CIRCA A.D.170 THAT THE FOUR GOSPELS.
ACQUIRED THE STATUS OF CANONIC LITERATURE.

شروع میں یسوع مسیح کے متعلق بعض تحریریں مروّج تھیں۔ لیکن بعد میں انہیں ناقابلِ قبول گردانا جا کر چھپا دیا گیا اور جو خفیہ یا (APOCRYPHAL) کہلاتی ہیں۔ یہ خفیہ لٹریچر کسی حد تک محفوظ رہا۔ کیونکہ عالمی ترجمے کے بقول " اس سے بھی استفادہ کیا گیا۔ اس لئے کہ عام طور پر وہ بھی قابلِ قدر سمجھا جاتا تھا" اسی طرح کا سلوک برنباس کے خط

کے ساتھ بھی کیا گیا۔ لیکن بدقسمتی سے باقی کے تمام لٹریچر کو اس قدر بے رحمی سے دبا دیا گیا کہ آج ان کے صرف چند ٹکڑے ہی بچے ہیں۔ پہلے انہیں غلطی کے پیغامبر قرار دے کر عام نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔ بعد میں تلف کر دیا گیا۔ نصرانیوں، یہودیوں، مصریوں، تھامس اور برناباس کی اناجیل جن کے بارے میں شروع کے پادریوں کی تحریروں سے اقتباسات ملتے ہیں، کسی حد تک تسلیم شدہ اناجیل سے ملتی تھیں۔ ان چھپائی گئی میں سے حال ہی میں ملنے والی بعض ایسی خیالی تفاصیل سے پُر ہیں جو عام مفروضوں اور خام خیالیوں کی پیداوار ہیں۔ ان کے متعلق لکھنے والے مصنّفین بعض ایسے حصوں کا حوالہ دیتے ہیں، جو مضحکہ خیز ہیں۔ جب کہ ایسی ہی کئی مثالیں تسلیم شدہ چاروں اناجیل میں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً متی کا خیالی بیان جو حضرت مسیح کی وفات کے وقت پیش آنے والے حالات سے متعلق ہے۔ دیانتداری کا تقاضا ہے کہ اب مان لیا جائے کہ یہ سنجیدگی سے عاری ہے یعنی متی ۲۸ : ۵۱ - ۵۳ حضرت مسیح کے متعلق لٹریچر کی بھرمار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے دوبارہ ترتیب دیتے وقت کاٹ چھانٹ کرنا پڑی اور تقریباً ایک سو انجیلوں کو رد کر دیا گیا۔ جبکہ صرف چار کو شرف قبولیت ملا جو نیا عہد نامہ (NEW TESTAMENT) کا حصہ بنیں۔ جنہیں قانونی یا CANONIC بھی کہتے ہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے وسط میں "سائینوپ" کے پادری "مارسیون" (MARCION) نے صاحب اختیار مذہبی رہنماؤں پر زور دیا کہ اناجیل کے بارے میں واضح مؤقف اختیار کریں۔ وہ یہودیوں کا کٹر دشمن تھا۔ اس لئے یہودی حصے یعنی پرانے عہد نامے (OLD TESTAMENT) کو رد کرتا تھا۔ نیز یسوع مسیح کے بارے میں جو تحریریں یہودی مذہب کے قریب یا ان کے ذریعے زبانی روایت کی صورت میں موجود تھیں، ان میں سے وہ لوقا کی انجیل کے علاوہ صرف پال کے خطوط کو صحیح اور باقی سب کو غلط سمجھتا تھا۔" مارسیون" مشرک قرار پایا اور منظور شدہ صحائف میں لوقا کی انجیل اور پال کے خطوط کے علاوہ "متی"، مرقس اور یوحنا کی اناجیل اور رسولوں کے اعمال

(ACTS OF APOSTLES) کا اضافہ کیا گیا۔ تاہم مسیحیت کی شروع کی چند صدیوں میں منظور شدہ "صحائف" کی فہرست میں ردّو بدل ہوتا رہا۔ اس طرح کچھ عرصے تک وہ مواد بھی شامل رہا جو بعد میں نامنظور (APOCRYPHAL) قرار پایا اور اس زمانے میں منظور ہونے والا بعض مواد اس وقت تک ان صحائف سے خارج رہا۔ یہ تذبذب اور غیر یقینی حالت ۳۹۲ عیسوی میں ہپورگیس (HIPPO REGUIS) میں اور ۳۹۷ میں کارتھیج (CARTHAGP) میں ہونے والی کونسل میں جاری رہی۔ پادری "بوشمارڈ" ان تحریروں کے نقصان پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں جنہیں رد کر دیا گیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں ان کی بڑی تاریخی اہمیت تھی۔ اور جو چوتھی صدی عیسوی کے آخر تک لائبریریوں میں موجود تھیں۔ یعنی نامنظور مواد (APOCRYPHAL) یہی وہ زمانہ تھا جس میں سنجیدگی سے صحائف کی ترتیب وغیرہ پر توجہ دی گئی۔ اور قدیم ترین موجود تحریریں اسی زمانے سے تعلق رکھتی ہیں جب کہ اس سے پہلے کی تحریریں جن کا تعلق تیسری یا شاید دوسری صدی سے ہے۔ مثلاً پپرس (PAPYRUS) محض ٹکڑوں کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ چمڑے کی جھلّی پر لکھی ہوئی قدیم ترین تحریر جو یونانی زبان میں ہے اور چوتھی صدی عیسوی کی ہے۔ کوڈکس ویٹیکانس (CODEX VATICANUS) کوہ سینا پر پائی گئی تھی۔ جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس کے ملنے کا مقام معلوم نہیں جبکہ کوڈکس سیناٹی کس (CODEX SINAITICUS) کوہ سینا پر پائی گئی تھی جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ اور جس میں دو رد کئے گئے حصّے بھی موجود ہیں۔ عالمی ترجمے کے مطابق ایسی چرمی تحریروں کی تعداد ۲۵۰ ہے جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے اکثر گیارھویں صدی سے تعلق رکھتی ہیں۔ نئے عہد نامے (NEW TESTAMENT) کی تمام کی تمام پرانی کتابیں جو ہم تک پہنچی ہیں۔ یکساں نہیں ہیں اور ان میں واقعات کی کم و بیش اہمیت کے فرق کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جس کی مثالیں کافی تعداد میں ملتی ہیں جو بڑی اہمیت کی

حامل ہیں۔ بعض مخطوطوں میں فرق کی نوعیت ایسی ہے۔ جس سے پورے ابواب کے معنی بدل جاتے ہیں۔ اس کی تصدیق کے لئے "یونانی نیا عہد نامہ" (NOVUM TESTAMENTUM GREECE) جسے لندن میں ۱۹۷۱ میں متحدہ بائبل سوسائٹی نے NESTLE-ALAND سے چھپوا کر شائع کیا ملاحظہ ہو۔ اس میں یونانی زبان میں معتدل یا درمیانی MIDDLE OF THE ROAD متن پایا جاتا ہے۔ یہ اس فرق کو دور کرنے کی ایک کوشش ہے اور اس میں مختلف جلدوں میں پائے جانے والے فرق نوٹس (NOTES) کی صورت میں دکھائے گئے ہیں۔ کسی متن (TEXT) کا مصدقہ ہونا حتیٰ کہ انتہائی واجب الاحترام مخطوطوں کا بھی، بحث طلب ہے۔ کوڈکس ویٹی کانس (CODEX VATICANUS) اس کی روشن مثال ہے۔ اس کی ۱۹۶۵ میں ویٹی کن کی ایڈٹ کردہ تصویری نقل (FACSIMILE) میں ایڈیٹروں کی طرف سے ناظرین کو خبردار کرنے کے لئے یہ نوٹ شامل ہے کہ "کئی صدیوں بعد اسے نقل کرتے وقت (تقریباً دسویں یا گیارہویں صدی میں) کسی کاتب نے تمام حروف پر سیاہی پھیری تھی سوائے ان کے جو اس کے خیال میں غلط تھے" متن میں بعض حصے ایسے ہیں جن میں ابتدائی تحریر جو ہلکے بھورے رنگ میں ہے اب بھی نئی سیاہی کے اندر سے دیکھی جا سکتی ہے جو کہ گہرے بھورے رنگ کی ہے اور اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ یہ دیانتدارانہ بحالی (RESTORATION) تھی۔ مزید برآں نوٹ ہذا یہ بھی بتاتا ہے کہ "صدیوں پر پھیلی ہوئی ان درستیوں اور شرحوں کی وضاحت نہیں مل سکی جو مختلف ہاتھوں نے کیں، لیکن خاصی تعداد میں متن کے اندر درستی (CORRECTION) بلاشبہ دوبارہ سیاہی پھیرتے وقت کی گئی تھی"۔ یاد رہے کہ تمام مذہبی کتابوں میں یہ متن چوتھی صدی کا بتایا جاتا ہے۔ جبکہ ویٹیکن کے اس اہم ترین ماخذ سے یہ جان کر مایوسی ہوتی ہے کہ ممکن ہے اسے بعض ہاتھوں نے صدیوں بعد بدل دیا ہو۔ یہ مانی ہوئی حقیقت ہے کہ پرانے

زمانے کے کسی کاتب کی درستی نئے ایڈیشن کی تیاری میں بنیادی تبدیلی کا باعث بن سکتی ہے۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ یوحنا کی انجیل کے ایک حصے میں صرف ایک لفظ جو "شفیع" (PARACLETE) کے بارے میں تھا۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے کس طرح تبدیلی کا سبب بنا۔

اختلافات کے بارے میں "اوکلمین" اپنی کتاب "نیا عہد نامہ" میں لکھتے ہیں کہ "بعض اوقات یہ بھول چوک کی وجہ سے ہوجاتے تھے"۔ نقل نویس کوئی لفظ بھول جاتا تھا یا پھر دو بار لکھ جاتا تھا۔ یا لاپرواہی کی وجہ سے پورے فقرے نظر انداز کرجاتا تھا۔ کیونکہ بعض دفعہ ایسا فقرہ ہوبہو (IDENTICAL) الفاظ کے درمیان ہوتا ہے۔ بعض دفعہ جان بوجھ کر بھی درستی کی جاتی تھی جس صورت میں نقل نویس اپنے خیالات کے مطابق تبدیلی کرتا تھا یا پھر وہ اسی متن میں پائے جانے والے کسی اور حصے سے ہم آہنگ کرنے کیلئے ایسا کرتا تھا تاکہ فرق کو کم کیا جاسکے۔ جونہی آہستہ آہستہ نئے عہدنامے (یعنی انجیل) کی تحریریں دوسرے مسیحی لٹریچر سے الگ ہوکر مقدس صحیفے کا درجہ اختیار کرگئیں تو نقل کرنے والے اپنے پیشرو پرانے نقالوں کی نسبت زیادہ محتاط ہوگئے۔ اپنی طرف سے تو وہ مصدقہ متن نقل کرتے تھے، مگر حقیقت میں وہ اختلافات سے پُر ہوتا تھا۔ بعض اوقات کوئی نقل نویس کسی غیر واضح حصے کی تشریح کے لئے حاشیہ آرائی کرتا تھا، لیکن بعد میں آنے والے نقل نویس یہ سمجھ کر شاید حاشیہ میں درج فقرات اصل متن کا حصہ ہوں گے، جو بھول سے رہ جانے کی وجہ سے حاشیہ میں درج کئے گئے ہوں گے۔ انہیں اصل متن میں شامل کر دیتے تھے جو اصل متن کے اور زیادہ غیر واضح ہوجانے کا سبب بنے۔ بعض مخطوطوں کے کاتبوں نے متنوں (TEXT) کے ساتھ ازحد آزادانہ برتاؤ کیا۔ مثلاً کوڈکس بیزی کینٹابری جینس (CODEX BEZAE CANTABRIGIENSIS) کے ساتھ جو متذکرہ بالا دو صحیفوں (CODEX) کے بعد مقدس ترین تسلیم کیا جاتا ہے

اس میں شاید کاتب نے لوقا اور متی میں دیئے گئے یسوع مسیح کے نسب نامے میں فرق محسوس کرتے ہوئے لوقا میں وہ فہرست درج کردی جو متی میں دی گئی ہے۔ لیکن چونکہ دوسری میں ناموں کی تعداد پہلی کے مقابلے میں کم تھی۔ اس لئے اس نے علی الحساب اور نام درج کردیئے۔ اختلافات کے بارے میں آجکل کے متنی نقاد (TEXTUAL CRITICS) زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ از سرِ نو ایک ایسا متن ترتیب دیا جائے کہ ابتدائی کے قریب تر ہو، جبکہ بقول عالمی ترجمے کے مصنفین کے خود ابتدائی متن تک رسائی کی کوئی اُمید خارج از امکان ہے۔

یہ تھیں اناجیل کے بارے میں کچھ ماہرانہ آراء۔ جن کے حوالہ جات ناظرین کی سہولت کے لئے متعلقہ مضامین کے اندر ہی درج کردیئے گئے ہیں۔

اناجیل میں موجود بعض ناقابلِ یقین اور متضاد بیانات

یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ عیسائی مبلغین مسیح علیہ السلام کو بطور امن اور محبت کے شہزادے کے پیش کرتے نہیں تھکتے۔ جب کہ اناجیل میں ان سے منسوب بعض بیانات اس بات کی صریحاً نفی کرتے ہیں، علاوہ ازیں بعض بیان معجزات سے قطع نظر خلافِ عقل ہیں جو خداوند کریم کا عطا کردہ بیش قیمت پیمانہ ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی موجودگی میں اناجیل کے بارے میں الہامی ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ اٹھارھویں صدی میں چھپنے والی تہلکہ خیز کتاب "مقبولیت کا زمانہ" (AGE OF REASON) کے مصنف تھامس پین نے صفحہ ۹۲ پر بالکل سچ کہا ہے کہ "اناجیل پر یقین کرنے کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کے عدل اور شائستگی کا انکار کرنا ہوگا"

حضرت مسیح کے متی اور لوقا میں دیئے گئے متضاد نسب ناموں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ منطق کا تقاضا یہ ہے کہ اگر نسب نامہ ضروری ہی تھا تو حضرت مریم کے آب وجد کا ہوتا

کیونکہ وہ ابن مریم تھے نہ کہ ابن یوسف حالانکہ مسیحی عقیدے کے مطابق ابن خدا ہونے کے ناطے انسانی باپ دادا کے ذکر کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے ؟ کوڈکس بیزاز کینٹابری جینس (CODEX BEZAS CANTABRIGIENSIS) میں سے جو کہ یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں میں چھٹی صدی کا ایک نہایت اہم مخطوطہ ہے ، کے یونانی متن میں سے نسب نامہ بالکل غائب ہو گیا ہے ۔ شائد اب سادگی سے یہ کہا جائے کہ صفحات گم ہو گئے ہوں گے ۔

سینکڑوں پادریوں اور پوپ نے دوسری ویٹیکن کونسل میں انجیل کے یہودی حصے کے بارے میں یہ تو مان لیا کہ اس کے بعض حصے فرسودہ (OBSOLITE) ہیں ۔ لیکن سنجیدہ مشاہدے کے نتیجے میں یہی بات مسیحی حصہ اناجیل کے بارے میں تسلیم کرنے کی بجائے اگر مگر سے کام لیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ مکمل نسب نامہ نہیں ، بلکہ مصنف نے بعض نام جان بوجھ کر چھوڑ دیئے تھے اور یہ کہ "ان کی نیت تو وسیع تر بنیاد پر اب وجد کے تسلسل میں سے تاریخی حقیقت پر مبنی بعض ضروری عناصر کا تعین کرنا تھا" لیکن خود اناجیل میں اس مفروضے کی نفی ہوتی ہے جہاں واضح طور پر یہ لکھا گیا ہے کہ مثلاً الف ب کا باپ اور ب الف کا بیٹا تھا وغیرہ ۔ یہودی حصہ بائبل میں تو یہ مفروضہ اور بھی ناممکن ہو جاتا ہے جہاں یوں درج ہے کہ جب الف ، ج سال کا ہو گیا تو وہ د کا باپ بنا اور جب د ، ل سال کا ہوا تو م کا باپ بنا ۔ اس طرز بیان میں خلا (BREAK) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا علاوہ ازیں اب ایسے بے بنیاد تشریحی مفروضوں سے مصنف کا وہ مقصد یا نظریہ ہی ختم ہو جاتا ہے جس کے تحت اس نے نسب نامے کا ذکر ضروری سمجھا ہو گا ۔ حضرت یسوع مسیح کا نسب نامہ جیسا کہ وہ تضادات کے ساتھ اناجیل میں پایا جاتا ہے ۔ مسیحی عذر خواہ مبصرین کے لئے ایک ایسا موضوع ہے جس کی تشریح میں انہوں نے ایسی قلابازیاں کھائی ہیں جو صرف ان ہی کے طرز بیان کا خاصہ ہیں ۔

چاروں اناجیل میں بہت سے ایسے بیانات ملتے ہیں جو صرف ایک ہی میں پائے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو کسی دوسری میں اگر ہیں بھی تو کسی مختلف شکل میں ہیں۔ ایسے بیانات بعض اوقات سنگین مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ حضرت مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کے واقعے کا ذکر صرف ایک مصنف نے کیا ہے جب کہ یہ واقعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اگر عام مسیحی ایسے تضادات کو محسوس کریں تو یقیناً اپنے آپ میں بعض اوقات پریشان ہوتے ہوں گے۔ کیونکہ انہیں باوثوق لہجے میں یہی بتایا گیا ہے کہ جو کچھ چاروں اناجیل میں مرقوم ہے وہ عینی شہادت پر مبنی ہے۔ پچھلے ابواب میں بعض ایسے تضادات کا ذکر ہو چکا ہے لیکن یہاں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے آخری ایام سے بعض واقعات کا اعادہ توجہ طلب ہے جو مصنفین نے کافی اختلافات سے بیان کیا ہے۔

یسوع مسیح کے ہیجان و کرب (PASSION) کے بیان کی طرف خود پادری روگٹ (ROGUET) نے اشارہ کیا ہے کہ یہودی عید کے حوالے سے حضرت عیسیٰ مسیح کے اپنے شاگردوں کے ساتھ آخری کھانے (LAST SUPPER) کا ذکر ہم خیال تینوں اناجیل میں تو عید مذکور کے دوران میں بتایا گیا ہے جب کہ یوحنا کے مطابق یہ واقعہ عید سے پہلے کا ہے اب دیکھئے کہ یہ واقعہ یہودیوں کے اہم تہوار کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک اہم واقعے کی یاد جو ایک دوسرے اہم واقعے کے تعلق سے بیان ہوئی ہو۔ اس حد تک بھول جائے کہ اختلاف کا باعث بن جائے۔

عام سطح پر ہیجانی واقعے کا بیان چاروں میں کسی حد تک مختلف ہے۔ خاص طور پر یوحنا کا یہودی عید اور آخری کھانے کا بیان دونوں خاصے طویل ہیں۔ مرقس اور لوقا سے دوگنا اور متی سے قریباً ڈیڑھ گنا یوحنا کا اپنے ابواب ۱۳ تا ۱۷ میں

یسوع مسیح کا اپنے شاگردوں سے خطاب خاصا طویل ہے جس میں وہ اپنے شاگردوں سے کہتے ہیں کہ وہ ان کے لئے ہدایت چھوڑ کر جائیں گے۔ اور وہ انہیں روحانی برکت بھی دیتے ہیں لیکن باقی تین میں ایسا کوئی ذکر موجود نہیں۔

گتسمنی نامی مقام پر یسوع مسیح کی فریاد (PASSION OF CHRIST)

اس کے بالمقابل متی، مرقس اور لوقا کا ذکر کرتے ہیں جس کا یوحنا نے کوئی ذکر نہیں کیا! اور یوحنا کی انجیل قربانی کے عمل INSTITUTION OF EUCHARIST کا کوئی ذکر نہیں کرتی۔

یہ انتہائی اہم حقیقت ہے جو قاری کو متاثر کرتی ہے کہ یوحنا نے قربانی کے عمل کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا۔ جو باقی تین کے مطابق حضرت مسیح کے اپنے شاگردوں کے ساتھ کھانے کے دوران میں پیش آیا۔ شائد ہی کوئی مسیحی ہو گا جو دیواری تصاویر میں میں اس آخری کھانے کے منظر کو نہ پہچانتا ہو جس میں حضرت مسیح کو اپنے شاگردوں کے ہمراہ ایک میز کے گرد بیٹھے دکھایا گیا ہے۔ روایت کے مطابق مصوروں نے اس موقعے پر یوحنا کو حضرت مسیح کے قریب بیٹھے ہوئے دکھایا ہے جسے اس کے نام سے منسوب انجیل کا مصنف بتایا جاتا ہے۔ اس لئے بہتوں کے نزدیک شائد یہ حیرت کی بات ہو کہ ماہرین کی اکثریت کی رائے میں شاگرد (DISCIPLE) یوحنا اس انجیل کا مصنف نہیں ہو سکتا۔ وہ اس قربانی EUCHARIST کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ جس کے دوران میں روٹی اور شراب مسیح کا خون اور گوشت بن جاتے ہیں۔ اور یہ واقعہ مسیحی عبادات (MASS) میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

باقی کے تینوں مصنفین اس کا حوالہ دیتے ہیں اگرچہ انداز مختلف ہے۔ اس بارے میں چاروں کے بیانات میں صرف دو یا تین مشترک ہیں۔ ایک پطرس کے الفاظ

کے بارے میں پیش گوئی کا واقعہ اور دوسرا حواری یا شاگرد یہودا اسکروتی کے دھوکہ دینے کا جس کے نام کا ذکر صرف متی اور یوحنا نے کیا ہے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اتنے اہم واقعے کے مجرم کے نام کا باقی کو علم نہ ہو۔ جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ حقیقت بیانی کے وقت کسی نام کا اخفا یا قصداً نظر انداز کیا جانا بیان کو مشکوک بنا دیتا ہے۔

اس آخری کھانے کے بارے میں صرف یوحنا میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھانے سے پہلے حضرت مسیح نے اپنے حواریوں کے پاؤں (ہاتھ نہیں) دھوئے۔ اس اہم فروگزاشت کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی مثبت انداز سے سوچے کہ باقی تینوں کا بیان صحیح ہو گا تو یہی مفروضہ ذہن میں آ سکتا ہے کہ اس واقعے سے متعلقہ حصہ کھو گیا ہو۔ لیکن جس نتیجے پر خود مسیحی مبصرین پہنچتے ہیں، وہ یہ نہیں ہے۔ آیئے دیکھیں اس بارے میں ان کا مؤقف کیا ہے؟ "اے ٹرائی کاٹ" (A. TRICOT) اپنی کتاب "نئے عہد نامے کی چھوٹی ڈکشنری" میں "آخری کھانے" کے تحت لکھتے ہیں کہ "آخری کھانا جو حضرت یسوع مسیح نے بارہ حواریوں کے ساتھ کھایا اور جس کے دوران میں اس نے قربانی (EUCHARIST) کا آغاز کیا۔ اس کا ذکر ہم خیال (SYHOPTIC) اناجیل میں ہے۔ (یعنی متی، مرقس اور لوقا میں)، اور چوتھی انجیل (یعنی یوحنا) میں مزید تفصیل بتاتی ہے۔ پھر یہی مصنف "اے ٹرائی کاٹ" "قربانی" کے تحت لکھتا ہے کہ "قربانی کے آغاز کا ذکر پہلی تین اناجیل میں مختصر طور پر کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ مذہبی تعلیمات کا انتہائی اہم حصہ ہے۔ سینٹ یوحنا نے مسیح کی تقریر جو انہوں نے زندگی کی روٹی کے بارے میں کی ۶ : ۳۲-۵۸ کے بیان کے ساتھ اس ضروری توصیف کا اضافہ کر دیا" اس طرح اس تبصرہ نگار نے اس حقیقت کے ذکر سے پہلو تہی کی

ہے، کہ یوحنا کی انجیل میں قربانی کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

تبصرہ نگار توصیفی یا تعریفی تفصیل کی بات کرتا ہے جبکہ محولہ بیان قربانی کی تعریف میں نہیں (بنیادی طور پر وہ صرف اپنے حواریوں یا شاگردوں کے پاؤں دھونے کا ذکر کرتا ہے) نیز تبصرہ نگار" زندگی کی روٹی" کے بارے میں لکھتا ہے۔ لیکن یہ حوالہ تو حضرت مسیح نے آخری کھانے پر نہیں بلکہ کسی دوسرے موقعے پر دیا تھا۔ اور وہ موقع تھا خدا کی طرف سے یہودیوں کے لئے موسیٰؑ کی رہبری میں خروج کے وقت من سلوے کے تحفے کا۔ اور اس واقعے کی طرف اشارہ کرنے والا صرف یوحنا ہی ہے۔ البتہ اس کے بعد کے حصّے میں یوحنا قربانی کا ذکر حواریوں کے انحراف کی شکل میں کرتا ہے لیکن باقی تینوں مصنف اس قصّے کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ یوحنا اس بارے میں خاموشی اختیار کرتا ہے جو تین کہتے ہیں۔ اور تین اس معاملے میں خاموش ہیں جس کی بقول یوحنا، مسیح نے پیش گوئی کی تھی۔ یہ ناگفتہ بہ کیفیّت اس واقعے سے متعلق ہے جو مسیحی عقیدے اور عبادت میں بنیادی اہمیّت کا حامل ہے۔ یعنی آخری دعوت کے موقعے پر کفارے کی قربانی (EUCHARIST)

"نیا عہد زنامہ (انجیل کے عالمی ترجمے) کے مبصّرین یوحنا کی انجیل کی فروگذاشت کا اقرار کرتے ہوئے یوں بیان کرتا ہے۔" عام طور پر یوحنا قدیم اسرائیل کے رسم و رواج میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔ شائد اسی وجہ سے اس نے یہودی عید PASSOVER) کی رسومات میں قربانی کا ذکر نہ کیا ہو۔" کیا ہم سنجیدگی سے یہ عذر مان سکتے ہیں کہ یوحنا نے نئے یعنی مسیحی مذہب کے لئے اتنا بڑا بنیادی اہمیّت کا واقعہ قصداً اس لئے بیان نہ کیا ہو کہ اتفاق سے وہ یہودی تیو ہار کے دنوں میں پیش آیا تھا؟ عیسائیت کے ماہر شارحین اس مسئلے سے اس

قدر پریشان ہیں کہ وہ اپنے ذہنوں سے کرید کرید کر یوحنا کی انجیل سے ایسی مثالیں ڈھونڈتے ہیں جو وہ (EUCHARIST) کے معنوں میں پیش کر سکیں۔ مثال کے طور پر" اوکلمین" اپنی کتاب نیا عہد نامہ میں اس طرح رقمطراز ہیں" پانی کو شراب میں تبدیل کر دینا اور ۵ ہزار کو کھانا کھلانا۔ آخری کھانے (LAST SUPPER OR EUCHARIST) کے مثل ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پانی کو شراب میں بدل دینا حضرت مسیح کا پہلا معجزہ تھا۔ جو گلیل میں ایک شادی کے موقعے پر پیش آیا۔ کیونکہ شراب ختم ہوگئی تھی۔ اس کا ذکر سوائے یوحنا ۲ : ۱-۱۲ کے اور کسی نے نہیں کیا۔ پانچ ہزار افراد کو پانچ جو کی روٹیوں سے پیٹ بھر کر کھلانا جو معجزانہ طور پر بڑھتی گئیں۔ ان دونوں واقعات کے بارے میں یوحنا کوئی خاص ذکر نہیں کرتا۔ تاآنکہ ان اہم واقعات کو دوسری اناجیل میں مرقوم قربانی (EUCHARIST) کا ہم مطلب سمجھا جا سکے۔ ایسا صرف شارع مذکور کی ذاتی اختراع ہے۔ اسی طرح وہ ایک لنگڑے آدمی کے اور ایک پیدائشی اندھے کا علاج بپتسمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مسیح کی موت کے بعد ان کے پہلو سے پانی اور خون کے اخراج کو بپتسمہ اور قربانی کے مترادف بتاتے ہیں۔ اسی شارح سے منسوب ایک اور ایسی ہی مثال پادری" روگٹ" نے اپنی کتاب" انجیل سے تعارف" (J.NITIATION TO GOSPEL) میں یوں دی ہے کہ" بعض مذہبی شارح مثلاً آسکر کلمین" (OSCAR CULMAN) آخری دعوت کے موقعے پر کھانے سے پہلے حواریوں کے پاؤں دھونے کو علامتی طور پر (SYMBOLICALY) قربانی کے برابر سمجھتے ہیں۔" ایسے مشابہات کے ذکر میں معقولیت کا عنصر نظر آنا مشکل ہے جو اس لیئے ایجاد کیئے گئے ہیں کہ لوگ شاید یوحنا کی انجیل میں پائے جانے والے

پریشان کن فرق ——— کو آسانی سے قبول کر لیں گے۔

یسوع مسیح کا وفات کے بعد ظاہر ہونا

مسیح کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بیان میں آخر تک تضادات پائے جاتے ہیں۔ متی اور یوحنا دونوں نے اس بیحد اہم معاملے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ صرف مرقس اور لوقا ایسا ذکر کرتے ہیں۔ مرقس اپنے بیان ۱۶ : ۱۹ میں کہتا ہے "یسوع آسمان پر اٹھا لیا گیا اور خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھ گیا" یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ وہ عبارت جس میں یہ فقرہ شامل ہے۔ پادری" روگٹ" کے مطابق ایجاد کردہ (INVENTED) ہے۔ اگرچہ کلیسا کے لئے یہ مستند (CANONIC) ہے۔ اب رہ گئے صرف لوقا جو ۲۴ : ۵۱ میں کہتے ہیں" وہ ان سے رخصت ہو گیا اور آسمان پر اٹھا لیا گیا" تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ اسی دن ہُوا جس دن وہ مُردوں میں سے جی اٹھے لیکن رسولوں کے اعمال میں جس کا مصنف بھی لوقا ہی ہے' کے ۱ : ۳ میں یسوع مسیح کے حواریوں پر ظاہر ہونے کو ہیجان (PASSION) اور آسمان پر اٹھائے جانے (ASCENSION) کو اس طرح بیان کیا گیا ہے"۔ اپنے ہیجان کے بعد اس نے ان کے سامنے اپنے آپ کو کئی ثبوتوں کے ساتھ زندہ پیش کیا۔ چالیس دن تک ان پر ظاہر ہو کر اور خدا کی بادشاہی کی باتیں کر کے" انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں

TO THEM HE PRESENTED HIMSELF ALIVE AFTER HIS PASSION BY MANY PROOFS, APPEARING TO THEM DURING FORTY DAYS, AND SPEAKING OF THE KINGDOM OF GOD." (ACTS 1:3)

حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کا تیوہار لوقا کے اسی رسولوں کے اعمال کی کتاب میں مندرج بیان کے مطابق ایسٹر (یعنی جی اُٹھنے) کے چالیس دن بعد مقرر کیا گیا اور یہ تاریخ لوقا کی انجیل والے بیان سے مختلف ہے جو آسمان پر جانا اور جی اٹھنا ایک ہی دن کے واقعات بتاتا ہے۔ جو مسیحی اس صورتحال سے باخبر ہیں وہ ان واضح تضادات سے مایوس ہوتے ہیں۔ "نئے عہدنامے" کا عالمی ترجمہ اس امر کو تسلیم تو کرتا ہے لیکن وضاحت میں کچھ کہنے کی بجائے صرف یہ کہہ کر پہلو بچا جاتا ہے کہ شاید چالیس دن کا تعلق حضرت مسیح کے مشن سے ہو۔ عذرخواہ ناقابلِ قبول تضادات کی عجیب وغریب توجیحات کرنے سے بھی نہیں چُوکتے اس موضوع پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے "چاروں اناجیل کے متفقہ علیہ (THE SYNOPSIS OF THE FOUR GOSPELS) یوروشلم کے بائبل سکول کے ۱۹۷۲ میں درست (EDIT) کر کے شائع کردہ کی جلد نمبر ۲ کے صفحہ نمبر ۴۵۱ پر خود لفظ ASCENSION یعنی آسمان پر اُٹھائے جانے کو اس طرح ہدفِ تنقید بنایا ہے کہ "حضرت مسیح حقیقت میں جسمانی طور پر آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔ کیونکہ خدا جیسا اوپر ہے ویسا ہی نیچے ہے" ایسے تبصرے کا منشا ظاہر ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ کیا لوقا ایسا نہیں لکھ سکتا تھا؟ ایک دوسری جگہ اس تبصرہ نگار کو لغوی "چالاکی" نظر آتی ہے۔ وہ اس حقیقت کا کہ "اعمال" (ACTS) میں آسمان پر اٹھایا جانا، جی اُٹھنے کے چالیس دن بعد بتایا گیا ہے۔ کا جواز یہ بتاتا ہے کہ "یہ چالاکی" اس لیئے کی گئی" تاکہ اس خیال پر زور دیا جاسکے کہ حضرت مسیح کا زمین پر ظہور ختم ہو گیا ہے" اس قسم کی تاویلوں (INTERPRETATIONS) سے جو ذہنی کوفت ہوئی ہے۔ پادری "روگٹ" کی کتاب پڑھنے سے دوچند ہو جاتی ہے۔ وہ ایک نہیں دوبار آسمان پر

اٹھایا جانا بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں "حضرت مسیح کے نقطۂ نظر سے جی اٹھنا اور اُٹھایا جانا ساتھ ساتھ ہوا۔ لیکن حواریوں کے نقطۂ نگاہ سے اس وقت تک ایسا نہیں ہوا جب تک کہ وہ ان پر ظاہر ہوتا رہا۔ تاکہ انہیں روح القدس دیتا رہے۔ اور کلیسا کا دور شروع ہو جائے"۔ انگریزی الفاظ اس طرح ہیں۔

"WHEREAS FROM JESUS POINT OF VIEW THE ASCRENSION COINCIDES WITH RESURRECTION, FROM THE DISCIPLES' POINT OF VIEW IT DOES NOT TAKE PLACE UNTIL JESUS CEASES DEFINITELY TO PRESENT HIMSELF TO THEM, SO THAT THE SPIRIT MAY BE GIVEN TO THEM AND THE PERIOD OF THE CHURCH MAY BEGIN."

(MAURICE BUCHAILI IN BIBLE QURAN & SCIENCE PAGE 101)

ان قارئین کو جو ایسی موشگافیوں کو (جن کا صحائف کے اندر کوئی حوالہ موجود نہیں) جائز نہیں سمجھتے۔ یہ مصنف اپنی شاطرانہ لفاظی سے یوں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ "یہاں اور اسی طرح کے بعض دوسرے موقعوں پر مسئلہ اس صورت میں لاینحل معلوم ہوتا ہے۔ جب انجیل کے بیانات کو لغوی معنوں میں لیا جائے اور ان کی مذہبی اہمیت کو بھلا دیا جائے۔ یہ حقیقت کو بے ربط علامات میں بدلنے کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ بات ان کی مذہبی نیت کی ہے جنہوں نے حقائق ہم تک پہنچا کر وہ اسرار ہم پر کھولے جنہیں ہم اپنے شعور اور روحانی بصیرت سے سمجھ پاتے ہیں"۔ کیا سمجھے؟ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

HERE, AS IN MANY SIMILAR CASES. THE PROBLEM ONLY

APPEARS INSUPERABLE IF ONE TAKES BIBLICAL STATEMENTS LITERALLY AND FORGETS THEIR RELIGIOUS SIGNIFICANCE. IT IS NOT A MATTER OF BREAKING DOWN THE FACTUAL REALITY INTO A SYMBOLISM WHICH IS INCONSISTENT, BUT RATHER OF LOOKING FOR THE THEOLOGICAL INTENTIONS OF THOSE REVEALING THESE MYSTERIES TO US BY PROVIDING US WITH FACTS WE CAN APPREHEND WITH OUR SENSES AND SIGNS APPROPRIATE TO OUR IN CARNATE SPIRIT.

(BIBLE QURAN & SCIENCE PAGE 102)

تھامس پین (AGE OF REASON) کے صفحہ نمبر ۲۰۵ پر لکھتے ہیں کہ مُردوں کے پھر سے جی اُٹھنے کی کہانیاں خاص کر تشدّد کے شکار بے گناہ مرنے والوں کے بارے میں یسوع مسیح سے پہلے بھی موجود تھیں۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ قریباً نصف صدی پہلے مارے جانے والے جولیس سیزر کے بارے میں بھی دوبارہ جی اُٹھنے کا قصّہ مشہور تھا۔

یوحنا کی انجیل اور فارقلیط یا شفاعت کرنے والے (PARACLETE) کا بیان

یہ بیان صرف اسی انجیل میں یسوع مسیح اور ان کے حواریوں کے درمیان آخری گفتگو کی شکل میں چار ابواب ۱۴ - ۱۷ پر پھیلا ہوا ہے جو گرفتاری سے ذرا پہلے ہوئی۔ لیکن باقی کی تینوں اناجیل میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ یہ ابواب ایسے سوالات کے بارے میں ہیں جو مستقبل کے مقاصد کے متعلق خاص اور نہایت اہم بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور موقع کی مناسبت یعنی الوداعی پس منظر میں

بڑے طمطراق اور سنجیدگی سے مذکور ہیں جو ایسے موقعے کے لیئے جب آقا اپنے حواریوں سے جدا ہو رہا تھا بہت موزوں ہیں۔ یہ دردناک الوداعی منظر جس میں حضرت مسیح کی روحانی وصیت شامل ہے۔ متی، مرقس اور لوقا تینوں میں موجود نہیں۔ اس انتہائی اہم بیان کی عدم موجودگی کا کیا جواز ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ شروع میں یہ عبارت سب میں موجود ہو اور بعد میں ہٹادی گئی ہو؟ اگر واقعی ایسا ہے تو اس کی وجہ؟

شائد اس مہیب خلاء کے اسرار پر ہمیشہ کی طرح پردہ ہی پڑا رہے۔

اس بنیادی اہمیت کے بیان کا بہت نمایاں پہلو انسان کے مستقبل کے بارے میں ہے جو حضرت مسیح اپنے حواریوں اور ان کے ذریعے تمام بنی نوع انسان کو احتیاط سے مخاطب کرکے تلقین کرتے ہیں اور اس رہبر کی نشاندہی کرتے ہیں جس کی ان کے بعد سب کو پیروی کرنی چاہئے۔ صرف یوحنا ہی آنے والے کا نام یونانی زبان میں "پیراکلیٹس" PARACLETES بیان کرتا ہے جو انگریزی میں PARAKLETOS بن گیا متعلقہ اہم فقرات اس طرح ہیں "اگر تم مجھ سے محبت کروگے اور میرے احکامات کو مانوگے تو میں باپ سے درخواست کروں گا جو تمہیں دوسرا پیراکلیٹ (فارقلیط) دے گا۔ ۱۴: ۱۵-۱۶ لیکن یہ پیراکلیٹ کا مطلب کیا ہوا؟ یوحنا کی انجیل کی موجودہ عبارت اس کے معنی یوں بیان کرتی ہے "لیکن پیراکلیٹ، روح القدس جو باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب باتوں کی تعلیم دے گا اور تمہیں وہ سب باتیں یاد دلائے گا جو میں نے تم سے کہی ہیں۔ ۱۴: ۲۶ وہ دوسری گواہی دے گا - ۱۵: ۲۶ یہ تمہارے فائدے میں ہے کہ میں چلا جاؤں۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو پیراکلیٹ تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھجواؤں گا اور جب وہ آئے گا تو گناہ،

راست بازی اور روزِ حساب کا یقین دلائے گا۔ ۱۶ : ۷ - ۸ جب سچائی کی روح آتی ہے وہ تمام سچائیوں کی طرف تمہاری رہنمائی کرے گی۔ کیونکہ وہ اپنے اختیار سے نہیں بولے گا وہ تو جو سُنے گا وہی بولے گا۔ اور وہ ہونے والی باتوں کا اعلان کرے گا وہ میری تعظیم کرے گا۔ ۱۶ : ۱۳ - ۱۴ سرسری مطالعے سے بھی پیراکلیٹ کو روح القدس کے معنی پہنانے سے عام آدمی تو کیا مطمئن ہو گا۔ البتہ یہ طرزِ تحریر اور موشگافیاں شاید کٹّر کلیسا کے کام کی ہوں جو متوقع ضرورت پڑنے پر اسی طرح کی ناقابلِ یقین اور غیر منطقی شرحوں سے نہیں چوکتے۔ مثلاً اے ٹرائی کاٹ" A. TRICOT اپنی کتاب "نئے عہد نامے کی چھوٹی ڈکشنری" میں پیراکلیٹ کے تحت لکھتے ہیں "اس نام یا القاب کا ذکر صرف یوحنا نے نئے عہد نامے میں کیا ہے۔ وہ اپنے بیان میں جو حضرت مسیح کی آخری کھانے کے بعد کی تقریر کے بارے میں ہے۔ چار دفعہ یہ نام استعمال کرتا ہے اور ایک دفعہ اپنے پہلے خط ۱ : ۲ میں یوحنا کی انجیل میں یہ نام روح القدس کے لیئے استعمال ہوا ہے اور خط میں اس کا مطلب یسوع مسیح ہے۔ بیں ایں تفاوتِ رہ - از کجا تا بکجا۔

پیراکلیٹ کی اصطلاح پہلی صدی عیسوی کے یونانی نژاد یہودیوں میں مستعمل تھی۔ جس کا مطلب "شفاعت یا دفاع کرنے والا تھا"۔ یسوع مسیح نے پیشگوئی کی تھی کہ باپ اور بیٹا روح بھیجیں گے ،جس کا کام اس رول کی جگہ لینا ہو گا جو بیٹے نے اپنی دنیاوی زندگی میں حواریوں کی امداد کے لیئے ادا کیا۔ "روح مداخلت کرے گی اور بطور مسیح کے نعم البدل کے کام کرے گی۔ پیراکلیٹ یا مؤثر شفیع کا رول اختیار کرے گی" خط کشیدہ الفاظ انگریزی میں اس طرح ہیں۔

"THE SPIRIT WILL INTERFERE AND ACT AS A SUBSTITUTE FOR CHRIST ADOPTING THE ROLE OF PARACLETE

OR OMNIPOTENT INTERCESSOR."

اس تبصرے کی پُر پیچ زبان سے قطع نظر اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت مسیح کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد انسانوں کی رہبری کا کام روح القدس کرے گا۔ لیکن یہ یوحنا کے اوپر بیان کردہ معیار پہ کیوں کر پورا اُترتا ہے؟ مندرجہ تبصرے میں روح کو سُننے اور بولنے وغیرہ کی اہلیت تفویض کرنا ناقابلِ یقین بات ہے۔ اس مسئلے میں صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لیئے ہمیں بنیادی یونانی تحریر تک جانا ہو گا۔ یہ اس لئے بھی اہم ہے کہ یوحنا کے بارے میں عالمگیر سطح پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس نے اپنی انجیل یونانی زبان میں لکھی تھی۔ چنانچہ یونانی زبان میں پائے جانے والے کسی متن میں زیرِ بحث لفظ میں ایسا اختلاف نہیں پایا جاتا جو بحث کا موضوع بن سکتا ہو۔ واحد فرق صرف شامی زبان میں لکھی ہوئی "پلمپٹس" (PALIMPSEST VERSION WRITTEN IN SYRIAC) کی کاپی میں ہے اس میں روح القدس کی بجائے صرف روح (SPIRIT) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کاتب نے جان بوجھ کر پورا لفظ نہ لکھا ہو تاکہ اسے "بولنے اور سننے" سے مطابقت دی جا سکے یا اس لیئے ایسا کیا ہو کہ اس کے خیال میں روح القدس (HOLY SPIRIT) کا بولنا اور سُننا بے ہودہ بات تھی اس لیئے اس نے صرف روح کا لفظ استعمال کیا۔ بہرحال یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ مخطوطہ (PALIMPSEST VERSION IN SYRIAC) جو چوتھی یا پانچویں صدی کا لکھا ہوا ہے۔ ۱۸۱۲ عیسوی میں کوہ سینا سے ملا تھا۔ اس کو یہ نام اس لیئے دیا گیا کہ یہ لکھے ہوئے پر لکھا ہوا ہے اور اوپر والا مٹانے سے ابتدائی تحریر ظاہر ہوئی تھی۔ علاوہ اس کے کہ "بولنے اور سُننے" کے لیئے استعمال شدہ یونانی زبان کے الفاظ بار بار خود حضرت مسیح کے وعظ و تقریر وغیرہ میں استعمال کئے گئے ہیں

(یعنی ان کی مادی زندگی کے تعلق سے)، نیز یونانی زبان کے یہ دونوں الفاظ ایک واضح عمل کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو بولنے اور سننے کے اعضا سے تعلق رکھتا ہو۔ اس لئے انہیں روح القدس کے ساتھ ملانا سراسر غلط ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اناجیل میں بے دھڑک تحریف کی گئی، جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہے اور پھر "پلمپسٹس" (PALIMPSEST) کے تو معنی ہی جعلسازی کے ہیں۔ ممکن ہے کہ پیراکلیٹ یا شفیع کے لئے روح یا روح القدس کا لفظ اسی کے متن میں سے لیا گیا ہوگا۔ مزید برآں ابتدائی مسیحی پادریوں کی تعلیم کے مطابق حضرت یسوع مسیح آخری پیغمبر تھے۔ اس لئے انہوں نے کسی بعد میں آنے والے کے متعلق تمام واضح اشارات کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ ورنہ منطق کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یوحنا کا پیراکلیٹ خود حضرت مسیح کی طرح کا انسان ہی ہو سکتا ہے جو سن اور بول سکتا ہو جیسا کہ یوحنا کا یونانی زبان کا بیان اپنے انداز میں صاف دلالت کرتا ہے۔ اس موضوع کے آخر میں قارئین کی دلچسپی کے لئے متعلقہ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو عالمی اناجیل سوسائٹی امریکہ کا اُردو ترجمہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

یوحنا باب ۱۴ فقرہ ۲۶ "لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔" فقرہ ۳۰ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں"۔ باب ۱۵ فقرہ ۲۶ "لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ کی طرف سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" باب ۱۶ فقرہ ۷۔ "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر

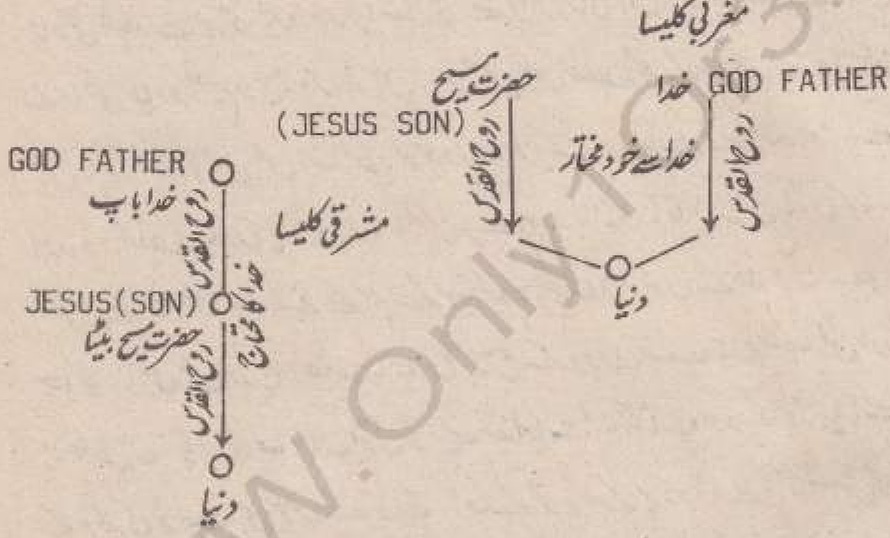
میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا"۔ فقرہ ۱۳ "لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا"۔ مندرجہ پانچ فقرات میں سے دو میں آنے والے کے ساتھ روح یا روح القدس کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ باب ۱۴: ۳۰ میں تو روح القدس کی نفی ہوتی ہے باقی تین آیات میں روح یا روح القدس کے ساتھ "یعنی" کی گردان غور طلب ہے۔ اگر ان فقرات کو ان دو الفاظ (یعنی اور روح القدس یا روح حق) کو نظر انداز کر کے پڑھا جائے تو یہ زیادہ منطقی اور مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ جہاں تک روح القدس کا تعلق ہے وہ تو خود اناجیل کے بقول نہ صرف حضرت مسیح کے مشن کے آغاز سے ہی ان کے اندر موجود تھا۔ بلکہ انہوں نے خود حواریوں کو بھی روح القدس سے تقویت اور برکت دی تھی۔ دیکھیں انجیل متی ۱۶: ۳ - مرقس ۱: ۱۰ - لوقا ۴: ۱، ۳: ۲۲ تا ۱: ۶۷، یوحنا ۲۰: ۲۲، ۱: ۳۲ ان فقرات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح القدس حضرت مسیح کے مشن کے دوران میں ان کے ساتھ مصروف عمل رہا۔ تو اسے مددگار یا پیراکلیٹ جن کے بارے میں مسیح نے اپنے بعد کسی وقت آنے کی پیشگوئی کی کے ہم معنی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

ایک مسیحی عقیدہ جو دیر تک مشرقی اور مغربی کلیساؤں کے درمیان نزاع کا موضوع بنا رہا۔ وہ تھا روح القدس کے مصدر کا مسئلہ۔ مغربی کہتے تھے کہ کہ روح القدس کا منبع خدا اور یسوع مسیح دونوں بیک وقت ہیں۔

FLOW FROM BOTH.   GOD AND JESUS SIMULTANEOUSLY.

FLOW FROM FATHER TO SON.

اور مشرقی کہتے تھے کہ وہ خدا سے چل کر حضرت مسیح تک آتا ہے۔ اس کا خاکہ کچھ اس طرح بنتا ہے۔



ان ناقابلِ تردید حقائق کی روشنی میں انصاف اور سنجیدگی کا تقاضا یہ ہے کہ مذکورہ پانچ فقرات میں حضرت مسیح نے اپنے بعد جس مددگار (PARACELETE) کے آنے کی بشارت دی تھی اور جن کے بارے میں وہ کہتے ہیں" میں نہیں جاؤں گا تو وہ نہیں آئے گا۔ ان کا واضح اشارہ بعد میں آنے والے پیغمبر کی طرف تھا۔ جسے خود پسند پادریوں نے جان بوجھ کر روح القدس کے لفظ کا اضافہ کر کے دھندلانے کی کوشش کی۔ جب کہ اوپر بیان کئے گئے حقائق سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یوحنا کی انجیل میں پیراکلیٹ یا مددگار کے ساتھ روح یا روح القدس کا لفظ غیر متعلق اور اضافی ہے اور یہ کہ باقی تینوں اناجیل سے یہ اہم ابواب بالکل حذف ہی کر دیئے گئے ہیں۔

"اناجیل میں بار بار ترامیم کی گئیں"

سابقہ ابواب میں بہت ہی محترم اور چوٹی کے کئی مسیحی شارحین (EXEGATES) کنٹرڈ کلیسا کے اس مؤقف کو جو ۶۳/۱۹۶۲ کی ویٹیکن کونسل نے اختیار کیا کہ اناجیل تاریخی شہادت پر مبنی ہیں اور دیانتداری سے ہمیں بتاتی ہیں۔ جو کچھ حضرت مسیح نے واقعی کیا اور تعلیم دی" رد کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف قسم کے دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً خود اناجیل میں ایسا مواد موجود ہے جو ایک دوسرے سے متصادم ہے اور دو مختلف باتوں پر یقین کرنا ناممکن ہے۔ اور نہ ایسی ناقابل یقین باتوں کو ماننا ممکن ہے جو موجودہ زمانے کے علم کے مہیا کردہ ٹھوس اصولوں کے خلاف ہے۔ چنانچہ اناجیل میں درج حضرت یسوع مسیح کے دونوں نسب نامے فیصلہ کن طور پر غلط ہیں۔ پادری صاحبان اوّل تو ایسے تضادات" ناممکنات اور بے جوڑ بیانات کے ذکر کی نوبت ہی نہیں آنے دیتے۔ آجائے تو یہ کہہ کر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہاں اناجیل میں بعض" مشکلات" پائی جاتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ تھوڑے سے حصوں کا" غیر مصدقہ" ہونا تسلیم کیا جاتا ہے پھر بھی کلیسا انہیں صحیح (CANONIC) تسلیم کرتا ہے۔

کیتھولک بائیبل سکول پیرس کے پادری کینن گائزر نے شرح کے طریقوں میں یہ کہہ کر انقلاب برپا کر دیا ہے کہ اناجیل میں مرقوم حضرت مسیح کے بارے میں معلومات لغوی معنوں میں نہیں لی جانی چاہئیں۔ کیونکہ وہ ایک خاص موقعے کی مناسبت سے لکھی گئی تھیں۔ یا مخالفانہ (COMBAT) تحریریں تھیں۔ موجودہ تحقیق سے شروع کے" یہودی مسیحیوں" اور غیر یہودی مسیحیوں (GENTILES) کے اندر فرقوں اور مخاصمتوں کا پتہ چلتا ہے۔ جو اناجیل میں پائے جانے والے فرق کی وجہ ہو سکتا ہے اور جو آج کل کے مسیحیوں کی پریشانی کا باعث ہے۔ چشم دید لوگوں کی تحریر کا دعویٰ بھی صحیح نہیں، گو کہ بہت سے مسیحی اب بھی یہی سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں بائیبل سکول

یروشلم کے پادری "بنی اوٹ" (BENIOT) اور "بوسمارڈ" (BOISMARD) واضح طور پر بتاتے ہیں کہ "اناجیل بار بار لکھی گئیں۔ ان پر نظرثانی کی گئی اور انہیں درست کیا گیا۔"

"GOSPELS WERE WRITTEN, REVISED AND "CORRECTED" SEVERAL TIMES."

حضرت یسوع مسیح کی دنیاوی زندگی کی حقیقت بہر حال اپنی جگہ پر ہے لیکن بہت سے اور تاریخی واقعات کی طرح ان کی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں لکھنے والوں نے ایسا ایسا افسانوی رنگ دیا ہے کہ آج ہم مسیحیت کی بنیادی تعلیم اور عقائد کے بارے میں خود بانی کے حوالے سے وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ حال ہی (۱۹۸۰) میں شائع ہونے والی کتاب "عرفانی انجیل" "GNOSTICS BIBLE" کی مصنفہ "ایلین پیجل" (ELAINE PAGEL) نے اس میں سے کوئی حوالہ یا اقتباس لینے سے منع کر دیا ہے۔ اس ممانعت کو تسلیم کرتے ہوئے ہم بی بی سی لندن کو نقل کرتے ہیں جس نے پروگرام "انتخاب کتب" (BOOK CHOICE) میں مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۸۰ء کو اس کتاب کے اقتباسات نشر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "یہ کتاب قبطی زبان کے ان صحیفوں پر مبنی ہے جو مصر کے مقام ناگ حمادی میں ۱۹۴۵ء میں ملے تھے۔ اور جو پندرہ صدیاں پرانے ہیں جن کے مطابق حضرت یسوع مسیح کے "مریم میگدلینی" (MARY MAGDELINE) کے ساتھ جنسی (EROTIC) تعلقات تھے (نعوذ باللہ) اور حضرت موصوف کا ایک جڑواں بھائی بھی تھا۔ اور وہ بظاہر ۳۰ نہیں بلکہ ۵۰ سال کی عمر میں مصلوب ہوئے تھے بظاہر اس لیئے کہ ان کے حواریوں کے خیال میں وہ عام انسان کی بجائے صرف ایک ہیولہ یا بھوت APPARITION تھے۔"

کس کی بات مانیئے اور کس کی کا یقین کیجئے؟ ایسے پس منظر میں شک کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ انجیل ایسی کتابوں کی لائبریری ہے جنہیں مصنفوں نے پوری آزادی کے

ساتھ موقع محل کی مناسبت، فرقے کے تقاضے اور اپنی صوابدید کے مطابق لکھا۔ اس میں الہام کو کیا دخل ہو سکتا ہے؟

نئے عہد نامے (NEW TESTAMENT) کے بعض حصوں کا جائزہ

اس بات سے تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب یا صحیفہ موجود نہیں جس کے مصنف یا محرک خود حضرت یسوع مسیح ہوں۔ ان کی زندگی کے واقعات دوسرے نہیں بلکہ تیسرے اور اس کے بھی بعد کے حوالوں سے ہم تک پہنچے ہیں اور وہ بھی ایسے کہ مختلف فرقوں کے اپنے اپنے ذہنی تحفظات تھے جو وسیع اور ناقابلِ عبور اختلافات کا موجب بنے۔ شروع میں صحائف کی بنیادی زبان یونانی تھی۔ تاہم اس بات کی علامات بھی ملتی ہیں کہ یہ قبطی، عبرانی، شامی اور ارامی ARAMAIC زبانوں میں بھی لکھی گئی تھیں۔ چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں یہ حالت تھی کہ ہر گرجا کی اپنی انجیل تھی اور ہر انجیل دوسری سے مختلف تھی۔ اس صورتحال کو درست کرنے کے لیئے چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں پوپ نے "سینٹ جیروم" (ST. JEROME) کو مقرر کیا جنہوں نے کئی سال کی محنت اور قطع برید کے بعد لاطینی زبان میں انجیل کا ایک نیا متن تیار کیا جو کوڈکس وٹیکانس CODEX VATICANUS کے نام سے مشہور ہوا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے (کہتے ہیں سینٹ جیروم (ST. JEROME) کی جوانی کی عمر بد چلنی میں گزری تھی۔ "برٹانیکا") اور جو آج کل رومن کیتھولک کلیسا کا قدیم ترین اور بنیادی صحیفہ ہے۔ عقیدے، تعلیمات اور اختیارات میں سولہویں صدی عیسوی تک رومن کیتھولک کلیسا کا کوئی قابلِ ذکر مدِ مقابل نہیں تھا۔ اس طویل عرصے میں کلیسا کے رعب اور ہیبت کا یہ عالم تھا کہ عوام کو مذہب پر خفیف سا اعتراض تو کیا ایسا سوال کرنے کی بھی مجال نہ تھی جس سے پادریوں کے نزدیک شک

کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ ایسے لوگوں کو وسیع پیمانے پر انتہائی دردناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ یہ عمل احتساب (INQUISITION) کہلاتا تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

انجیل کا رکھنا، پڑھنا اور اگر وہ چاہیں تو مطلب بیان کرنا صرف پادری صاحبان کی اجارہ داری تھی۔ خلاف ورزی کی سزا انتہائی سنگین تھی۔ کسی قسم کی غیر مذہبی کتاب کا رکھنا بھی عوام کے لئے ممنوع تھا۔ گھر گھر میں میاں بیوی اور بچوں تک کا یہ فرض تھا کہ وہ ان کے درمیان میں ہونے والے واقعات یا گفتگو سے پادری صاحبان کے احکامات کی خلاف ورزی کا اگر کوئی پہلو نکلتا ہو تو فوراً نزدیکی گرجا میں اس کی اطلاع کریں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا تھا یہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے پر پھیلی ہوئی تمام یورپ اور مقبوضات کی روح فرسا داستان ہے۔ جو تطہیر کے باب میں بیان کی گئی ہے۔

باور کیا جاتا ہے کہ حضرت یسوع مسیح ناخواندہ تھے اور ان کی مادری زبان آرامی (ARAMAIC) تھی لیکن کلیسا کے نزدیک لاطینی زبان متبرک ہے۔ جو رومن حکمرانوں کی زبان تھی۔ تراجم کی ممانعت تھی۔ اس حد تک کہ "گلیڈسٹون براٹن" (GLADSTONE BRATTON) کی کتاب "بائیبل کی تاریخ" کے صفحہ نمبر ۱۹۵ کے مطابق انگریزی زبان میں انجیل رکھنا یا پڑھنا قابل تعزیر جرم تھا جس کی سزا موت تھی۔ یہی مصنف صفحہ نمبر ۱۹۷ پر لکھتا ہے کہ جب خود کیتھولک کلیسا نے انجیل کا انگریزی ترجمہ چھپوایا تو دیباچے میں عوام کو خبردار کیا کہ ان کے لیئے انجیل کا استعمال مناسب نہیں۔ انگریزی الفاظ یہ ہیں :-

"THE PREFACE OF ENGLISH CATHOLIC BIBLE INFACT WARNS AGAINST USE OF BIBLE BY COMMON PEOPLE."

انگریزی ترجمے کی جرأت پہلے پہل وکلف (WYCLIFF) نے چودھوی صدی

عیسوی میں کی تھی۔ اسی جرم کی پاداش میں اس کی موت (۱۳۸۴ء) کے تیس سال بعد اس کی لاش کو اس کے زندہ شاگرد ہس HUS کے ساتھ جلا دیا گیا۔ اس کے بعد کے بعض انگریزی تراجم (ان اناجیل) کے نام یہ ہیں۔ جن میں بعض الفاظ و معانی کے تغیر و تبدل کی واضح مثالیں ملتی ہیں۔

WYCLIFF, TYNDALE, GENEVA, KING JAMES, RHEIMS, AUTHORISED VERSION, REVISED AUTHORISED VERSION, AMERICAN STANDARD VERSION, REVISED AMERICAN STANDARD VERSION (RSV), WEYMOUTH, CENTENARY, TWENTIETH CENTURY, MOFFAT, BALLANTINE, BASIC ENGLISH, GOOD SPPED, PHILLIPS AND RIEU ETC.

نئے نئے تراجم اور نظرثانی کا عمل مسلسل جاری ہے۔ اگرچہ انگلش ریڈرز ڈائجسٹ جون ۱۹۶۷ء کے مطابق "انجیل کی جنگ ختم ہوگئی ہے لیکن پھر بھی صلح کی میز پر ترجیحات کے لیے سودے بازی اب بھی جاری ہے" متفقہ انجیل کسی بھی گرجا میں پڑھی جانے کے فیصلے کے باوجود پادری صاحبان کا ویٹو کا حق پھر بھی محفوظ ہے۔ انگریزی اقتباس ملاحظہ ہو۔

EXTRACT FROM ENGLISH READERS DIGEST OF JUNE 1967 "AT LAST ONE BIBLE FOR ALL CHRISTIANS" PAGE 66

ALTHOUGH THE WAR OVER THE BIBLE IS ENDED, THERE IS STILL SOME JOCKEYING FOR POSITION AT PEACE TABLE.

AS A RESULT OF A DECISION TAKEN BY THE AMERICAN CATHOLIC HIERARCHY IN WASHINGTON LAST FALL, THE RSV BIBLE IS TO SHARE BILLING IN THE CATHOLIC

CHURCHES OF AMERICA WITH THE COMPLETED PORTION OF THE COFRATERNITY TRANSLATION, WHICH AMERICAN CATHOLIC BISHOPS HAVE BEEN FINANCING FOR ALMOST 40 YEARS. THE BISHOPS HAVE ALSO GIVEN APPROVAL TO AN ENGLISH ADAPTATION OF THE FRENCH DOMINICAN SCHOLARS' JERSULEM BIBLE. IT OR THE RSV OR THE COFRATERNITY MAY BE READ AT MASS IN ANY DIOCESE OR PARISH, SUBJECT TO THE USUAL RIGHT OF THE BISHOPS OR PASTORS TO VETO

ایک کی بجائے چار اناجیل یعنی متی ، مرقس ، لوقا ، یوحنا کا وجود خود اس بات کا گواہ ہے کہ یہ کسی جھگڑے کی پیداوار ہیں۔ محققین نے اس اجمال کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ ۳۲۵ عیسوی میں رومن بادشاہ کانسٹنٹائن اول نے مسیحیوں کے جھگڑے نمٹانے اور کوئی متفقہ عقیدہ وضع کرنے کے لئے نقایا NICAEA کے مقام پر اکثر پادریوں کو اکٹھا کیا جن کی تعداد تقریباً ۲۰۵۰ بتائی جاتی ہے جن میں سے ۳۱۸ بشپ یا لاٹ پادری تھے جو اس کونسل میں بیٹھے۔ تاریخ میں اسے نقایا کی عالمی مذہبی کونسل (OCCUMENICAL COUNCIL OF NICAEA) کہا جاتا ہے آغاز میں پادریوں نے شاہ کانسٹنٹائن اول کو، جس نے اس کونسل کی صدارت کی۔ ایک دوسرے کے خلاف اس قدر شکایات پیش کیں کہ اچھا خاصا پلندہ بن گیا۔ جسے اس نے جلوا دیا۔ ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ کسی بات پر اتفاق نہیں ہو رہا تھا کہ کسی انجیل پر کہ سینکڑوں میں سے کونسی الہامی ہے۔ اور نہ کسی عقیدے پر کہ کونسا صحیح مانا جائے۔ کہتے ہیں کہ ایسے ہی ایک موقعے پر اس سے پہلے یہودیوں نے بذریعہ ووٹ فیصلہ کیا تھا چنانچہ وہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ سوچنے کی بات ہے

کہ جو انجیلیں رد کر دی گئیں، اگر ان کے حق میں زیادہ ووٹ پڑتے تو آج وہ مسیحی دنیا کا جزوِ ایمان اور الہامی کتابیں کہلاتیں! گویا بقول "تھامس پین" (THOMAS PAINE) کسی کا ووٹ کسی کے ایمان اور الہام کی بنیاد پر بنا! "جیمس ویلارڈ" اپنی کتاب "صحرا کی زیارت" (JAMES WELLARD, "DESERT PILGRIMAGE") کے صفحہ نمبر ۵۷ پر لکھتے ہیں کہ اس بات کا سراغ بھی ملتا ہے کہ ۳۲۵ء میں نقایا میں ہونے والی کونسل کتابوں کی جنگ تھی۔ کوئی تصفیہ نہ ہونے پر جھگڑالو پادریوں نے مقابلے کی تمام انجیلوں کو ایک میز پر رکھ دیا اور اندھیرے میں "دعائیں" مانگنے لگے کہ جو اصلی ہیں وہ میز پر پڑی رہیں باقی نیچے گر جائیں۔ "جو گر گئیں" ان کے حمائتیوں نے نہ گرنے والیوں کے جواز پر اعتراض کیا۔ لیکن وہاں تو سب معاملات شاہ کنسٹنٹائن کی صدارت میں حکماً طے کئے گئے۔ یہ وہی شاہ کنسٹنٹائن اوّل ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسیحیت قبول کرنے والے پہلے رومن بادشاہ تھے۔ حالانکہ اس کے برعکس وزنی شہادتیں ملتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس نے بسترِ مرگ پر یہ کہہ کر بپتسمہ لینے سے انکار کر دیا کہ لوگ کہیں گے موت سے ڈر گیا۔ اور یہ کہ اس کا جانشین بیٹا مسیحی نہیں تھا وغیرہ۔ پھر اس سے قطع نظر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ کیا اپنی بیوی FAUSTA اور بیٹے CRISPUS کا قاتل متذکرہ بالا صدارت کا اہل تھا؟

بہرحال جن اناجیل کو منظوری کی سند ملی ان میں بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ "ہسٹری آف بائیبل" میں "گلیڈسٹون بریٹن" (GLADSTONE BRETTON) کے صفحہ نمبر ۱۲۶ کے مطابق ان میں سے ہم خیال SYNOPTIC تین یعنی متی، مرقس، اور لوقا میں حضرت یسوع مسیح کے مشن کی مدّت میں سے پچاس دن تک بیان کی گئی ہے۔

(لوقا میں متی میں صرف چالیس سے پچاس دن تک کی اور مرقس میں صرف

اکتیس دن کی نشاندہی ہوتی ہے اور موضوعات کا انتخاب بھی کم و بیش تینوں میں یکساں ہے، قدرتی طور پر یہ امر پریشان کن ہے کہ ان کی تمام زندگی میں سے اتنے تھوڑے حصے کا انتخاب کیوں کیا گیا جب کہ ان تینوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشن تقریباً ایک سال جاری رہا۔ یوحنا کی بات بالکل الگ ہے کیونکہ تاریخی اعتبار سے وہ غیر اہم ہے تاہم اس کے مطابق بھی یہ میعاد قریباً دو سال بنتی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تینوں ہم خیال اناجیل میں بجز زیادہ تر پُر اسرار کہانیوں (PARABLES) پر مشتمل ہیں۔ مرقس صرف آٹھ، متی بیس اور لوقا اُنتیس کہانیاں بیان کرتا ہے

بعض دلچسپ اقتباسات

قارئین کی دلچسپی کے لئے انجیل کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ یہ اُردو ترجمہ منی سوٹا ریاستہائے متحدہ امریکہ کے بائی ورلڈ ناشرین کا شائع کردہ ہے۔

انجیل متی یسوع بپتسمہ لے کر فوراً پانی کے پاس سے اوپر گیا اور دیکھو اس کے لئے آسمان کھل گیا اور اس نے خُدا کے روح کو کبوتر کی مانند اُترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔ متی ۴ : ۱-۲ اس وقت روح یسوع کو جنگل میں لے گیا۔ تاکہ ابلیس سے آزمایا جائے۔

متی ۴ : ۸ پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دوں گا۔

متی ۵ : ۹ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے۔

متی ۱۰ : ۳۴-۳۵ یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں صلح کرانے نہیں

بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جُدا کر دوں۔

متی ۱۳ : ۵۵-۵۶ ۔ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں ؟ اور اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب، یوسف، شمعون اور یہودا نہیں ؟

متی ۱۴ : ۲ اور اپنے خادموں سے کہا یہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے۔ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اس لئے اُس سے یہ معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔

متی ۱۵ : ۲۴ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔

متی ۱۶ : ۱۹-۲۰ میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا اور جو کچھ تُو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔ اس وقت اس نے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں مسیح ہوں۔

متی ۱۶ : ۲۲-۲۳ اس پر پطرس اسے حضرت یسوع کو الگ لے جا کر ملامت کرنے لگا۔ کہ اے خداوند خدا نہ کرے یہ تجھ پر ہرگز نہیں آنے کا۔ اس نے پھر کر پطرس سے کہا اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو۔ تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے۔ کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔

متی ۱۶ : ۲۸ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابنِ آدم کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔

متی ۱۹ : ۱۲ کیونکہ بعض خواجہ سرا (ہجڑے) ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعض خواجہ سرا ایسے ہیں جن کو آدمیوں نے خواجہ سرا بنایا اور بعض خواجہ سرا ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہی کے لئے اپنے آپ کو خواجہ سرا بنایا۔

تو جو قبول کر سکتا ہے وہ قبول کرے۔

متی ۲۱ : ۱۸ - ۲۰ اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا اسے بھوک لگی اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس گیا اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پا کر اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا اور کہا کہ یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم سوکھ گیا۔

متی ۲۶ : ۳۴ یسوع نے اس (پطرس) سے کہا میں سچ کہتا ہوں کہ اسی رات مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا۔

متی ۲۶ : ۳۹ - ۴۰ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (موت) مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو گا۔ پھر شاگردوں کے پاس آ کر ان کو سوتے پایا اور پطرس سے کہا کیا تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے؟

متی ۲۶ : ۴۸ - ۵۱ اور اس کے پکڑوانے والے نے ان کو یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے۔ اسے پکڑ لینا اور فوراً اس نے یسوع کے پاس آ کر کہا، اے ربی سلام، اور اس کے بوسے لیئے۔ یسوع نے اس سے کہا میاں جس کام کو آیا ہے وہ کر لے۔ اس پر انہوں نے پاس آ کر یسوع پر ہاتھ ڈالا اور اسے پکڑ لیا۔ اور دیکھو یسوع کے ساتھیوں میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر اپنی تلوار کھینچی اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اس کا کان کاٹ لیا۔

متی ۲۶ : ۵۶ مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں۔ اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

متی ۲۶ : ۶۷ - ۶۸ اس پر انہوں نے اس کے منہ پر تھوکا اور اس کے مکے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا۔ اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا۔

متی ۲۶ : ۷۴ اس پر وہ (پطرس) لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی (یسوع) کو نہیں جانتا۔

متی ۲۷ : ۴۵ - ۵۳ اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر ایلی ایلی لما شبقتنی۔ یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور سپنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چُسایا مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو ایلیا اسے بچانے کے لئے آتا ہے یا نہیں؟ یسوع نے پھر بڑی آواز میں چلّا کر جان دے دی اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اُٹھے۔ اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔

متی ۲۸ : ۱۲ - ۱۳ - ۱۵ اور انہوں نے بزرگوں کے ساتھ جمع ہو کر مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بہت سا روپیہ دے کر کہا۔ یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے اس کے شاگرد آ کر اسے چرا لے گئے۔ پس انہوں نے تو روپیہ لے کر جیسا سکھایا گیا تھا ویسا ہی کیا اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے۔

مرقس کی انجیل

مرقس ۱ : ۱۰ - ۱۵ اور جب وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اس نے آسمان کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اُترتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں اور فی الفور اسے روح نے بیابان میں

بھیج دیا۔ اور وہ بیابان میں چالیس دن تک شیطان سے آزمایا گیا اور جنگلی جانوروں کے ساتھ رہا کیا اور فرشتے اس کی خدمت کرتے رہے۔ پھر یوحنا کے پکڑوائے جانے کے بعد یسوع نے گلیل میں آکر خدا کی خوشخبری کی منادی کی اور کہا کہ وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ توبہ کرو اور خوشخبری پر ایمان لاؤ۔

مرقس ۴ : ۱۱-۱۳ اس نے ان سے کہا کہ تم کو خدا کی بادشاہی کا بھید دیا گیا ہے۔ مگر ان کے لئے جو باہر ہیں سب باتیں تمثیلوں PARABLES میں ہوتی ہے۔ تاکہ وہ دیکھتے ہوئے دیکھیں اور معلوم نہ کریں اور سنتے ہوئے سنیں اور نہ سمجھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں اور معافی پائیں۔ پھر اس نے ان سے کہا کہ تم کیا یہ تمثیل نہیں سمجھے۔ پھر سب تمثیلوں کو کیوں کر سمجھو گے۔

مرقس ۶ : ۱۶ مگر ہیرودیس نے سن کر کہا کہ یوحنا جس کا سر میں نے کٹوایا وہی جی اٹھا ہے۔

مرقس ۸ : ۱۱-۱۳ پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے۔ اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا۔ اس زمانے کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں ؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔

مرقس ۹ ، ۳۴ وہ چپ رہے کیوں کہ انہوں نے راہ میں ایک دوسرے سے بحث کی تھی کہ بڑا کون ہے ؟

مرقس ۱۰ : ۱۱-۱۲ اس نے کہا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے تو دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔

مرقس ۱۱ ؛ ۱۲ ، ۱۴ انجیر کا درخت جسے بد دعا دی۔

مرقس ۱۱ : ۲۰ - ۲۱ بددعا سے سوکھا ہوا انجیر کا درخت۔

مرقس ۱۴ : ۵۰ اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مرقس ۱۴ : ۷۱ پھر وہ لعنت کرنے لگا اور قسم کھانے لگا کہ جس کا تم ذکر کرتے ہو نہیں جانتا۔

مرقس ۱۵ : ۳۳ - ۳۴ جب دوپہر ہوئی تو تمام ملک میں اندھیرا چھا گیا اور تیسرے پہر تک رہا اور تیسرے پہر کو یسوع بڑی آواز سے چلایا۔ الوہی الوہی لما شبقتنی جس کا ترجمہ' اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

مرقس ۱۵ : ۳۷ اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ دو ٹکڑے ہو گیا۔

انجیل لوقا

لوقا ۳ : ۲۳ جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریباً تیس برس کا تھا۔ یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا۔

لوقا ۹ : ۲۰ - ۲۲ اس نے ان سے کہا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں کہا کہ خدا کا مسیح۔ اس نے ان کو تاکید کر کے حکم دیا کہ یہ کسی سے نہ کہنا۔

لوقا ۱۲ : ۴۹ - ۵۳ میں زمین پر آگ بھڑکانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔ لیکن مجھے ایک بپتسمہ لینا ہے۔ اور جب تک وہ نہ ہو لے میں بہت ہی تنگ رہوں گا۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں نہیں بلکہ جدائی کرانے۔ کیونکہ اب سے ایک گھر میں پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں گے۔ دو سے تین اور تین سے دو۔ باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا اور بیٹا باپ سے۔ ماں بیٹی سے اور بیٹی ماں سے۔ ساس بہو سے اور بہو ساس سے۔

لوقا ۲۲ : ۳۶-۳۸ اس نے ان سے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو وہ لے لے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے ۔ انہوں نے کہا اے خداوند دیکھ یہاں دو تلواریں ہیں ۔ اس نے ان سے کہا بہت ہیں ۔

لوقا ۲۲ : ۴۴ پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا کرنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا ۔

لوقا ۲۳ : ۴۴-۴۶ پھر دوپہر کے قریب سے تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور سورج کی روشنی جاتی رہی اور مقدس کا پردہ بیچ سے پھٹ گیا پھر یسوع نے بڑی آواز میں پکار کر کہا ۔ اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دے دیا ۔

لوقا ۲۴ : ۵۲-۵۳ وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے اور ہر وقت ہیکل میں حاضر ہو کر خدا کی حمد کیا کرتے تھے ۔

یوحنا کی انجیل

یوحنا ۱ : ۱۹-۲۲ اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کے لئے اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے ؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں ۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے ۔ کیا تو ایلیاہ ہے ؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں ۔ کیا تو نبی ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں ۔

یوحنا ۳ : ۱۸ ۔ جو اس پر ایمان لاتا ہے اس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا ۔ جو اس پر ایمان نہیں لاتا اس پر سزا کا حکم ہو چکا ۔ اس لئے کہ وہ خدا کے اکلوتے بیٹے پر ایمان نہیں لایا ۔

یوحنا ۶ : ۵۲ - ۵۵ پس یہودی یہ کہہ کر آپس میں جھگڑنے لگے کہ یہ شخص اپنا گوشت ہمیں کیونکر کھانے کو دے سکتا ہے۔ یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک تم ابن آدم کا گوشت نہ کھاؤ اور اس کا خون نہ پیو تم میں زندگی نہیں۔ جو میرا گوشت کھاتا اور خون پیتا ہے ہمیشہ کی زندگی اس کی ہے اور میں اسے آخری دن پھر زندہ کروں گا۔ کیونکہ میرا گوشت فی الحقیقت کھانے کی چیز اور میرا خون فی الحقیقت پینے کی چیز ہے۔

یوحنا ۷ : ۴ - ۶ کیوں کہ ایسا کوئی نہیں جو مشہور ہونا چاہے اور چھپ کر کام کرے۔ اگر تو یہ کام کرتا ہے تو اپنے آپ کو دنیا پر ظاہر کر۔ کیونکہ اس کے بھائی بھی اس پر ایمان نہ لائے تھے۔

یوحنا ۸ : ۱۳ فریسیوں نے اس سے کہا تو اپنی گواہی آپ دیتا ہے۔ تیری گواہی سچی نہیں۔

یوحنا ۱۳ : ۵ اس کے بعد برتن میں پانی ڈال کر شاگردوں کے پاؤں دھوئے اور جو رومال کمر سے باندھا تھا اس سے پونچھنے شروع کئے۔

یوحنا ۱۴ : ۱۶ - ۳۰ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (PARACLETE) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔

یوحنا ۱۹ : ۱۱ یسوع نے اسے جواب دیا کہ اگر تجھے اوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا۔ اس سبب سے جس نے مجھے (یوحنا ۱۹ : ۳۵) تیرے حوالے کیا اس کا گناہ زیادہ ہے۔

یوحنا ۲۰ : ۱۷ یسوع نے اس سے کہا مجھے نہ چھو۔ کیونکہ میں اب تک باپ

کے پاس اوپر نہیں گیا۔ لیکن میرے بھائیوں کے پاس جاکر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔

اعمال

۸ : ۱ اور ساؤل (پال) اس کے (ستیفن) کے قتل پر راضی تھا۔

۹ : ۱ - ۱۰ اور ساؤل جو ابھی خداوند کے شاگردوں کو دھمکانے اور قتل کرنے کی دھن میں تھا۔ سردار کاہن کے پاس گیا۔ اور اس سے دمشق کے عبادت خانوں کے لئے اس مضمون کے خط مانگے کہ جن کو وہ اس طریق پر پائے خواہ مرد خواہ عورت ان کو باندھ کر یروشلم لائے۔ جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے پاس پہنچا تو ایسا ہُوا کہ یکایک آسمان سے ایک نُور اس کے گرداگرد آ چمکا، اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اور یہ آواز سُنی کہ اے ساؤل اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ اس نے پوچھا اے خداوند تو کون ہے؟ اس نے کہا میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔ مگر اُٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہیئے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔ جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے کیونکہ آواز تو سُنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے اور ساؤل زمین پر سے اُٹھا مگر جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ نہ دکھائی دیا اور لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے۔ اور وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا اور نہ اس نے کھایا نہ پیا۔

۹ : ۱۷ - ۱۸ پس حنانیاہ جاکر اس گھر میں داخل ہو کر اپنے ہاتھ اس پر رکھ کر کہا اے بھائی ساؤل خداوند یعنی یسوع جو تجھ پر اس راہ میں جس سے تو آیا ظاہر ہوا تھا اسی نے مجھے بھیجا ہے کہ تو بینائی پائے اور روح القدس سے بھر جائے اور فوراً اس کی آنکھوں سے چھلکے گرے اور وہ بینا ہو گیا۔ اور اُٹھ کر بپتسمہ لیا۔

۹ : ۲۲ لیکن ساؤل کو اور بھی قوت حاصل ہوتی گئی اور وہ اس بات کو ثابت کر کے کہ مسیح یہی ہے۔ دمشق کے رہنے والے یہودیوں کو حیرت دلاتا رہا۔

۹ : ۲۶ اس نے یروشلم پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی۔ اور سب اس سے ڈرتے تھے۔ کیونکہ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے۔

۱۵ : ۵ مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے ان میں سے بعض نے اُٹھ کر کہا ان کا ختنہ کرانا اور ان کو موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حُکم دینا ضروری ہے۔

۲۲ : ۴ چنانچہ میں نے مردوں اور عورتوں کو باندھ باندھ کر اور قید خانے میں ڈال ڈال کر مسیحی طریق والوں کو یہاں تک ستایا کہ مروا بھی ڈالا۔

۲۴ : ۱۷ بہت برسوں کے بعد میں اپنی قوم کو خیرات پہنچانے اور نذریں چڑھانے آیا تھا۔

رومیوں کے نام پولس کا خط

۳ : ۲۸ چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہرتا ہے۔

۴ : ۱۴- ۱۵ کیونکہ اگر شریعت والے ہی وارث ہوں تو ایمان بے فائدہ رہا۔ اور وعدہ لاحاصل ٹھہرا۔ کیونکہ شریعت تو غضب پیدا کرتی ہے اور جہاں شریعت نہیں وہاں حکم عدولی نہیں۔

۵ : ۱۳ کیونکہ شریعت دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا۔ مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا۔

۸ : ۱ پس اب جو یسوع مسیح میں ہیں (یعنی عیسائی ہیں)، ان پر سزا کا حکم نہیں۔

کرنتھیوں کے نام پال کا خط

۱ : ۱۸-۱۹ کیونکہ صلیب کا پیغام ہلاک ہونے والوں کے نزدیک تو بے وقوفی ہے مگر ہم نجات پانے والوں کے نزدیک خدا کی قدرت ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ میں حکیموں کی حکمت نیست، اور عقلمندوں کی عقل کو رد کردوں گا۔

۱ : ۲۵ کیونکہ خدا کی بے وقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے۔

۳ : ۱۹ کیونکہ دنیا کی حکمت خدا کے نزدیک بے وقوفی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ وہ حکیموں کو ان ہی کی چالاکی میں پھنسا دیتا ہے۔

۵ : ۵ جسم کی ہلاکت کے لیئے شیطان کے حوالے کیا جائے تاکہ اس کی روح خداوند یسوع کے دن نجات پائے۔

۶ : ۱۲ سب چیزیں میرے لیئے روا تو ہیں مگر سب چیزیں مفید نہیں۔ سب چیزیں میرے لیئے روا تو ہیں لیکن میں کسی چیز کا پابند نہ ہوں گا۔

۹ : ۲۰ - ۲۱ میں یہودیوں کے لیئے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں۔ جو لوگ شریعت کے ماتحت ہیں ان کے لیئے شریعت کے ماتحت ہوا۔ تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو کھینچ لاؤں۔ اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہ تھا۔ (عجب اخلاق ہے)

۱۵ : ۹ میں رسولوں میں سب سے چھوٹا ہوں بلکہ رسول کہلانے کے لائق نہیں۔ اس لیئے کہ میں نے خدا کی کلیسا کو ستایا تھا۔

۱۵ : ۳۹ سب گوشت یکساں گوشت نہیں بلکہ آدمیوں کا گوشت اور ہے چوپایوں کا گوشت اور۔ اور پرندوں کا گوشت اور ہے مچھلیوں کا اور۔

کرنتھیوں کے نام پال رسول کا دوسرا خط

۲ : ۱۰ جسے تم معاف کرتے ہو اسے میں بھی معاف کرتا ہوں۔ کیونکہ جو کچھ میں نے معاف کیا اگر کیا تو مسیح کا قائمقام ہو کر تمہاری خاطر معاف کیا۔

۱۲ : ۷ اور مکاشفوں کی زیادتی کے باعث میرے پھول جانے کے اندیشے سے میرے جسم میں کانٹا چبھویا گیا۔ یعنی شیطان کا قاصد۔ تاکہ میرے مکے مارے اور میں پھول نہ جاؤں۔

گلتیوں کے نام پال کا خط

۱ : ۶ - ۷ میں تعجب کرتا ہوں کہ جس نے تمہیں مسیح کے فضل سے بلایا۔ اس سے تم اس قدر جلد پھر کر کسی اور طرح کی خوشخبری کی طرف مائل ہونے لگے۔ مگر وہ دوسری نہیں البتہ بعض ایسے ہیں جو تمہیں گھبرا دیتے ہیں اور مسیح کی خوشخبری کو بگاڑنا چاہتے ہیں۔

۲ : ۱۳ اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی۔ یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔

پطرس کا پہلا عام خط

۳ : ۱۸ - ۲۰ اس لئے کہ مسیح نے بھی یعنی راستباز نے ناراستوں کے لئے گناہوں کے باعث ایک بار دکھ اٹھایا تاکہ ہم کو خدا کے پاس پہنچائے۔ وہ

جسم کے اعتبار سے تو مارا گیا لیکن روح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا۔ اسی میں اس نے جا کر ان قیدی روحوں میں منادی کی۔ جو اگلے وقتوں میں نافرمان تھیں۔ جب خدا نوح کے وقت میں تحمل کر کے ٹھہرا رہا تھا۔ اور وہ کشتی تیار ہو رہی تھی جس پر سوار ہو کر تھوڑے سے آدمی یعنی آٹھ جانیں پانی کے وسیلہ سے بچیں۔

یوحنا کا پہلا خط

۳-۵ تم جانتے ہو کہ وہ اس لئے ظاہر ہوا تھا کہ گناہوں کو اٹھا لے جائے۔

یوحنا کا تیسرا خط

۹ ، ۱۰-۱ میں نے کلیسا کو لکھا تھا مگر دیترفیس جو ان میں بڑا بننا چاہتا ہے ہمیں قبول نہیں۔ پس جب میں آؤں گا تو اس کے کاموں کو جو وہ کر رہا ہے یاد دلاؤں گا کہ ہمارے حق میں بری باتیں بکتا ہے اور ان پر قناعت نہ کر کے خود بھی بھائیوں کو قبول نہیں کرتا۔ اور جو قبول کرنا چاہتے ہیں ان کو بھی منع کرتا ہے اور کلیسا سے نکال دیتا ہے۔

انجیل سے اقتباسات پر ایک نظر

انجیل کے انگریزی ترجمے کے کیتھولک ناشرین نے جائز طور پر قارئین کو خبردار کیا ہے کہ "عام آدمی کے لئے اسے پڑھنا مناسب نہیں" عام مبصرین کے خیال میں بھی انجیل کا پڑھنا ذہنی الجھاؤ اور پریشانی کا باعث بنتا ہے اور اگر کوئی ان میں سے زندگی کے معمولات کے لئے رہنمائی یا لائحہ عمل کا متلاشی ہو تو کارِ لاحاصل ہو گا۔ تحریر کا انداز اور معیار معمولی سا ہے جو کوئی بھی لکھ سکتا ہے

نہ تو روح کو آسودگی دینے والی کوئی بات ہے نہ ہی مضامین میں کوئی وسعت اور گہرائی۔ دراں حالانکہ مسیحی مبلغین حضرت یسوع کو بطور امن و آشتی کا پیامبر (PRINCE OF PEACE) کے پیش کرتے ہیں۔ اناجیل صریحاً اس دعوے کی نفی کرتی ہیں۔ کون سچا ہے؟ یہ معلوم کرنے کے لئے ایک بار پھر ہم اوپر دیئے گئے اقتباسات سے رجوع کرتے ہیں۔ تو یہ پریشان کن صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ دعوے کے مطابق خدا کا بیٹا ہونے اور کبوتر کی شکل میں روح یا روح القدس سے مزید تقویت پانے کے باوجود شیطان کو دھتکار دینے کی بجائے اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں جو انہیں اونچے پہاڑ پر لے جا کر سب سلطنتوں کی شان و شوکت دکھا کر ان کے عوض سجدہ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور چالیس دن تک صحرا میں ورغلاتا رہتا ہے۔ قاری انجیل کے اس بیان اور نقایا اور اتھنز کے ایمانی کلمات پڑھنے کے بعد جو ذہنی پریشانی محسوس کر سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ان بنیادی کلمات (CREED) میں خدا کی یوں تعریف کی گئی ہے کہ وہ ایک سہ پہلو کائی ہے جو باپ خدا، خدا کے بیٹے اور روح القدس پر یکساں مشتمل ہے۔ چیمبرس انسائیکلوپیڈیا کے انگریزی الفاظ یہ ہیں۔

TRINITY

THE FATHER IT IS EMPHASIZED, IS IN NO SENSE THE SOURCE OF GOD HEAD IN TRINITY, AND EVERY ATTRIBUTE APPLIED TO ANY ONE OF THE PERSONS IS EQUALLY APPLICABLE TO ALL THREE.

(CHAMBERS ENCYCLOPAEDIA)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیطان چالیس دن تک خدا (تثلیث میں سے ایک یعنی حضرت یسوع) کو ورغلاتا رہا۔

"عقیدے کے کلمات (CREED) کی بھی عجیب کہانی ہے۔ کہتے ہیں شروع کی ایک دو صدیوں تک یہ صرف "یسوع مسیح آقا (LORD) ہیں"۔ تک محدود تھے۔ پھر "یسوع مسیح خدا کے بیٹے ہیں" بنے اور آہستہ آہستہ انجیلوں کی طرح سینکڑوں اقسام تک پہنچ گئے۔ خدا کے بیٹے کا ذکر خود اناجیل میں مجازی طور پر ہوا ہے۔ جو اس سے پہلے یہودی دور میں بھی ہوتا رہا۔ مثلاً پیغمبر عزیر کو یہودی خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہ تثلیث اور خدا کی نئی تعریف تیسری اور چوتھی صدی عیسوی کے پادریوں کی اختراع ہے۔ جسے موقع پرستوں نے وضع کر کے قسطنطین اوّل کے حکم کے ذریعے منوا کر جزوِ ایمان بنا دیا۔ جس کے پڑھنے کے دوران میں اختلاف کرنے والوں اور غیر مذاہب کو بُرا بھلا (ANATHMA) بھی کہا جاتا ہے۔ جو حال ہی میں بند کیا گیا ہے اس نقایا کی کونسل میں ایمان کے کلمات (NICENE CREED) اس طرح ہیں۔ "میں ایمان لایا ایک خدا پر جو باپ ہے قادرِ مطلق ہے۔ تمام ظاہر و باطن چیزوں کا خالق ہے۔ اور ایک آقا LORD یسوع مسیح پر جو خدا کا بیٹا ہے اور باپ سے پیدا ہونے والا اکیلا ہے۔ جو باپ کے عنصر سے ہے۔ خدا سے خدا، روشنی سے روشنی، سچے خدا سے سچا خدا، پیدا ہوا نہ بنایا گیا باپ کے سے عنصر سے۔ جس کے ذریعے سے زمین و آسمان کی تمام چیزیں بنائی گئیں جو ہم انسانوں کی نجات کے لئے نیچے آیا۔ گوشت کا آدمی بنا، تکلیفیں اٹھائیں اور تیسرے دن پھر جی اُٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ زندوں اور مُردوں کا محاسبہ کرنے آئے گا۔ اور ایمان لایا روح القدس پر"۔ اس کے بعد نہ ماننے والوں کو گالیوں کی بوچھاڑ۔ انگریزی الفاظ یہ ہیں۔

<u>NICENE CREED</u> WE BELIEVE IN ONE GOD. THE FATHER, ALMIGHTY-MAKER OF ALL THINGS VISIBLE AND

INVISIBLE; AND IN ONE LORD JESUS CHRIST. THE SON OF GOD, BEGOTTON OF THE FATHER. GOD FROM GOD. LIGHT FROM LIGHT, TRUE GOD FROM TRUE GOD, BEGOTTON NOT MADE OF ONE SUBSTANCE WITH THE FATHER, THROUGH WHOM ALL THINGS WERE MADE, BOTH THINGS IN HEAVEN AND THINGS ON EARTH. WHO FOR US MEN AND FOR OUR SALVATION CAME DOWN AND TOOK FLESH AND BECAME MAN, SUFFERED AND ROSE AGAIN THE THIRD DAY, ASCENDED TO HEAVEN, WILL COME TO JUDGE LIVING AND DEAD, AND IN THE HOLY GHOST. A STRING OF ANATHEMA FOLLOWED.

متی کے باب ۵ فقرہ ۹ میں حضرت مسیح فرماتے ہیں "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں. کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" (خدا کے بیٹے کی اصطلاح قابلِ غور ہے) لیکن اسی انجیل (متی) کے باب ۱۰ کے فقرہ ۳۵ - ۳۴ میں فرماتے ہیں: "یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں. صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں. کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں". ایسے کھلے تضادات کو ایمان کے تقدس کے ساتھ شاید صرف انجیل جیسی کتاب میں ہی جگہ مل سکتی ہے. متی کے باب ۱۴ کے فقرہ نمبر ۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دلعزیز شہیدوں کے جی اُٹھنے کا تصور حضرت عیسٰے کے مصلوب ہونے سے پہلے بھی موجود تھا. اور بعض لوگ فرطِ جذبات میں ایسی باتیں کہہ دیا کرتے تھے متی کے باب ۱۶ کے فقرہ ۲۰ - ۱۹ ناقدین کے مطابق بعد کی اضافہ شدہ ہیں. جو عوام کی زندگیوں پر پادری صاحبان کے مکمل اختیار کی سند کے طور پر استعمال کی گئیں

متی کے اسی باب کے فقرہ ۲۳-۲۲ میں آقا اور شاگردوں کے درمیان عقیدت اور ادب کی عجیب مثال دی گئی ہے کہ شاگرد "پطرس" (PETER) حضرت مسیح کے مشن کی عین آخری حد تک نہ صرف بے یقینی اور تذبذب کا مظہر ہے بلکہ سوئے ادب سے انہیں ملامت (REBUKE) کرنے کی بھی جرأت کرتا ہے۔ متی ہی کے باب ۲۶ کے فقرے ۳۴ ایسے واقعے سے متعلق ہے جو مصلوب ہونے سے تھوڑی ہی دیر پہلے پیش آیا۔ اس میں خود "پطرس" کے استفسار پر کہ اس کا ایمان کیسا ہے۔ حضرت مسیح جواب میں شیطان کے القاب سے نوازتے ہیں اور فرماتے ہیں "تو صبح ہونے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا پھر بھی مسیحی دنیا کے نزدیک یہی "پطرس" مسیحیت کا بہت بڑا ستون ہے بلکہ بارہ میں سے وہ واحد حواری ہے جس کا تعلق شروع کی مسیحیت سے ملتا ہے، جسے بعد میں رد کر دیا گیا۔ متی کے باب ۱۶ کے فقرہ ۲۸ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ حضرت یسوع مسیح کے دوبارہ اس دنیا میں آکر خدا کی بادشاہی قائم کرنے کا عمل بعض اس وقت موجود لوگوں کی زندگی میں وقوع پذیر ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا! متی کے باب ۱۹ کے فقرہ ۱۲ میں خدا کی راہ میں ہجڑہ بننے کی سفارش کی گئی ہے۔

متی کے باب ۲۱ کے فقرہ ۱۸ : ۲۰ میں اس بے قصور انجیر کے درخت کا ذکر ہے۔ جس پر پھل نہ پاکر حضرت مسیح نے بد دعا دے کر سکھا دیا۔ اتنے بڑے بڑے معجزات کے مظہر اگر چاہتے تو بے موسم کا پھل بھی لگ جاتا۔ اور یہ ایک معمولی نوعیت کا معجزہ ہوتا۔ اس کی بجائے درخت جیسی معصوم اور بے ضرر چیز کو بد دعا دینا کون سا سبق سکھاتا ہے؟ اور وہ بھی امن اور محبت کے پیغمبر کے ہاتھوں۔ بہر حال یہ واقعہ بھی انجیل کی زینت ہے۔ جس کی حواریوں نے ایک دوسری جگہ یہ کہہ کر دوبارہ تصدیق کی ہے کہ "آقا وہ دیکھئے انجیر کا سوکھا درخت جسے آپ نے بد دعا دی تھی"۔

متی کے باب ۲۶ کے فقرہ ۳۹ تا ۴۰ میں مسیح کی بے چینی اور کرب (PASSION OF CHRIST) کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جس کے دوران میں لوقا کے باب ۲۲ کے فقرہ ۴۴ کے مطابق ان کا خون پسینے کی طرح بہہ نکلا جب کہ وہ خدا سے التجا کر رہے تھے کہ آنے والی موت ان سے ٹل جائے۔ اس واقعہ کو مسیحیت کے اس بنیادی عقیدے "کفارہ" (REDEMPTION) سے ملا کر دیکھئے جس کے مطابق خدا نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بنی نوع انسان کی نجات کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دی۔ کیا مسیح کی دعائیں اور التجائیں اس عقیدے کی نفی نہیں کرتیں؟ پھر اسی حالت میں وہ اپنے پاس ہی موجود شاگردوں کو سوتا پا کر گلہ کرتے ہیں کہ وہ کیوں فریاد میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتے اور خاص طور پر پطرس سے کہتے ہیں "تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے"۔ جس کے فوراً بعد ان کے گرفتار ہوتے ہی بارہ کے بارہ انہیں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ گیارہ شاگردوں کو (جنہیں بعد میں نہ جانے کس بنیاد پر رسول یا (APOSTLE) بنا دیا گیا) تو مسیحیت میں کوئی مقام نہیں ملا، لیکن جسے کسی قدر ملا۔ یعنی پطرس کو، اس کی وفاداری اور عقیدت کی عین آخری وقت تک یہ کیفیت ہو تو اسے کیا کہیئے؟

متی کے باب ۲۶ کے فقرہ ۴۸ تا ۵۱ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یسوع مسیح کوئی جانی پہچانی مشہور شخصیت نہ تھے ورنہ پکڑوانے والا یہ کیوں کہتا "جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے اسے پکڑ لینا"۔ مسیح موت سے بچنا چاہتے تھے لہٰذا ظاہر ہے گرفتاری سے بچنا چاہتے تھے۔ اور کہیں چھپے ہوئے تھے۔ متی ہی کے باب ۱۶ کے فقرہ ۲۰ میں وہ کہتے ہیں "کسی کو بتانا نہیں کہ میں ہی یسوع مسیح ہوں"۔ ان سب باتوں سے مسیحیت کے بلند بانگ دعوؤں کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ واضح طور پر انجیل کے بیانات سے حضرت مسیح کی جو شخصیت اُبھرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بزدل تھے۔

گرفتاری سے بچنا چاہتے تھے۔ اپنے آپ کو جگہ جگہ چھپاتے اور کفارے کی طے شدہ (PROJECTED) موت سے بچنا چاہتے تھے۔ ان کی تعلیمات کو وقتی TIME CONDITIONED ہونے کے باوصف اسرار و رموز (MYSTERY) میں ملفوف کر دیا گیا۔ جس کی یوں کفارے کے بعد ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ گناہ کا تصور تک ختم، مادر پدر آزاد، جو جی میں آئے کرو۔ لیکن یہ اذنِ عام صرف پادریوں اور امراء کے طبقے تک محدود تھا۔ جب کہ عام آدمی ان ہر دو کے سامنے بے بس اور مجبور تھا۔ اس المناک دور کا ذکر آگے آئے گا۔ جو تاریخ میں تاریک دور DARK AGES کے نام سے جانا جاتا ہے۔ واقعاتِ عالم کے مطالعے سے ایسے ہیرو (HEROES) کثرت سے ہمارے علم میں آتے ہیں۔ جنہوں نے نبی یا پیغمبر نہ ہوتے ہوئے بھی تن تنہا بے دھڑک اور برملا اپنے مقصد کا اظہار کیا اور وقت آنے پر پورے عزم و وقار کے ساتھ موت کو گلے لگا لیا۔ اس کے برعکس حضرت یسوع مسیح خدا کے بیٹے ہونے اور مصلوب کئے جانے کے طے شدہ منصوبے کے باوجود موت کو قریب پا کر روتے اور چلاتے ہیں۔ تا آنکہ خون پسینہ بن کر باہر نکلتا ہے۔ اسی انجیل متی کے ابواب ۲۶ - ۲۸ بھی خاصے دلچسپ اور عبرت انگیز ہیں۔ یہ صاف بتاتے ہیں کہ جب کوئی لکھنے والا سچائی اور سنجیدگی کا دامن چھوڑ دے تو نتیجہ ایسی تحریر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یسوع مسیح کے منہ پر تھوکا گیا تھپیڑ مارے گئے اور تضحیک کا نشانہ بنایا گیا۔ اور خود ان کے سب سے بڑے اور معتمد خاص شاگرد "پطرس" نے ان پر لعنت بھیجی۔

آخر لوگوں تک ایسے بیانات کے پہنچانے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کیسی تعلیم ہے؟ کیسی رہنما ہے! خدا خود اپنی مخلوق کے ہاتھوں میں بے بس و مظلوم۔ اس مفروضے کی بناء پر کہ نعوذ باللہ خدا سے آدم کی ساخت میں کچھ غلطی رہ گئی تھی جسے قادرِ مطلق ہونے

کے باوجود وہ درست نہیں کر سکتا تھا۔ بجز اس کے کہ اپنے آپ کو اپنے پیدا کیے ہوئے انسانوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا اور مصلوب کروائے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است ! پھر صلیب پر وہ باآواز بلند فریاد بھی کرتے ہیں کہ اے خدا تو نے مجھے کیوں بھلا دیا۔ (اے میرے باپ نہیں)

متی کے باب ۲۷ کے فقرہ ۴۵ تا ۵۳ میں ایسے واقعات کا ذکر ہے جو باوجود نہایت سنسنی خیز اور اہم ہونے کے اور کسی نے بیان نہیں کئے۔ ان میں کہا گیا ہے کہ دوپہر سے تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ مقدس (ہیکل) کا پردہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ زمین لرزی۔ چٹانیں تڑک گیئں۔ قبریں کھل گیئں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اُٹھے اور قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے مرقس اور لوقا صرف اندھیرا چھانے اور پردہ پھٹنے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یوحنا کے علم میں نہ اندھیرا چھایا نہ پردہ پھٹا۔ نہ زلزلہ آیا نہ چٹانیں تڑکیں۔ نہ قبریں کھلیں اور نہ ہی مقدس جی اُٹھے اور شہر کو گئے نہ بہتوں کو نظر آئے۔ اتنے اہم واقعات اگر سچ ہوتے تو ان کو نظر انداز کرنا ناممکن تھا۔ ہم عصر وقائع نگار اور مؤرخ بڑے اور چھوٹے "پلنی" (ELDER AND YOUNGER PLINY) بڑے اور چھوٹے "سنیکا" (ELDER AND YOUNGER SENECAS) نے بعض معمولی معمولی واقعات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جبکہ انجیل میں مرقوم ایسے کسی واقعے کا ذکر نہیں کیا۔ جو اگر سچ ہوتے تو اس قدر مہیب مافوق الفطرت اور ہمہ گیر ہونے کی وجہ سے یہ مؤرخین ضرور ان کا ذکر کرتے۔ متی کے باب ۲۸ کے فقرہ بارہ، تیرہ اور پندرہ میں کہا گیا ہے کہ پہرہ دینے والے سپاہیوں کو رشوت دے کر یہ بہانہ کرنے پر مجبور کیا کہ پوچھنے پر لاش کی گمشدگی کے بارے میں یہ عذر پیش کریں کہ وہ سو گئے تھے۔ اور یہ کہ اسی وجہ سے مسیح کے شاگرد ان کی لاش چرا کر لے گئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سو گئے تھے تو یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ چور کون تھا؟

مرقس کے باب ایک فقرات ۱۰ ' ۱۵ میں کہا گیا ہے کہ مسیح (ابن خدا) چالیس دن تک بیابانوں میں شیطان سے آزمایا جاتا رہا اور فرشتے اس کی خدمت کرتے رہے نہ جانے مسیحی مذہب میں شیطان کا مقام کتنا بڑا ہے کہ وہ خدا کو ورغلانے کی جسارت بھی کر سکتا ہے۔ یا پھر یہ بہت ہی عام قسم کی افسانہ تراشی ہے۔ مرقس کے باب ۴ کے فقرات ۱۱ تا ۱۲ میں یہ بیان حضرت مسیح سے منسوب ہے کہ وہ قصے کہانیوں (PARABLES) میں اس لیئے باتیں کرتے ہیں۔ تاکہ وہ عام آدمی کی سمجھ میں نہ آئیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع کر کے معافی پائیں۔ پھر وہ شاگردوں کی کم فہمی کا ذکر کرتے ہیں قارئین خود ہی اندازہ لگائیں ایسی تحریریں کیسے مرتبے کی مستحق ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے یہ پادریوں کی اختراع ہو تاکہ وہ من مانے معنے نکال سکیں۔ مرقس کے باب ۸ کے فقرات ۱۱ تا ۱۲ میں حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ " میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگوں کے لیئے کوئی نشان نہیں دیا جائے گا " پھر یہ معجزات کی بھرمار کیا معنی رکھتی ہے ؟ سچ تو یہ ہے کہ اناجیل میں مذکور بہت سے واقعات عیسٰے مسیح کے متعلق کیئے جانے والے بلند وبالا دعوؤں کے ساتھ ہرگز میل نہیں کھاتے۔

مرقس کے باب ۹ فقرہ ۳۴ کے مطابق شاگرد ایک دوسرے سے بڑا بننے کے لیئے آپس میں جھگڑا کرتے تھے۔ ایسے لوگ سنجیدہ مسائل اور عوام کی رہنمائی کے کیونکر اہل ہو سکتے ہیں ؟ مرقس ہی کے باب ۱۰ کے فقرات ۱۱ ' ۱۲ میں کہا گیا ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور وہ دونوں کسی اور سے بیاہ کر لیں تو وہ دونوں زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ گویا ناموزوں ہونے کے باوجود الگ نہ ہوں۔ چاہے دونوں کی زندگی جہنم بنی رہے۔

لوقا کے باب ۱۲ کے فقرات ۴۹ تا ۵۲ میں یسوع مسیح کو امن نہیں جنگ بلکہ گھر گھر میں جنگ کے مبلغ کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح باب نمبر ۲۲ کے

فقرات ۳۶، ۳۸ میں شاگردوں سے کہا گیا ہے کہ" وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدیں"
باب ۲۴ کے فقرات ۵۲ اور ۵۳ میں لوقا کہتے ہیں جو اُن کی انجیل کے آخری فقرات
ہیں کہ" وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ آئے۔ اور ہر وقت
ہیکل (یہودی معبد) میں حاضر ہو کر خدا کی حمد کیا کرتے تھے"۔ اس سے صاف ظاہر ہے
کہ حضرت یسوع مسیح کسی نئے مذہب کے بانی نہ تھے۔

یوحنا کے باب ایک کے فقرات ۱۹ تا ۲۲ کی زبان ایسی ہے جو کہ کسی عام
باوقار اور خود اعتماد آدمی کی زبان کہلائی جانے کی بھی مستحق نہیں۔ چہ جائیکہ نبی یا خدا
کے بیٹے کی۔ پوچھے جانے پر بقول اس انجیل کے حضرت مسیح یوں گویا ہوتے ہیں۔
"تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے
اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو نبی
ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ یوحنا کے باب ۳ فقرہ ۱۸ میں حضرت مسیح
کے بارے میں غالباً پہلی بار ان کے خدا کا اکلوتا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا گیا اور یہ دعویٰ
کرنے والے وہ خود نہیں۔

یوحنا کے باب ۶ کے فقرات ۵۲ تا ۵۵ ایسے عقیدے سے متعلق ہیں جس سے
روٹی اور شراب کو مسیحی دنیا اپنے محسن یسوع مسیح کے گوشت اور خون سے تشبیہ دے
کر کھاتے اور پیتے ہیں۔ یہاں تشبیہ کا لفظ صحیح پس منظر اور پیش منظر کو ظاہر نہیں کرتا۔ کیونکہ
اہلِ مذہب کے ہاں تو اس بات پر بڑی ہنگامہ آرائی ہوتی رہی ہے۔ ایک فریق کا کہنا
تھا کہ گوشت اور خون صرف علامتی طور پہ ایسا ہوتا ہے۔ جب کہ جیتنے والے فریق کے
مطابق فی الواقع یقینی طور پہ دونوں اشیاء گوشت اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر
دیکھنے والی آنکھوں کو ایسا نظر نہیں آتا تو یہ ان آنکھوں کا قصور ہے۔ اور پھر حاضرین اپنے
نجات دہندہ کا یہ گوشت کھاتے اور خون پیتے ہیں۔ تاکہ نجات پائیں۔

یوحنا کے باب ۷ کے فقرات ۴ تا ۶ میں لوگ جائز طور پر توقع کرتے ہیں کہ آپ تبلیغ کرتے ہیں تو کھُلم کھلا کریں چھپ کر کیوں کرتے ہیں اور یہی کیفیت تمام مشنری زندگی کے سال ڈیڑھ سال تک جاری رہی۔ حتیٰ کہ مصلوب کئے جانے کے عین پہلے تک بھی وہی شکست خوردگی اور بزدلی برقرار رہتی ہے۔ منطق کا تقاضا یہ تھا کہ موت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان آخری لمحات میں لوگوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لیئے ڈٹ کر کوئی وعظ کوئی نصیحت یا کوئی تقریر کرتے۔ مگر اناجیل کے مطابق ایسا بالکل نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس بقول متی وہ پیلاطس کے سوالات کے جواب میں خاموش رہے۔ مرقس کہتا ہے کہ پیلاطس کے یہ سوال کرنے پر کہ کیا تو (یسوع مسیح) یہودیوں کا بادشاہ ہے؟" اس نے جواب میں اس سے کہا تو خود کہتا ہے"۔ اور بس لوقا میں ہے کہ یسوع نے ہیرودیس کے سوالات کے جواب میں" کچھ جواب نہ دیا" یوحنا میں پیلاطس سے یہ بیان منسوب ہے کہ اس نے مسیح سے کہا" تو مجھ سے بولتا نہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ مجھے تجھ کو چھوڑ دینے کا بھی اختیار ہے اور مصلوب کرنے کا بھی اختیار ہے۔ یسوع نے جواب دیا کہ اگر تجھے اوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا۔ اس سبب سے جس نے مجھے تیرے حوالے کیا اس کا گناہ زیادہ ہے" یعنی خدا کا (نعوذ باللہ)

یوحنا کے باب ۱۳ کے فقرہ ۵ کے مطابق استاد (حضرت مسیح) شاگردوں کے پاؤں دھوتے اور رومال سے صاف کرتے ہیں لیکن ان شاگردوں کے کوئی کارہائے نمایاں سامنے نہیں آئے۔ ویسے بھی بات کچھ الٹی سی معلوم ہوتی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ شاگرد استاد کے پاؤں دھوتے جو رسم دنیا رہی ہے۔ جس سے بڑوں کی عزت اور وقار کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ اس سے عام آدمی کیا سبق حاصل کر سکتا ہے؟

اعمال کے باب ۸ کے فقرہ نمبر ایک کے مطابق ساؤل یا پال کے مسیحی دنیا میں اچانک

ظاہر ہونے والی اس شخصیت کے بارے میں لکھا ہے کہ مذہب کی بناء پر سٹیفن نامی ایک مسیحی کے قتل کا ذمّے دار تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ بعد میں جلدی ہی مسیحی دنیا نے اسی قاتل اور کٹّر مخالف کو اپنے رہنما کے طور پر قبول کر لیا۔

اعمال کے باب ۹ کے فقرات ۱ تا ۱۰ میں ان پال صاحب کے بارے میں جنہوں نے بعد میں یسوع مسیح کا رسول ہونے کا القاب اختیار کیا۔ بتایا گیا ہے کہ وہ شروع میں مسیحیوں کا کٹّر دشمن تھا اور مسیح کے شاگردوں کو ستانے 'دھمکانے' اور قتل کرنے کی دھمکیاں دیا کرتا تھا۔ اسی سلسلے میں دمشق جاتے ہوئے اچانک آسمان پر ایک نور چمکتا ہے اور وہ بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے اور یہ آواز سنتا ہے کہ "میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔ مگر اٹھ اور شہر کو جا اور جو تجھے کرنا چاہیئے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔" مگر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ اندھا ہو چکا تھا اور وہ تین دن تک نہ کچھ دیکھ سکا اور نہ کھا اور پی سکا۔ تا آنکہ حنینا ANANIUS نامی ایک شخص دمشق میں ان کی رہائش گاہ میں داخل ہو کر ان کی بینائی بحال کر دیتے ہیں۔ جس کے دوران میں اس کی آنکھوں سے چھلکے گرتے ہیں اور وہ مسیحی بن جاتے ہیں۔ اور اندھوں کو آنکھیں دینے والے بن جاتے ہیں۔

اعمال کے باب ۹ ہی کے فقرات ۲۱ تا ۲۲ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دمشق میں وہ حضرت مسیح کے حواری ہونے کا بہروپ بھر کر یہودیوں کو حیران کرتا رہا۔ اسی باب ۹ کے فقرہ ۲۶ کے مطابق ساؤل یا پال نے خود کو مسیح کے شاگردوں میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ لوگ اسے اس حیثیت سے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ یعنی بطور مسیح کے شاگرد یا حواری کے۔ اعمال کے باب ۱۵ کے فقرہ ۵ سے صاف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شروع کے مسیحی یہود کی طرح ختنہ کراتے اور موسیٰ کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔

باب ۲۲ کے فقرہ ۴ پھر اس بات کو دہراتی ہے کہ پال شروع میں عیسائیوں کو اذیتیں

دینے والا اور قاتل تھا۔ باب ۲۴ کے فقرہ ۱۷ میں کئی برس بعد قوم کو خیرات اور نذریں چڑھانے کا ذکر ہے۔ تھامس پین (THOMAS PAING) کہتے ہیں یہ رشوت تھی جو پال کی خواہش کے مطابق عقیدے میں تبدیلی کے عوض دی جاتی تھی۔ لیکن شاگردوں (حواریوں) کے انکار کی وجہ سے وہ یہ رقم اپنے ساتھ واپس لے گیا اور اپنا الگ راستہ اختیار کر لیا۔

رومیوں کے ابواب ۳ کے فقرہ ۲۸، ۴ کے فقرات ۱۴ - ۱۵، ۵ کے فقرہ ۱۳، ۸ کے فقرہ ایک کے مطابق پال شریعت (یعنی ضابطہ اخلاق وعمل) کو مسیحیوں کے لیئے منسوخ قرار دیتے ہیں اور یہ کہہ کر جو یسوع مسیح میں ہیں (یعنی مسیحی ہیں) ان پر سزا کا حکم نہیں۔

۱۔ کرنتھیون کے باب نمبر ا کے فقرات ۱۹، ۱۸ کے مطابق عیسائیت کسی عقلی دلیل کی قائل نہیں۔

کرنتھیون کے باب ۲ کے فقرہ ۲۵ میں قادرِ مطلق کے لیئے بے وقوفی کے الفاظ استعمال کرنے کی گستاخی کی گئی ہے۔

کرنتھیون کے باب ۳ کے فقرہ ۱۹ میں دنیا کی تمام حکمت کو خدا کے نزدیک بے وقوفی بتایا گیا ہے۔

کرنتھیون کے باب ۵ کے فقرہ ۵ میں یہ کہہ کر گناہ کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ "جسم ہلاکت کے لیئے شیطان کے حوالے کیا جائے۔ تاکہ روح یسوع کے دن نجات پائے۔" کرنتھیون ہی کے باب ۶ کے فقرہ ۱۲ میں پال اپنے آپ کو ہر پابندی سے آزاد بتاتے ہیں۔

باب ۹ کے فقرات ۲۱، ۲۰ میں پال دھوکہ دینے کے لیئے اپنا عقیدہ بدلنے کی بات کرتا ہے۔

باب ۱۵ کے فقرہ ۳۹ نہ جانے کیسا روحانی شہ پارہ ہے ! اس میں لکھا ہے کہ آدمی کا گوشت ، چوپادیوں کا گوشت ، پرندوں کا گوشت اور مچھلیوں کا گوشت ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں. کتنا بلند پایہ سبق ہے۔

۲۔ کرنتھیوں کے باب ۲ کے فقرہ ۱۰ کا تعلق پادریوں کو لوگوں کے گناہ معاف کرنے کے اختیار سے ہے جو آگے چل کر صدیوں تک گھناؤنے سکینڈل کا باعث بنا۔ باب ۱۲ کے فقرہ ۷ میں پال بتاتا ہے کہ "بہت زیادہ کشف کی وجہ سے میرا جسم پھول جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیئے میرے جسم میں کانٹا چبویا گیا۔ یعنی شیطان کا قاصد تاکہ میرے مکّے مارتا ہے اور میں پھولنے سے بچا رہوں"۔ ایسے ہی موقعے کے لیئے کسی نے سچ کہا ہے "جیسی روح ویسے فرشتے"۔

گلتیوں کے باب ایک کے فقرات ۶ ، ۷ ، اور باب ۲ کے فقرہ ۱۳ سے پال کا اصلی شاگردوں اور برناباس سے عقیدے اور تعلیم کے اختلاف کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ گویا پال نے تن تنہا از خود نئے عقیدے اور تعلیم کی بنا ڈالی۔ جس کا مسیح کی تعلیم اور اصلی شاگردوں کے مشنری کام سے کوئی تعلق نہ تھا۔

پطرس کے پہلے عام خط کے باب ۳ کے فقرات ۱۸ تا ۲۰ میں مسیح کے قیدی (دوزخ میں) روحوں میں جاکر منادی (معافی) کرنے کا ذکر ہے۔ سوال یہ ہے۔ کہ قبل از مسیح کے نافرمانوں یعنی گناہ گاروں کو معافی مل گئی تو اسی مفروضے کی بنا پر کہ اس نے مصلوب ہو کر سب بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ سب کی تا ابد نجات ہو گئی۔ یہی نتیجہ یوحنا کے پہلے خط کے باب ۳ کے فقرہ ۵ سے اخذ ہوتا ہے کہ "تم جانتے ہو کہ وہ اس لئے ظاہر ہوا تھا کہ گناہوں کو اُٹھائے جائے" یہ سراسر عقل اور قوانین قدرت کے خلاف اور معاشرے کے لیئے پُر خطر عقیدہ ہے تاریخ شاہد ہے کہ مسیحی فاتحین نے اپنی کمزور رعایا پر مسلسل بے پناہ مظالم ڈھائے

اور رنگدار اقوام پر غلبہ پانے کے بعد ظلم وستم کا رخ ان کی طرف پھیر دیا. مظلوم ظالم بن گئے.

یوحنا کے تیسرے خط کے باب ایک کے فقرات ۹ اور ۱۰ سے مسیح کے جانشینوں کے درمیان باہمی کشمکش اور باہم کی اختراع کا پتہ چلتا ہے۔ اگر کوئی واضح تعلیم یا عقیدہ ہوتا تو شروع ہی سے یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔

یہودا کے عام خط کا ایک ہی باب ہے جس میں مسیحیت کے اندر بیرونی اثرات کے نفوذ کی جا بجا نشان دہی کی گئی ہے۔ مثلاً "بعض ایسے شخص چپکے سے ہم میں آملے ہیں۔ یہ دریا کی پوشیدہ چٹانیں ہیں۔ یہ پت جھڑ کے بے پھل درخت ہیں۔ یہ سمندر کی پُرجوش موجیں ہیں جو اپنی بے شرمی کی جھاگ اُچھالتی ہیں۔ یہ وہ آوارہ گرد ستارے ہیں جن کے لئے ابد تک بے حد تاریکی دھری ہے۔ یہ بڑبڑانے اور شکایت کرنے والے ہیں اور اپنی خواہشات کے مطابق چلتے ہیں۔ اور اپنے منہ سے بڑے بول بولتے اور نفع کے لئے لوگوں کی خوشامد کرتے ہیں۔ یہ وہ آدمی ہیں جو تفرقے ڈالتے ہیں اور روح سے بے بہرہ ہیں"۔

یہ "خطوط" (EPISTLES) حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد کا اوّلین ریکارڈ ہیں جو آغاز ہی سے مسیحیت کے بارے میں اپنی اپنی ڈفلی کا غماز ہے۔ جب کہ اناجیل کئی پشتوں (DECADES) بعد وجود میں آئیں۔

یوحنا عارف کا مکاشفہ :- یہ انجیل کا آخری حصہ ہے۔ اس میں اس وقت کے بااثر ایرانی نژاد متھرا کے مذہب کی طرح مختلف صورتوں میں سات کے عدد کی گردان کی گئی ہے۔ مثلاً سات کلیسا، سات روحیں، سات چراغ، سات ستارے، سات مہریں، سات تاج، سات پیالے، سات آفتیں وغیرہ۔

باب ۷ کے فقرہ ایک میں زمین کے چوکور ہونے کا ذکر ہے۔

باب ۱۱ کے فقرہ ۱۰ کے مطابق "اور زمین کے والے والے ان کے مرنے سے خوشی منائیں گے اور آپس میں تحفے بھیجیں گے۔ کیونکہ ان دونوں نبیوں نے زمین کے رہنے والوں کو ستایا تھا" یہاں نبی ہو کر خلق خدا کو ستایا، تعجب انگیز اور متضادسی بات ہے۔

باب ۱۲ فقرات ۱ تا ۶ "پھر آسمان پر ایک بڑا نشان دکھائی دیا یعنی ایک عورت نظر آئی جو سورج کو اوڑھے ہوئے تھی اور چاند اس کے قدموں کے نیچے تھا اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر اور وہ حاملہ تھی۔" اور "دردِ زہ میں چلاتی تھی۔ پھر ایک اور نشان آسمان پر دکھائی دیا۔ یعنی ایک بڑا لال اژدہا اس کے سات سر اور دس سینگ تھے۔ اور اُس کے سروں پر سات تاج۔ اور اس کی دُم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچ کر زمین پر ڈال دیئے۔ اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جا کھڑا ہوا جو جننے کو تھی۔ تاکہ جب وہ جنے تو اس کے بچّے کو نگل جائے۔ اور وہ بیٹا جنی یعنی وہ لڑکا جو لوہے کے عصا سے سب قوتوں پر حکومت کرے گا۔ اور اُس کا بچّہ یکایک خدا اور اس کے تخت کے پاس پہنچا دیا گیا۔"

باب نمبر ۱۲ سے باب نمبر ۲۲ یعنی اس حصّے کے آخر تک اسی طرح کے دیومالائی اور ذہن کو پراگندہ کرنے والے بیانات درج ہیں۔ جو کسی تبصرے کے محتاج نہیں۔

سینٹ پال (PAUL)

پال مسیحیت کے منظر پر ناگہاں وارد ہوا۔ اور ایسی مؤثر مداخلت کا باعث بنا کہ حضرت مسیح کے مذہب کا رُخ اور خدوخال بدل کے رکھ دیئے۔ کہتے ہیں یہ حضرت مسیح کا ہم عصر تھا اور پیدائشی یہودی تھا۔ اور آخر تک اپنے یہودی مذہب کے زیرِ اثر رہا۔ لیکن انجیل کے حصّے کرنتھیوں نمبر ایک کے باب ۹ کے فقرہ ۲۰ میں پال خود کہتا ہے کہ "میں یہودیوں کی خاطر یہودی بنا تھا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں" یعنی پہلے یہودی نہیں

تھا۔ اسی طرح تھامس پین اپنی مشہور کتاب "معقولیت کا زمانہ"
کے صفحہ نمبر ۲۱۰ پر لکھتے ہیں کہ پال غیر یہودی تھا اور ایک یہودی عالم (ربی) کی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کو حاصل کرنے کے لئے ختنہ کروایا اور یہودی بن گیا۔ لیکن لڑکی پھر بھی ہاتھ نہ آئی تو یہودی قوم کا مخالف ہو گیا۔

وہ نہ تو ان کی ارضی زندگی میں کبھی یسوع مسیح سے ملا، نہ انہیں دیکھا اور نہ ان کے شاگردوں سے ان کے مشن یا مسیحی مذہب کے بارے میں کچھ حاصل کیا۔ دیکھئے انجیل کے حصّہ "گلتیوں کے نام" کے باب ایک کا فقرہ نمبر ۱۲ "کیونکہ وہ مجھے انسان کی کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا"۔ انجیل میں اس اجمال کی تفصیل یوں بتائی گئی ہے کہ شروع شروع میں پال مسیح کے پیروکاروں کا سخت مخالف تھا اور انہیں طرح طرح سے ستاتا اور ظلم کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی سرپرستی میں ایک مسیحی (سٹیفن) کو مذہب کی بناء پر قتل بھی کیا گیا۔ وہ ایسے ہی ایک مشن پر دمشق جا رہا تھا کہ اچانک "معجزہ" رونما ہوا۔ جس میں حضرت عیسےٰ کی شبیہ نے آسمان پر ظاہر ہو کر اس سے کہا کہ انہیں مت ستائیں بلکہ ان کی امداد کریں۔ دیکھیں "اعمال" کے باب ۹ کے فقرات ۳ تا ۶ فقط اس مفروضے یا واقعے کو پال نے اپنے آپ کو مسیحیت کا بلند پایہ مبلّغ اور شارع ہونے کا دعویدار ہونے کے لئے سند قرار دیا ہے۔ پال کے یہودی نہ ہونے کا ایک اور ثبوت خود انجیل سے ملاحظہ ہو۔ کرنتھیوں نمبر ۲ کے باب ۱۱ کے فقرات ۲۴ تا ۲۵۔ "میں نے یہودیوں سے پانچ بار ایک کم چالیس چالیس کوڑے کھائے۔ تین بار بیت لگے ایک بار سنگسار کیا گیا"۔ یہاں "یہودیوں سے" کا طرز بیان واضح ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ اسی انجیل (نیا عہد نامہ) کے حصّہ اعمال کے باب ۲۳ کے فقرہ ۶ کے مطابق پال عدالت میں پکار کر اپنے آپ پر گواہی دیتا ہے کہ میں فریسی یعنی یہودی ہوں اور فریسی کی

اولاد ہوں۔ اس کے علاوہ اس کی ناہموار شخصیت کا بھی پتہ چلتا ہے جو کسی مذہبی پیشوا کے منصب سے میل نہیں کھاتی۔ انجیل میں متضاد باتیں اکثر پائی جاتی ہیں۔ گو کہ ان کے نام سے منسوب انجیل میں موجود خطوط (PAULINE EPISTLES.) کی سند کو بار بار چیلنج کیا گیا ہے۔ تاہم ان خطوط سے اس بات کا واضح ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ پہلے تو پال نے رشوت کے زور سے (بقول تھامس پین و دیگر محققین) حضرت عیسےٰؑ کے شاگردوں کو عقیدے میں ردوبدل کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے انکار پر کافی لڑائی جھگڑے کے بعد پال نے اپنے لئے علیحدہ راستہ اختیار کر کے اپنے آپ کو غیر یہودیوں (GENTILES) کا مبلّغ اور پیشوا مقرر کر لیا۔ وہ اس زمانے اور علاقے میں پائے جانے والے دیگر کئی مذاہب کے علاوہ "فیلو" (PHILO) کے فلسفے سے بھی متاثر تھا۔ اس لئے اس نے مسیحیت کو غیر یہودی اقوام کے لئے قابلِ قبول بنانے کے لئے اس میں بنیادی تبدیلیاں کیں۔ مثلاً یسوع مسیح کے لیئے خدا کا بیٹا ہونا، کفارے کی قربانی، بنیادی گناہ (ORIGINAL SIN) اعمال کی بجائے صرف عقیدے کو نجات کا ذریعہ قرار دینا وغیرہ۔ لیکن اس نے کبھی عقیدے کی تشریح نہیں کی۔ انجیل میں ستر سے زائد جگہ حضرت یسوع مسیح کو ابنِ آدم کہا گیا ہے۔ جب کہ پال کی اختراع کے مطابق کسی ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا کہ وہ خدا تھے جو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آدمی کا رُوپ دھار کر اور مصلوب ہو کر انسان کی نجات کے لئے آئے تھے۔ پال چونکہ خود (ترسوس) ایشیائے کوچک کا رہنے والا تھا۔ نیز مسیح کے اصلی شاگردوں نے اسے رد کر دیا تھا جن کا حلقہ اثر شام اور فلسطین تھا۔ اس لیئے پال نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو یورپ کی طرف پھیر لیا۔ جیسا کہ اس کے خطوط (EPISTELS) کے مختلف عنوانات سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً رومیوں، کرنتھیون، گلتیون، فلپیون وغیرہ نئے عنصر یا اختراع کے بارے میں

پال کہتا ہے" میں نے اس توفیق کے موافق جو خدا نے مجھے بخشی دانا معمار کی طرح نیو رکھی "
(۱۔ کرنتھیوں باب ۳ فقرہ ۱۰) یہاں "نیو" یا FOUNDATION کا لفظ توجہ طلب ہے
پال کی مسیحیت میں نجات شریعت یعنی عملوں کے بغیر صرف عقیدے کی بنیاد پر ٹھہری ۔
اس سے نہ صرف گناہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ خود گناہ ذریعہ نجات قرار پایا۔
"رومیوں" کے باب ۳ کے فقرہ ۲۱ میں پال کہتا ہے" مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی راستبازی
ظاہر ہوئی ہے۔ جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے۔ اسی باب کے فقرہ
۲۴ کے مطابق" مگر اس کے فضل کے سبب سے اس مخلصی کے وسیلہ سے جو مسیح یسوع میں
ہے، مفت راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں"۔ رومیوں ہی کے باب ۸ فقرات ۱، ۲ "پس
اب جو مسیح یسوع میں ہیں (عیسائی) ان پر سزا کا حکم نہیں۔ کیونکہ زندگی کی روح کی شریعت
نے مسیح یسوع میں مجھے گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا۔" رومیوں ہی میں کہتے
ہیں "جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا۔" ایک دوسری جگہ کہتے ہیں" جہاں
گناہ زیادہ ہوا وہاں خدا کا فضل بھی زیادہ ہوا۔" نتیجہ یہ ہوا کہ بقول گبن (GIBBON) شروع
میں مسیحیت معاشرے کے گھٹیا طبقوں میں ہی مقبول ہوئی۔ گبن نے DREG OF POPULACE
کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

رومن حکمران مذہب کے بارے میں بہت رواداد تھے۔ اور رعایا کو ہر طرح کی
مذہبی آزادی حاصل تھی۔ بلکہ دوسرے مذاہب سے انہیں کوئی بات اچھی لگے تو اُسے بھی
یوں اپنا لیتے تھے جیسے ان کی اپنی ہو۔ ان سازگار حالات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر
مسیحی (بدمعاش DREG.)، دوسرے مذاہب کو مع رومن خداؤں کے برسرِ عام گالیاں
دیا کرتے تھے۔ شاید اس لئے کہ ان کے نئے مذہب نے پسندیدگی کی چھاپ لگا کر
گناہ کو ذریعۂ فضل اور نجات قرار دے دیا تھا۔ حکومت کی طرف سے اس بے ہودگی
کے خلاف کوئی حرکت نہ دیکھ کر ان لوگوں کا حوصلہ اور بڑھا تو انہوں نے رومن عبادت گاہوں

کو آگ لگانا شروع کر دیا۔ جدید محققین کا کہنا ہے کہ رومن بادشاہ نیرو (NERO) کی طرف سے کی گئی سختی نہ صرف یہ کہ روم تک محدود تھی بلکہ کسی مذہب کے خلاف ہرگز نہ تھی۔ البتہ بلا لحاظ مذہب جو لوگ آتش زنی اور لوٹ مار کے مرتکب ہوئے تھے۔ انہیں زیرِ تعزیر لایا گیا تھا۔ جو نتیجہ تھا۔ پال کے بے شرع یا لاقانون مذہب ANTINOMIANISM کی تبلیغ کا۔

خطوط (EPISTLES) اور "اعمال" کے مطالعے سے پال کی شخصیت کے بعض اور پہلو سامنے آئے ہیں جو کچھ اس طرح ہیں کہ وہ ادھورے دنوں کی پیدائش تھا۔ دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں میں جا کر اور اپنے کپڑے پھاڑ کر ہنگامہ کرنا' یسوع مسیح کے اصلی شاگردوں سے عقیدے کا اختلاف۔ اصلی شاگردوں اور برناس سے جھگڑا کر کے علاحدہ ہونا، شفا دینے والے پے در پے معجزوں کے دعویدار کا خود مسلسل بیمار ہونا اور خدا کے اکرام کو سمجھانے کے لیئے شیطان سے مدد لینا وغیرہ۔

'اعمال' (ACTS OF APOSTLES) کا مصنف بھی لوقا بتایا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ وہ تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے افسانوی، رنگ آمیزی سے کام لیتا ہے۔ بیانات کا تضاد علیحدہ مسئلہ ہے مثلاً اپنے خط میں وہ عیسیٰ مسیح کے جی اٹھنے ہی کے دن آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن 'اعمال' میں یہی مصنف کہتا ہے کہ وہ چالیس دن تک شاگردوں کے ساتھ مصروف رہنے کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے۔ ایک اور بات جو قاری کو متوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ مانا گیا ہے کہ "اعمال" اور خطوط (EPISTLES) اناجیل سے پہلے وجود میں آ چکے تھے۔ تو کیا وجہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح کی ارضی زندگی کے جن واقعات کا ذکر بعد میں اناجیل میں کیا گیا ہے ان کا عشر عشیر بھی پہلے لکھے جانے والے اس حصے (EPISTLES) میں موجود نہیں، اسی طرح متی، مرقس اور لوقا

کی اناجیل میں پہلے سے پائے جانے والے پال کے خطوط کا کوئی ذکر نہیں۔ جبکہ یوحنا کی انجیل کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں" انجیل کی تاریخ" نامی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۷ پر " گلیڈسٹون برٹین" (GLADSTONE BRATTON) کہتے ہیں کہ بقول " اینسلین" (ENSLIN) اگر ہم یہ فرض کریں کہ تاریخی اعتبار سے واقعی پال نے ذاتی حیثیت سے تیمتھس (TIMOTHY) اور ططس (TITUS) کو سچ مچ کے حالات میں وہ خطوط لکھے تھے تو یہ بالکل بے ہودہ اور بے جوڑ بات ہے۔ اس کے علاوہ بھی یہ باور کرنے کے لئے وجوہات ہیں کہ یہ خطوط اصلی نہیں "گنتھر بورنکم" (GUNTHER BORNKAMM) اپنی کتاب پال کے دیباچے کے صفحہ نمبر xviii پر لکھتے ہیں کہ " اگر یہ پال کا ورثہ ہیں تو اس میں تاریخی اور نظریاتی اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ لوقا کے بیان کے مطابق مسیحیت قبول کرلینے کے باوجود بھی پال یہودی اور اپنے اسلاف کے احکام کا وفادار رہا۔ اعمال (ACTS) کے مطابق رسول (APOSTLE) کا القاب پال کو دینے سے اس وجہ سے انکار کیا گیا۔ کیونکہ وہ صرف بارہ کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے باوجود کلیسا پال کو مسلسل رسول کا القاب دیتا ہے (صفحہ نمبر xix اور xx کے مطابق لوقا ہمیں " رومنوں" اور " گلیشین" میں پائے جانے والے پال کی بالکل مختلف تصویر دکھاتا ہے۔ پال کے یوروشلم کے مرکزی کلیسا کے اصلی شاگردوں سے اس بات پر جھگڑا ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کے صلیب کے پیغام کا مطلب کیا ہو۔ پال اپنے الگ معنے نکالتا ہے۔

صفحہ نمبر xxi میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ پال کو کبھی یسوع مسیح کی زندگی کی تعلیم (GOSPEL) کے بتانے کا خیال آیا جو۔ اس کے خطوط کے کئی پشتوں بعد وجود میں آئیں۔ پال کے خطوط عام طور پہ کلیسا کی رسوم میں متبرک صحیفے کے

طور پر پڑھے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ متبرک اور مذہبی عبادت کے لائق نہیں۔ کیونکہ وہ ایک خاص موقع، خاص وجہ، اور خاص لوگوں کے لئے لکھے گئے تھے۔

صفحہ نمبر xxvii پال کے خلاف ابھی تک خود کلیسا کے اندر اور باہر سے آوازیں اُٹھ رہی ہیں کہ اس نے مسیح علیہ السلام کے پیغام کو مسخ کر کے مسیحیت کو غلط راستے پر ڈال دیا۔ اسے شروع سے ہی ایسے حملوں کی مدافعت کرنی پڑی کہ وہ اپنے پیغام کی سچائی اور اس کے الہامی ہونے کا ثبوت دے۔ کیونکہ اس کا علم دوسرے یا تیسرے واسطے سے ملا ہوا تھا۔ اور جب اس پر ابتدائی شاگردوں کو یوروشلم میں دھوکہ دینے کا الزام لگایا گیا تو وہ یہ کہہ کر الگ ہو گیا کہ باقی سب کے دلائل غلط ہیں۔ "حقیقت میں میرا یوروشلم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ خدا خود ہے جس نے میری انجیل اور غیر یہودیوں کی طرف تبلیغی مشن میرے سپرد کیا ہے۔" اس طرح پال نے یہودی روایات اور انجیل کے درمیان ناطہ توڑ دیا۔ اس کے خیال میں خدا نے یسوع مسیح کو دنیا میں بھیج کر نجات کا پرانا یہودی نظریہ یعنی شریعت کی پابندی کا طریقہ ختم کر دیا۔ اور نجات کی بنیاد صرف ایمان کو قرار دیا (یعنی بغیر عملوں کے)، یہودی اور یہودی نژاد کٹر مسیحی پال کو بھگوڑا، احکام خداوندی کو تباہ کرنے والا اور خدا کا دشمن سمجھتے تھے۔ بہر حال مسیحی عقیدے اور پیغام کا جو مفہوم اور شرح پال کے خیال میں تھی اسے جب یوروشلم میں موجود سب حواریوں نے رد کر دیا تو اس نے ایشیائے کوچک اور یورپین ممالک کا رُخ کیا۔ جہاں وہ دولت کی شکل میں بغیر عملوں کی نجات اور بہشت کے وعدے کے عوض معاوضہ بھی وصول کرتا رہا۔ جس کے بل پر ایک بار پھر یوروشلم کے مرکزی ارباب کو خریدنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام لوٹ گیا۔ تاہم وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اور بقیہ زندگی اپنے مخصوص ایمان کے مطابق تبلیغ کرتا رہا۔ اس کی موت پر بھی اسرار کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ روایتاً دونوں پطرس

اور پال روم میں قتل کئے گئے لیکن "گبن" (GIBBON) کہتا ہے۔ یہ محض افسانہ ہے جو روم کے رومن سلطنت اور پوپ کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے اس کا رتبہ اور وقار بلند کرنے کی غرض سے گھڑا گیا۔ پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) مسیحی ، پطرس یا پیٹر کے روم میں مارے جانے کو جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ لیکن پال کے بارے میں بھی کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتے۔ اب مسیحی دنیا میں وقفے وقفے سے یہ نعرہ سُننے میں آتا ہے کہ پال سے دور ہٹ کر چلو واپس یسوع مسیح کی سمت چلیں۔ یہ آواز اگر دھیمی بھی پڑ جائے تو زیر زمین ضرور سلگتی رہتی ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پال کا مشن جائز نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کلیسا اس واضح حقیقت کو نہیں مانتا۔ مانے بھی تو کیسے ، صدیوں کی بنائی ہوئی عمارت دھڑام سے نیچے گر جائے گی۔ اور جگ ہنسائی الگ ہو گی۔ پادریوں کی ڈھٹائی اور ضد بھی مشہور بات ہے۔ بہرحال یہ تھا پال کے بارے میں مختصر جائزہ جس نے خود کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی مسیحی بڑی فرقے کے بانیوں کو تو پس پشت ڈال دیا۔ اور اپنی ذاتی ذہنی اپج کے مطابق تحریف کر کے ایسے مذہب کی بنیاد رکھی اور فروغ دیا جو آج بھی مسیحی اکثریت کا مذہب ہے حالانکہ ان میں کوئی قدر مشترک ہے تو فقط حضرت یسوع مسیح کے نام کی ہے۔

مسیحیت کا آغاز

کیسے اور کیونکر ہوا ؟ طالب علم یا محقق کو یہ معلوم کرنے کے لئے بہت سر کھپانا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی سیدھا سادہ عام فہم معاملہ نہیں۔ شروع کا سرا (BEGGINNING END) کہاں ہے ؟ کیوں ہے۔ بڑی کاوش کے باوجود ان سوالات کا جواب حتمی ہونے کے بارے میں شک ہی رہتا ہے۔ تاہم اکثر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ مسیحیت کی بنیاد پال نے قریباً ستر عیسوی میں یوروشلم سے سینکڑوں

میں دور انطاکیہ (ANTIOCH) میں رکھی اور اسے مسیحیت (CHRISTIANITY) کا نام دیا۔ (اعمال ۱۱ : ۲۶) اس بات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ پال کا حضرت مسیح کی زندگی میں ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور جن شرائط پر پال نے اُن کے شاگردوں، حواریوں یا رسولوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسے انہوں نے رد کر دیا۔ شرطیں یہ تھیں کہ مسیحیت کا مطلب یعنی عقیدہ اور تشریح وہ تسلیم کی جائے جو وہ (پال) بتائے۔ حواری سب کے سب یہودی تھے۔ ان سے یسوع مسیح نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ حضرت موسیٰ کے صحائف اور دس احکامات خداوندی (DECALOGUE) ان کے بعثت کے بعد ساقط ہو گئے ہیں۔ بلکہ ان پر مسلسل عمل کی تلقین کی (یاد رہے شروع کی تقریباً تیرہ صدیاں مسیحی دنیا میں دس احکام موسوی متروک رہے) اس کے برعکس پال کا کہنا تھا کہ حضرت مسیح کی زندگی میں ان کا شاگرد ہونا کوئی فضیلت کی بات نہیں۔ وہ یہودیوں کے مبلغ ہوں گے۔ جبکہ مجھے خدا نے غیر یہودیوں (GENTILES) کا مبلغ اور پیشوا مقرر کیا ہے۔ بعد میں بہت سی دوسری اضافہ کی جانے والی باتوں کے علاوہ، پال کے بقول حضرت مسیح خدا کے بیٹے تھے۔ قطع نظر اس کے کہ متی اور لوقا کی اناجیل میں ان کا شجرۂ نسب حضرت داؤد سے ملایا گیا ہے! اور بار بار انہوں نے اپنے لیئے (SON OF MAN) آدم زاد کے الفاظ استعمال کیئے ہیں۔ اعمال کے بغیر حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا اور نجات دہندہ تسلیم کرنے والے کی ابدی نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا جو ایک انہونی بات اور قانونِ قدرت کے صریحاً خلاف ہونے کی وجہ سے یہودی الاصل لوگوں کے لیئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی تھی۔ جن کے صحائف اعمال کی تاکید اور اعمال کے ذریعہ نجات ہونے کے احکام سے بھرے پڑے تھے۔ یہی نہیں بلکہ پال نے اپنے ڈھب پر لانے کے لیئے شاگردوں کو گراں قدر رشوت بھی پیش کی لیکن انہوں

نے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پال نے یروشلم کے ساتھ ناطہ توڑ کر اپنی مرضی اور مطلب کے مذہب کا نام مسیحیت رکھ کر الگ سے غیر یہودیوں کے اندر تبلیغ شروع کر دی۔ کاش ہم یہ معلوم کر سکتے کہ حضرت یسوع مسیح کی تعلیمات تھیں کیا؟ محققین کہتے ہیں کہ اگر یہ ممکن ہوتا تو اناجیل میں سے سب سے پہلے اسرار و رموز (MYTH) کو خارج کر کے باقی میں سے شاگردوں کے ملائے ہوئے اپنے خیالات، پھر سننے والوں اور بعد میں لکھنے والوں کے کمالات کو الگ کرنا ممکن ہوتا تو شاید ہم ان کے پیغام کی اصل تہہ تک پہنچ سکتے۔ لیکن جیسا کہ اناجیل کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے ایسی کوشش سے کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنا خارج از امکان ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ شاگردوں میں سے واحد شاگرد جس کو کچھ اہمیت دی جا سکتی ہے وہ تھا پیٹر یا پطرس۔ لیکن اس کے بارے میں خود حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ "تم لوگوں کی باتیں تو سمجھتے ہو لیکن خدا کی باتوں کا خیال نہیں کرتے"۔ ایک اور جگہ اس کو شیطان کے القاب سے نوازتے ہوئے کہتے ہیں "تو صبح ہونے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا"۔ یہ واقعہ حضرت یسوع مسیح کی زندگی کے آخری لمحات کا بیان کیا جاتا ہے۔ اس طرح تمام واقعاتی شہادت اس بات کی غماز ہے کہ ایسے اختتام کے بعد حضرت مسیح کے مشن کے جاری رہنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔ جیسا کہ اسی سلسلے میں ہمیں انجیل مزید یہ بتاتی ہے کہ ان کی تعلیمات کا رخ صرف یہودیوں کی طرف تھا، جنہوں نے ان کو رد کر دیا۔ گویا ان کا مشن محدود تھا۔ اس طرح اس پہلو سے بھی بات مسیح کے مصلوب ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ باوجود اس کے کہ بقول لوقا باب ۲۴ فقرات ۵۲، ۵۳ "اور وہ اس کو سجدہ کر کے خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے۔ اور ہر وقت ہیکل میں حاضر ہو کر خدا کی حمد کیا کرتے تھے"۔ یعنی کسی نئے مذہب کے مبلغ نہ تھے (دیکھیے متی ۵ : ۱۷) پھر بھی اگر یہ مان لیا جائے۔

تو ان کی تعلیم یہودیت سے ہٹ کر یا مختلف نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ یہودی مذہب کے اندر بعض نئے فرقوں کے بانی بنے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں حضرت مسیح کی تعلیمات میں سے جو کچھ یاد تھا اسے بنیاد بنا کر نصرانی اور ابیونی NAZRANESE & EBIONITES فرقوں کا آغاز کیا۔ لیکن یہ بڑی ستم ظریفی کی بات ہے کہ جب غیر یہودی (GENTILE) مسیحیوں نے زور پکڑا تو ان فرقوں کو کفر یا انحراف (HERETICAL) کا الزام لگا کر بزور ختم کر دیا گیا اور ان کے صحائف تلف کر دیئے گئے۔

اب قارئین خود اندازہ کریں کہ مروجہ مسیحیت حضرت یسوع علیہ السلام یا ان کے حواریوں سے تعلق رکھنے کے دعوے میں کیونکر حق بجانب ہو سکتی ہے؟ اور پال اور اس کے پیروکاروں اور رومی حکمرانوں کا حکماً تشکیل دیا گیا، مروجہ مسیحی مذہب کیسے جائز کہلائے جانے کا مستحق ہے؟۔

بعض یورپین محققین کی آراء

یہاں اس کی کتاب "عیسائی صدیاں" "CHRISTIAN CENTURIES" کے صفحہ نمبر ۱۲ سے ۱۵ تک میں رابرٹ پین (ROBERT PAYNE) کا بیان دلچسپی کا باعث ہوگا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اسلام کی طرح مسیحیت کی بنیادیں کبھی بھی مضبوط نہ تھیں۔ یہ موسموں کے ساتھ بدلتی رہی۔ یہ گھبرائی ہوئی اور تجرباتی تھی۔ کبھی پُرسکون نہ تھی۔ اور ہمیشہ پرانی بوتلوں میں ڈالنے کے لئے نئی شراب کی متلاشی رہی۔ کانسٹنٹائن اوّل (CONSTANTINE 1) کے دورِ حکومت میں اس کے اندر رومن بت پرستوں کے طور طریقوں کا اضافہ کیا گیا۔ مسیحی مذہبی پیشواؤں کا لباس مسیحی کلیساؤں یا گرجوں کی شکل وصورت، عبادت کی ترتیب، قربان گاہ (ALTAR) پر چڑھاوے، سب سے

بڑے مذہبی پیشوا کا لقب (PONTIF) حتیٰ کہ لاطینی زبان بھی قدیم رومن مذہب سے اخذ کی گئی۔ عقیدے وغیرہ سے متعلق احکام رومن بادشاہوں نے جاری کئے کہ کیا ہو۔ لیکن ہر آنے والی صدی میں اسے پھر بدل دیا گیا۔ مسیحیت سرپرستی (AUTHORITY) تو قبول کرتی تھی لیکن اس کی موجودگی میں پُرسکون نہ تھی۔ کیونکہ سرپرستی کا مطلب تھا پائیداری جب کہ مسیحیت مسلسل بدلتی رہتی تھی۔ اس بارے میں بار بار ہونے والے تنازعات کا چھپانا ممکن نہیں۔ پوپ کی طاقت کا سرچشمہ عقائد یا روایات میں نہیں بلکہ انہیں بدل دینے کے اختیار میں تھا۔ در اصل تغیر اسراریت (MYSTERY) کی روح رواں ہے۔ یسوع مسیح کو شاہوں اور شہزادوں کا ساتھی بنا دیا گیا۔ جنہوں نے اس کے نام سے حکمرانی کی اس کے احکامات کو بدلا۔ اور وہ انہیں کو سزا دی جن کی خاطر وہ قربان ہوا۔ جیسا کہ آج ہم وثوق سے جانتے ہیں کہ پال کو پہلے پہل عقیدے کو شکل وصورت دینے کا اعزاز دیا گیا۔ وہی پال جس نے کبھی حضرت یسوع مسیح کو دیکھا تک نہ تھا۔ اس نے مسیح کے الفاظ کو اپنے شعلہ صفت جذبات کے مطابق معنی پہنائے۔ کیونکہ اناجیل قریباً اس کی موت کے وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پال حیران کن حد تک یسوع مسیح کی ارضی زندگی سے ناواقف تھا۔ بعد میں وجود میں آنے والی اناجیل میں پائی جانے والی بعض باتوں کا وہ انکار کرتا ہے۔ پال کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کلیسا میں طنزیہ (IRONICAL) طرزِ گفتگو کو رواج دینے والا وہ پہلا شخص تھا۔ چوتھی صدی عیسوی کے شروع کا حال "گبن" (GIBBON) سینٹ ہلیری (ST. HILARY) کے حوالے سے اپنی کتاب "رومن سلطنت کے زوال" کے مختصر ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۳۹۷ پر لکھتے ہیں" کہ اس نے یہ حالات نمایاں کرنے کی بجائے کم کر کے بیان کئے ہیں۔ جن کے مطابق ایشیا کے دس صوبوں کے پادریوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو گا۔ جس نے سچے خدا کے سچے علم کو محفوظ رکھا ہو۔

ہلیری کے بقول جتنے رجحانات ہیں اتنے ہی جُدا جُدا عقیدے ہیں اور جیسی کمزوریاں ہم ہیں ہیں ویسے ہی بدنام کرنے کے طریقے بھی ہیں۔ ہم یکطرفہ طور پر عقائد بناتے اور یکطرفہ طور پر ان کی وضاحت کرتے ہیں۔ مسیح کا خدا کے ساتھ ہم مادہ HOMO-USION ہونے کا عقیدہ کبھی قبول کبھی رد کیا جاتا ہے اور بار بار پادریوں کی مجالس میں مباحثے کا موضوع بنتا ہے۔ باپ اور بیٹے کی جزوی یا کلی مشابہت کا موضوع آج کل کے ناساعد زمانے میں نزاع کا باعث بنا ہوا ہے۔ سمجھ میں نہ آنے والے اسرار کی وضاحت کے لیے ہم ہر سال بلکہ نئے چاند میں نئے نئے عقائد وضع کرتے ہیں۔ پھر اپنے کیے پر پشیمان ہوتے ہیں اور پشیمان ہونے والوں کی حمایت کرتے ہیں۔ پھر جن کی ہم نے حمایت کی تھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہم اپنے اندر پائے جانے والے دوسروں کے عقائد کو رد کرتے ہیں۔ اور دوسروں کے اندر اپنے عقائد کو بھی رد کر دیتے ہیں اور اس طرح باہم ایک دوسرے کی تباہی کا باعث بنے ہیں:

صفحہ نمبر ۳۹۸ پر کہتے ہیں "رومیوں (ROMANS) تک مسیحیت کا علم تاریک زمانے اور مشکوک تراجم کے ذریعے سے پہنچا تھا۔ جب کہ ان کی محدود اور اکھڑ زبان پوری طرح سے یونانی زبان کی اصطلاحوں کے ترجمے وغیرہ کی اہل نہ تھی۔" صفحہ نمبر ۳۹۹ پر کہتے ہیں" دنیا رمنی کونسل (CONCIL OF RIMNI) میں حضرت مسیح کے خدا کے ہم مادہ ہونے کے عقیدے (HOMO OUSINE) کے خلاف فیصلہ دیکھ کر دنگ رہ گئی تو اس شکست کو حقارت سے نامنظور کر دیا۔ اس طرح حضرت مسیح اور خدا کے ایک ہی جنس (HOMO OUSINE) کا عقیدہ اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ مغرب کے کلیساؤں میں رائج کیا گیا۔ مزید کہتے ہیں کہ "یہ کتنی جگ ہنسائی کی بات ہے کہ لوگوں کے مذہبی عقائد اور جان و مال پر اختیار تو تھا۔ طبقۂ امراء اور شہنشاہ کا، جو مذہبی عقائد و معاملات کا تقرر، اور ان میں تبدیلی وغیرہ حکماً کراتے تھے۔ جب کہ پادری اسی سلطنت کے گوشے گوشے

میں پیچھے دین کی تلاش میں سرگرداں تھے۔"

یہودیوں کا بے شرعی کی مسیحیت پر ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر خدا نے حضرت موسیٰ کے ذریعے اپنے دھوم دھام سے نافذ کئے جانے والے احکامات کو ختم ہی کرنا تھا تو یہ عمل بھی اسی سطح پر اور اسی طرح واضح اور الم نشرح ہونا چاہیئے تھا جیسا کہ نفاذ کا تھا۔ نہ کہ چپ چاپ اور اسرار کے پردے میں لپیٹ کر وہ بھی ایک تیسرے شخص (THIRD PERSON) (پال) کے ہاتھوں یہ ممکن ہے۔ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان کی بنائی ہوئی مسیحیت کی بنیادوں کی مقبولیت اور عقیدے کے معاملے کے تمام اصولوں پر انگشت نمائی ہو گی اور تیکھے سوال پوچھے جائیں گے۔ پادریوں نے تمثیلوں کی ذو معنی زبان کے پیچھے پناہ ڈھونڈلی اور جو کسر باقی رہ گئی استطاقت کے زور سے پورا کر دیا۔ تقریباً بارہ صدیوں تک مسیحیت پر معمولی اعتراض بھی سنگین خطرات سے پُر تھا علم کے تمام دروازے بند تھے اور عام کتابوں کا رکھنا پڑھنا بھی ممنوع تھا۔ انجیل کا رکھنا بھی صرف پادریوں تک محدود تھا۔ حد یہ ہے کہ تمام یورپ میں اس عرصے میں عام انسانوں کی سوچ پر بھی پابندی تھی۔ اسی لئے اسے یورپ کا تاریک دور (DARK AGES) کہا جاتا ہے۔ جس کا روح فرسا ذکر آگے آئے گا۔

عیسائی عقیدہ ہے کیا؟

یسوع مسیح کی بعد کی قریباً نصف صدی کا ذکر تاریخ کے بیان میں سیاہ دھبے کے نام سے کیا جاتا ہے۔ وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس دوران میں کیا ہوا اور کیا مقصود تھا۔ CREED یا عقیدے کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اس طرف کسی نے توجہ نہ دی پھر یہ کہا جانے لگا کہ مسیح آقا LORD ہیں۔ پھر خدا کے بیٹے ہیں۔ پال سے یہ بیان منسوب ہے کہ "مسیح ہمارے گناہوں کے لیئے موا، دفن ہوا۔ اور تیسرے دن جی اٹھا۔ (ا۔کرنتھیوں ۱۵: ۳-۴)

نقایا کی کونسل یعنی ۳۲۵ عیسوی تک اقبالی عقیدے CONFESSION OF CREED کی مختلف قسمیں مروّج تھیں۔ گوکہ نقایا کی کونسل نے مشترکہ عقیدے کی بنیاد تو رکھ دی کہ کیا ہو۔ لیکن بعد میں ہونے والی مذہبی مجالس SYNODS میں عقیدے میں ردوبدل کرنا ایک فیشن بن گیا۔ تاآنکہ ۴۵۱ عیسوی میں ہونے والی چالسڈن CHALCEDON کی کونسل نے بڑی حد تک ایسا کرنے سے گریز کیا۔ گوکہ اس میں بھی عقیدہ جھگڑے کی بنیاد بنا۔ مشہور نقایا کا عقیدے کا اقبالی بیان NICENE CREED جو کیتھولک یعنی عالمگیر ہونے کے سبب مسیحی اکثریت کا ایمان ہے۔ اس طرح ہے "میں ایک خدا۔ باپ قادرِ مطلق پر ایمان لایا جو ظاہر و باطن سب چیزوں کا خالق ہے۔ اور ایک آقا یسوع مسیح پر جو خدا کا بیٹا ہے۔ خدا سے پیدا ہے واحد جنا گیا۔ جوکہ باپ کے مادے سے ہے۔ خدا سے خدا، روشنی سے روشنی، سچے خدا سے سچا خدا، جنا گیا نہ کہ بنایا گیا۔ باپ جیسے ہی مادے کا جس کے ذریعے سے تمام چیزیں بنائی گئیں دنیا کی بھی اور آسمان کی بھی، جو ہم انسانوں کی نجات کے لیئے نیچے آیا اور گوشت پوست کا لبادہ اوڑھ کر آدمی بنا۔ اذیتیں اٹھائیں اور مرنے کے بعد تیسرے دن پھر جی اٹھا اور آسمان پر چلا گیا۔ زندوں اور مردوں کے محاسبے کے لئے پھر آئے گا۔ اور ایمان لایا روح القدس HOLY GHOST پر"۔ اس کے بعد دوسرے مذاہب اور اختلاف کرنے والوں کو گالیاں دینا بھی اس اقبالِ عقیدہ میں شامل تھا۔ لیکن یہاں تک پہنچنے میں بھی کئی مراحل سے گزرنا پڑا اور یہ عمل ابھی تک جاری ہے۔ پوپ کو یہ اختیار ہے کہ جب وہ مناسب سمجھے عقیدے یا تعلیمات کی نئی توضیع کرے۔ جس کی پابندی تمام کیتھولک مسیحیوں پر لازم ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب ہم مسیحیت کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد رومن کیتھولک کلیسا سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ تمام یورپ میں وہی برسرِ اقتدار تھا اور سولہویں صدی عیسوی

تک اس سے اختلاف ممکن ہی نہ تھا۔ آج کل کی کیفیت کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ اکیلے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۶۲ء کی مردم شماری تک مسیحیت کے ۲۵۶ فرقے تھے۔ اور رومن کیتھولک ازم کے اقتدار میں آنے یعنی چوتھی صدی عیسوی تک سینٹ ایپی فینس ST. EPIPHANIUS نے ۸۰ فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ گبن کہتے ہیں۔ مسیحیت کے شروع میں کے چند سالوں میں ہی ۱۸ فرقے وجود میں آچکے تھے۔ رابرٹ ہیل اپنی کتاب "مسیحیت کی صدیاں" CHRISTIAN CENTURIES کے صفحہ نمبر ۲۹۶ پر کہتے ہیں "مسیحیت شروع سے ہی ناقابلِ فہم تھی۔ لوگ الجھن میں پڑ جاتے تھے۔ کیونکہ حضرت عیلٰسے کے خواب کی سی حالت میں کہے گئے الفاظ کی توضیح کرنا یا سمجھنا آسان نہ تھا۔" شروع ہی سے کثرت سے فرقوں کے وجود میں آنے کی بھی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ ناستک GNOSTIC فرقہ جس کے اندر مزید کئی فرقے ہیں شروع ہی سے وجود میں آگیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ عام معنوں میں حضرت مسیح کا جسمانی وجود ہی نہیں تھا اور نہ ہی وہ مصلوب ہوئے تھے غرضیکہ بھانت بھانت کی بولیاں تھیں۔ لیکن ایک بات طے شدہ ہے کہ آغاز ہی سے یسوع مسیح کا قریب ترین حواری یعنی پیٹر یا پطرس ان کے مشن کو یہودیت کے اندر اور مسلک سمجھتا تھا۔ جب کہ خود ساختہ پیشوا پال جو انجیل میں کہتا ہے۔ میرا عقیدہ مسیح یا اس کے حواریوں کا مرہونِ منت نہیں۔ اسے مسیح کر کے عمومی UNIVERSAL بنانے پر تُلا ہوا تھا اور وہی جیت گیا۔

ایک اور اہم واقعہ جو پال کی نام نہاد مسیحیت کی تقویت اور فروغ کا باعث بنا وہ ہے ۱۱۵ عیسوی کے قریب یہودیوں کی اپنے لیڈر بار کوچبا (کوزبا)، اور ربّی اکیبا بن یوسف کی سرکردگی میں رومن حکمرانوں کے خلاف کی گئی بغاوت جو بالآخر ۱۳۱ میں شاہ حیدریان نے کچل دی۔ اس واقعے کے بعد رومن طویل عرصے تک یہود اور

ان کے اندر پائے جانے والے یسوع مسیح سے منسوب فرقوں کے استحصال اور انتشار کا باعث بنتے رہے۔ یہودیوں کے دنیا بھر میں بکھرنے (DIASPORA) کے عمل کا آغاز اسی زمانے سے ہوا۔

عبادات، رسومات اور متفرقات

انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے حواری یہودی ہیکلوں میں (ظاہر ہے) یہودیوں کی طرح ہی عبادت کیا کرتے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں ملک شام میں ملنے والے یونانی زبان میں لکھے ہوئے ایک دیواری نوٹس کے مطابق یہودی معبدوں میں غیر یہودیوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ اور خلاف ورزی کی سزا موت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس ابتدائی دور کی عبادت کے کسی الگ طریقے کے متعلق معلومات میسّر نہیں اور جو اکا دکا جزوی قسم کی معلومات ملتی ہیں وہ کافی نہ ہونے کی وجہ سے نتیجہ خیز نہیں۔ یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ مسیحیوں کا یہودیوں سے عبادات کے معاملے میں علیحدہ ہونے کا عمل کب شروع ہوا۔ اور ایسا حواریوں یا شاگردوں کی زندگی میں ہی ہوا یا ان کے بعد، بہرحال یہ طے شدہ امر ہے کہ مسیحی عبادات اور رسومات کے ادا کرنے میں ہمیشہ کی طرح اب بھی فرق ہے۔ جس میں سے پانچ اقسام کا ذکر زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن یہاں اس مسئلے کا الگ الگ ذکر نہ تو ضروری ہے اور نہ ممکن۔ تاہم بنیادی باتیں جو تقریباً سب اقسام میں مشترک ہے، اس طرح ہیں۔ پادریوں کی پس پردہ تیاری کے بعد ایک گیت PSALM سے عبادت شروع ہوتی ہے۔ جس کے بعد انجیل سے اقتباسات پڑھنے کے ساتھ وقفے وقفے سے حمدیہ گیت HYMNS ANND PSALMS گائے جاتے ہیں۔ (جن کی موسم کے مطابق بعض الگ الگ اقسام ہیں)، اس کے بعد وعظ اور عقیدہ NICENE CREED پڑھی جاتی ہے۔ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے

اس کے بعد عبادت کرنے والے لوگوں کی طرف سے رضا کارانہ نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔ جو پہلے ٹیکس کی صورت میں لازماً وصول کئے جاتے تھے۔ ازاں بعد عشائے ربانی (EUCHARIST) کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اور ایک خاص قسم کی میز (ALTER) پر صاف ستھرا کپڑا بچھا کر اس پر پاک روٹی (HOST) اور شراب رکھ دی جاتی ہے۔ روٹی پر یہ مہر لگائی جاتی ہے ICXC.NI.KA شراب میں تھوڑا سا پانی ملایا جاتا ہے۔ اس عمل کے ساتھ دعائیں جاری رہتی ہیں جن میں سے بعض خفیہ ہونے کی وجہ سے نہ سنائی دینے کی حد تک بہت آہستہ ہوتی ہیں۔ کارڈینل جیاسینٹو اشیلی (CARDINAL GIACENTO ACHILLI) نے پوپ سے لڑ کر اس راز پر سے پردہ اٹھا دیا کہ وہ خفیہ الفاظ جن کے دم کرنے سے ان کے عقیدے کے مطابق روٹی اور شراب یسوع مسیح کے جسم اور خون BODY & BLOOD میں بدل جاتے ہیں۔ "HOC EST CORPUS MEUM" اس کے بعد شکرانے کا اعلان یہ کہہ کر کیا جاتا ہے کہ "اپنے دلوں کو اٹھاؤ" (SURSUM CORDA) جواب میں کہا جاتا ہے "ہم انہیں اٹھاتے ہیں، آقا (LORD) کی جانب" پھر کہا جاتا ہے "تو آؤ ہم آقا خدا کا شکرانہ ادا کریں" اور جواب الجواب میں کہا جاتا ہے "یہ مناسب اور ٹھیک ہے" آخری جواب کو رسوم کا پیشوا CELEBRANT مختلف کلمات میں ادا کرتا ہے (VERE DIGNUM) جو ایک چھوٹے سے گیت کے بعد ان کلمات پر ختم ہوتی ہے "مقدس، مقدس، مقدس، آقا خدا، انسانوں کا خالق (SANCTUS) اس کے بعد دعوتِ ربانی یعنی (EUCHARIST) کی عبادت شروع ہو جاتی ہے۔ جس کے اجزاء یہ ہیں۔ شروع کے لاطینی زبان کے الفاظ "ربانی دعوت (EUCHARIST) کی قبولیت اور کلیسا کے لیئے دعا (TE IGITUR) زندوں کی یاد (MOMENTO DOMINE) اولیا (SAINTS) کی یاد، احسان مندی اور نجات کی دعا (HANC IGITUR)

دعوتِ ربانی کے عناصر کے بدلنے کے لئے دعا (QUAM OBLATIONEM) رسم کا بیان (QUI PRIDIE AND SIMLI MODO) یسوع کا کرب (PASSION) اور نذرانے کے تقدس کی یادگار (MEMORIAL) دعا (UNDE: ET. MEMORIS) ان کی قبولیت کے لئے دعا (SUPRA QUAE) کہ قربانی کو فرشتے آسمانی قربان گاہ (ALTER) تک لے جائیں اور اس رسم میں حصہ لینے والے اور زمینی قربان گاہ برکت (GRACE) سے بھر جائیں (SUPPLICES TE ROGAMUS) مرے ہوؤں کی یاد (MOMENTO ETIAM) اولیاؤں کے قرب کے لئے دعا (NOBIS QUOQUE) اور عقیدے کا بیان (PER QUEM) جس کے جواب میں آمین کہا جاتا ہے۔ روٹی (HOST) اور شراب کی نذر کے وقت رسم (EUCHARIST) کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں اور انہیں اُوپر اٹھایا جاتا ہے۔ (ELEVATION) اس دَور کے خاتمے پر آقا کی دعا LORDS PRAYER پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد متبرک روٹی توڑی جاتی ہے۔ جس کا ایک باریک ٹکڑا شراب کے برتن (CHALICE) میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر خدا کا برا (AGNUS DEI) نامی عبادت ہوتی ہے اور امن کا بوسہ (KISS OF PEACE) دیا جاتا ہے اور پادری آپس میں ایک دوسرے کو آگاہ کرتے ہیں اور عقیدے کے مطابق یسوع مسیح کے گوشت (نعوذ باللہ) اور خون میں تبدیل شدہ اجزاء (متبرک روٹی اور شراب) تقسیم کر کے کھائے جاتے ہیں۔ پھر ہم مشرب مذہبی شراکت کا شکرانہ ادا کیا جاتا ہے، اور عبادت ختم ہو جاتی ہے۔ جو صرف اتوار اور بعض تہواروں پر لازمی ہونے کے علاوہ کبھی کبھی دیگر موقعوں پر بھی ادا کی جاتی ہے اور MASS کہلاتی ہے۔ اس کے مختلف درجے ہوتے ہیں جن میں بلحاظ عہدہ بڑے یا چھوٹے پادری صاحبان حصہ لیتے ہیں تمام کارروائی ایک ڈرامے کی صورت لئے ہوتی ہے۔ جس میں مختلف کردار وردی

(UNIFORM) بدل بدل کر اپنا اپنا رول ادا کرتے ہیں۔ جس کے دوران میں رات ہو تو روشنی کی مقدار کم وبیش کی جاتی ہے اور خوشبوئیں جلائی جاتی ہیں۔ بعض فرقوں میں مندرجہ بالا عبادات اور رسوم کسی قدر فرق سے ادا کی جاتی ہیں۔ بہرحال اگر قاری کی سمجھ میں کوئی واضح تصور نہ اُبھرے تو یقین کرے کہ یہ بات ہی ایسی ہے۔ سلجھانے کی جتنی کوشش بھی کی جائے اُتنا ہی زیادہ الجھاؤ اور ذہنی کوفت کا باعث ہوتی ہے۔

بپتسمہ (BAPTISM) مسیحیت میں داخلے کی رسم کا نام ہے۔ اس میں پادری نئے مسیحی بننے والے یا مسیحی والدین کے بچے کو پانی میں، ممکن ہو تو غوطہ دیتے ہیں ورنہ سر اور منہ پر چھینٹے مارنے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ پادری یہ الفاظ کہتے ہیں کہ میں تمہیں باپ بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دیتا ہوں۔

(I BAPTISE THEE IN THE NAME OF FATHER SON AND HOLY GHOST)

انجیل کے مطابق خود حضرت عیسٰے نے یوحنا (JOHN BAPTIST) کے ہاتھوں دریائے اردن میں بپتسمہ لیا تھا۔

روح القدس (HOLY SPIRIT) مسیحی عقیدے کے مطابق باپ بیٹے کے ساتھ کارخانۂ قدرت میں شریک تیسری قوت کا نام ہے جو دنیا اور خدا کے درمیان مصروفِ عمل رہتی ہے۔ اس بات پر کہ اس کا منبع یا مخرج باپ ہے یا بیٹا۔ مسیحیوں میں بہت اختلاف رہا ہے۔ رومن کیتھولک کہتے ہیں کہ یہ بیک وقت باپ اور بیٹے دونوں سے جاری ہے۔ جب کہ کٹر مشرقی مسیحی (EASTERN ORTHODOX) کہتے ہیں کہ باپ سے جاری ہو کر بیٹے میں اور پھر اس سے آگے کو چلتی ہے۔ تثلیث کے عقیدے کے مطابق خدا، یسوع مسیح اور روح القدس تینوں ایک ہیں۔ (THREE IN ONE) لیکن چوتھی انجیل میں یوحنا کہتا ہے" روح القدس ابھی تک

نہیں دیا گیا تھا کیونکہ مسیح اپنے جلال کو نہیں پہنچا تھا" (یوحنا ۷ : ۳۹) گویا اس وقت تک مسیح تین میں ایک نہیں تھے۔ قاری جب اناجیل میں یہ دیکھتا ہے کہ ایک مصنف کے مطابق روح القدس نے مسیح کی پیدائش کی بشارت حضرت مریم کو دی تھی اور دوسرا کہتا ہے یہی بشارت حضرت یوسف ؑ یعنی حضرت مریم کے منگیتر کو دی گئی تھی۔ پھر اس بات کا بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اناجیل خدا کا کلام ہیں۔ اس میں تعجب کی بات یہ نہیں کہ ایک ہی واقعے، ایک ہی زمانے اور ایک ہی شخصیت کے بارے میں اتنی جلدی جلدی اور مختلف مصنفین کے ذریعے "الہام" کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ بلکہ المیہ یہ ہے کہ بعض دیگر اختلاف کے علاوہ یسوع مسیح کے شجرۂ نسب تک میں زمین آسمان کا فرق ہے! کیا خدائی ہاتھ (الہام) کا یہی ثبوت ہے؟ جبکہ حسب نسب تو ایک ٹھوس حقیقت کا نام ہے۔ جس میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور وہ بھی جب بتانے والا خود خدا (HOLY SPIRIT) یعنی تین میں سے ایک ہو۔ مزید براں خدا (تین میں ایک یعنی مسیح) کا شجرۂ نسب کیا معنی؟ کیا اس سے عیسائیوں کے عقیدے کی کہ وہ خدا تھے۔ فیصلہ کن طور پر نفی نہیں ہوتی؟

خدا کا مجسم ہونا (INCARNATION)

یہ مسیحی عقیدہ بھی بہت سے مراحل سے گزرا۔ جو شائد اب بھی ختم نہیں ہوئے بقول تھامس پین جب سچائی پیش نظر نہ رہے تو مخالف گروہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دعوے کرتے ہیں۔ اور بے وقوف عوام اسی کا ساتھ دیتے ہیں جو سب سے بڑا دعویدار ہو۔ پُرفریب الفاظ سے قطع نظر سیدھی سادی زبان میں اس عقیدے کا یہ مطلب ہے کہ خدا نے اپنے وجود کا کچھ حصہ الگ کر کے اس کا نام بیٹا یا یسوع مسیح رکھ دیا۔ پھر وہ ایک عورت کے ہاں پیدا ہوا۔ عام انسانوں کی طرح کھاپی کر پلا

بڑھا۔ دکھ درد سے آشنا بھی ہوا۔ سولی پر چڑھا اور مرتے وقت یہ نعرہ بھی لگایا "اے خدا، اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ اس سب کے باوجود وہ خود خدا ہی تھا۔ خدا کا بیٹا بھی، بالکل باپ جیسے ہی مادے (MATERIAL) کا بنا ہوا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ انسانی خصائل (HUMAN NATURE) مع شجرہ نسب کے بھی رکھتا ہے کوئی بھی سنجیدہ آدمی جسے خلوص نیت سے علم الہیات سے دلچسپی ہو، ایسے پیچ در پیچ اور ناقابل فہم عقیدے کے بارے میں کیا سوچ سکتا ہے؟ سکندر اعظم کا مصر کی فتح اور ہامون (AMUN) کے مندر کی زیارت کے وقت "خدا کا حقیقی بیٹا" کہہ کر استقبال کیا گیا تھا۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا زیر (AMUN) گویا مشاہیر کے لیئے "خدا کے بیٹے ہونے کا القاب یا تصور اس سرزمین پر یسوع مسیح سے پہلے سے موجود تھا مثلاً یہودی حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

مرنے کے بعد جی اٹھنا (RESURRECTION)

دفن ہونے کے بعد تیسرے دن جی اُٹھنے کے بیان میں اناجیل میں کافی اختلاف ہے۔ اس سے قطع نظر انجیل متی کے باب ۲۸ کے فقرہ ۱۳ میں ہے۔ "یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے تو اس کے شاگرد آکر اسے چرالے گئے"۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ سونے والوں کو چوروں کا کیسے پتہ ہو سکتا ہے کہ کون تھے۔ ظاہر ہے آخری وقت تک شاگردوں کی بے یقینی اور فرار کی موجودگی میں مسیحیت کی بنیاد اور تبلیغ کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس لیئے اس ماحول میں جہاں مشاہیر کے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے قصے پہلے سے عام تھے مثلاً تھامس پین AGE OF REASON کے صفحہ ۲۰۵ پر لکھتے ہیں مسیح کے قریباً نصف صدی قبل تشدد سے ہلاک کیئے جانے والے جولیس سیزر کے دوبارہ جی اُٹھنے کا قصہ مشہور تھا۔ چنانچہ ایسے ہی قصوں پر قیاس کرتے ہوئے مسیح کے پھر سے جی اُٹھنے کا افسانہ گھڑا گیا۔ اس کے باوجود

خود چاروں اناجیل کے اس ضمن کے بیان سے جو نمایاں پہلو جھلکتا ہے وہ پھر بھی بے یقینی ہی کا ہے۔ ملاحظہ ہو مرقس کا باب ۱۶ فقرات ۱۱ : ۱۲-۱۳ یوحنا کے باب ۲۵ کا فقرہ ۲۵ اناجیل کے پے در پے تحریف کے سلسلے میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مرقس کی انجیل کا آخری حصہ جس میں جی اٹھنے کے بعد شاگردوں کو تبلیغ کی تلقین اور معجزات تفویض کرنے کا ذکر ہے۔ بعد کی اضافہ کردہ ہیں۔ اور کہ قدیم ترین صحیفے کوڈکس وٹیکانس CODEX VATICANUS میں یہ فقرات موجود نہیں۔ گو کہ خود اس قدیم صحیفے کا مشکوک ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے۔ حضرت مسیح کے سال یا ڈیڑھ سال کی مدّت کے مشن کے سارے پس منظر کو پیش نظر رکھیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ان کو نہ صرف ان کی قوم بلکہ شاگردوں نے بھی رد کر دیا۔ اس دوران میں جو معجزات صادر ہوئے کیا وہ ایسے ہی غیر اہم تھے کہ ان سے شاگردوں تک نے کوئی اثر قبول نہ کیا؟ مردوں سے جی اُٹھنا تو اس وقت کی روایات کے مطابق کوئی انوکھی اور محیّر العقل بات نہ تھی۔ جو چند لمحوں میں بے یقینوں کو بایقین بنا دیتی۔ بلکہ اس کے خلاف دلائل بہت وزنی اور منطقی ہیں۔ اس لیئے یہ باور کرنے کرنے کی معقول وجہ ہے کہ یسوع مسیح کے مرنے کے بعد پھر سے جی اُٹھنے کا بیان غلط اور فرضی ہے۔ قدیم ترین مسیحی فرقوں میں سے ناسٹک GNOSTIC کہتے ہیں کہ حضرت مسیح مصلوب نہیں ہوئے تھے۔ تو جی اٹھنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جیسی بھی ہے مسیحیت کے پاؤں تلے کی زمین تو یہی مرنے کے بعد جی اُٹھنا (RESURRECTION) ہی ہے۔ یہ نہ ہو تو باقی کچھ نہیں رہ جاتا۔

محققین لوقا کے باب ۲۲ کی فقرات ۱۹، ۲۰ جن میں عشائے ربانی EUCHARIST عناصر کی تبدیلی (TRANS.SUB STANTIATION) اور عناصر کی ہم ذاتی (CONSUBSTANTIATION) کا ذکر ہے۔ بعد کا اضافہ قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح پال کے خطوط جن کا سہارا لیا جاتا ہے سب کے سب اصلی نہیں سمجھے جاتے اس رسم کی مشکوک ابتداء کے علاوہ اس بات پر بھی پادریوں کی مجالس COUNCILS میں بارہا جھگڑا ہوتا رہا ہے کہ آیا اس میں رکھی گئی روٹی اور شراب بعض کلمات دم کرنے کے بعد فی الواقع مسیح کے گوشت اور خون میں بدل جاتے ہیں ؟ بعض دفعہ یہ فیصلہ ہوا کہ بالکل بدل جاتے ہیں۔ جسے .TRANS SUBBSTATIATION کہا گیا اور یہ کہ اگر ایسا نظر نہیں آتا تو دیکھنے والی آنکھ کا قصور ہے۔ پھر یوں کہا گیا کہ روحانی لحاظ سے بدل جاتے ہیں۔ جب کہ دیکھنے میں اسی عام حالت میں رہتے ہیں۔ اسے ______ .CONSUBSTATIATION کہا گیا وغیرہ۔ اور یہ اس رسم یا عبادت کی حالت ہے۔ جو مرکزی کہلاتی ہے۔ کیونکہ مسیح کے ان مفروضہ اجزاء کو کھانے اور پینے والا آرام سے جنّت کا حقدار بن جاتا ہے۔ غیر مسیحی دنیا ایسا نہ سمجھے تو نہ سہی۔ مسیحی تو جوشِ محبّت میں اپنے محسن کو کھا جانا عبادت سمجھتے ہیں۔ بڑی سبق آموز بات ہے۔

گناہ کی سزا (PENANCE) اعترافِ گناہ (CONFESSION)

تقریباً زمانۂ حال تک پادری صاحبان کا وطیرہ یہ تھا کہ وہ عام مسیحیوں کو اعترافِ گناہ کی ترغیب دلاتے تھے اور اس مقصد کے لئے گرجاؤں میں علیحدہ کمرہ بنا ہوتا ہے جس میں اعتراف کنندہ پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے سزا یا معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ بعض فرقوں نے اب یہ رسم بند کردی ہے۔ جن فرقوں میں ہے ان میں بھی اب پہلے کی سی ظلم کی حد تک شدت باقی نہیں رہی۔ وہ گناہ جن کے سرزد ہونے کی صورت میں اعتراف و سزا لازمی ہوجاتی تھی یہ تھے چوری، حرام کاری، ناپاکی، شہوت پرستی، بت پرستی، جادوگری، عداوتیں، جھگڑا، حسد، غصہ، تفرقے، جدائیاں، بدعتیں، بغض، نشہ بازی، ناچ رنگ اور ان کی مانند (گلتیون ۵: ۱۹-۲۱)

اس کے علاوہ (افس ۵ : ۳، ۵) کے مطابق حرامکاری، ناپاکی، بے شرمی، بے ہودگی، ٹھٹھا بازی بھی قابلِ تعزیر تھے۔ قارئین کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص گناہوں کی اس فہرست کی زد سے بچ سکتا ہو؟ البتہ ایک طبقہ مبرا تھا اور وہ تھا پادریوں اور گرجاؤں سے منسلک دوسرے لوگوں کا یہ طبقہ عام سول قانون سے مستثنےٰ تھا۔ جو اگر سنگین ترین جرم میں بھی پکڑے جائیں تو سول بازو کا یہ فرض تھا کہ انہیں کلیسائی حکام یعنی پادریوں کے حوالے کر دیں۔ جو عام طور پر معاملے کو دبا دیتے تھے (USED TO GLOSS OVER) اور سول حکام کو قانوناً دخل اندازی کا کوئی حق نہ تھا۔ یہ رسم یا جال کس قدر ہمہ گیر تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مسیحی دنیا میں کسی زمانے میں آدمی کی شناخت کے طور پر یہ بھی پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا اعترافِ گناہ والا پادری کون ہے؟ (WHO IS YOUR CONFESSOR) گویا ہر مسیحی کسی نہ کسی پادری کی زیرِ نگرانی ہوتا تھا۔ پھر ایک طرف ترغیبِ گناہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور دوسری طرف تعزیرِ گناہ! اس پس منظر میں عام آدمی کی زندگی اجیرن تھی۔ کیونکہ پادریوں کو "خدا" نے سزا اور معافی کا اختیار بھی دے رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو انجیل متی باب ۱۶ فقرہ ۱۹، یوحنا باب ۲۰ کا فقرہ ۲۳، کرنتھیون باب ۲ فقرہ ۱۰ یہی نہیں عوام کی سوچ بھی پابندِ سلاسل تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ تقریباً سترہ صدیوں تک مسیحی دنیا میں عوام کی مثال ڈھور ڈنگروں کی اور ان کے مقابلے میں پادریوں اور طبقۂ امرا جن میں سے پادری بنائے جاتے تھے، کی مثال چرواہوں کی سی تھی تو حقیقت سے زیادہ دور نہ ہوگا۔ عوام کی جان، مال اور عزت پادری صاحبان کے رحم و کرم پر تھی۔ جنہیں وہ حسبِ خواہش مختلف بہانوں سے بے دھڑک پامال کرتے تھے۔ زیرِ سزا (PENITENTS) یا توبہ کرنے والوں کی سزائیں ملاحظہ ہوں۔ جس کے لباس پہ آگے پیچھے دونوں طرف نمایاں طور پر صلیب کا نشان سی دیا جاتا تھا۔ ان کی قسمیں یوں تھیں (۱) رونے والے

(WEEPERS) یہ چھڑی لے کر گرجا کے دروازے پر سر جھکائے گھٹنے کے بل کھڑے رہتے تھے۔ اور گرجا میں آنے والوں پر یہ لازم تھا کہ ان پر تھوکیں، گالیاں دیں، اور دل چاہے تو چھڑی سے ماریں (۲) سننے والے (HEARERS) جو گرجا کے اندر ایک مخصوص جگہ پر کھڑے ہو کر عبادت کے مخصوص حصے سن سکتے تھے۔ جب کہ سنجیدہ عبادت شروع ہونے سے پہلے باہر نکال دیئے جاتے تھے۔ (۳) سجدہ ریز (PROSTRATES) انہیں گرجا کے اندر عبادت میں شمولیت کی اجازت تھی۔ لیکن سجدے یا گھٹنوں کے بل حالت میں خاص عبادت کے وقت یہ بھی گرجا سے باہر نکال دیئے جاتے تھے۔ (۴) کھڑے رہنے والے (STANDERS) یہ کھڑے رہ کر توبہ کے متعلق گیت گاتے تھے۔ یاد رہے کہ مقررہ اوقات اور گرجے میں ان لوگوں کی حاضری لازمی تھی۔ ان بدقسمت "مجرموں" کے ساتھ ہمدردی کا اظہار خطرناک بات تھی۔ کیونکہ ایسا کرنے والے خود بھی لیئے جاتے تھے۔ انہیں ملازمت دینا یا ان کے ساتھ میل جول رکھنا ممنوع تھا۔ نارنجی رنگ کی صلیب پہنے جو بھی جہاں سے بھی گزرتا تھا اس پر لعن طعن، گالی گلوچ، تھوکنا، دھکے دینا یا کم از کم نفرت کا اظہار کرنا سب کی ذمہ داری تھی۔ اس زندہ دوزخ سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ کسی نہ کسی طرح بڑے پادری (BISHOP) کو خوش کیا جائے کیونکہ وہی معافی کے لیئے با اختیار تھا۔ اس مقصد کے لیے "رجوع کرنا" بھی گناہ گار کا فرض تھا ورنہ ایک مقررہ مدت گزرنے کے بعد جان سے ہاتھ دھونے کا خطرہ ہوتا تھا۔ ایسے گنہگاروں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا تھا جس کی وقتاً فوقتاً پڑتال اور چھان بین ہوتی رہتی تھی۔ آگے چل کر اس موضوع پر احتساب یا تطہیر (INQUISITION) کے بیان میں تفصیل سے ذکر آئے گا۔

کفّارہ (ATONEMENT)

اس مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت آدم ؑ کی ساخت میں (نعوذ باللہ) گناہ کی آمیزش ORIGINAL SIN ہو گئی تھی۔ جو نسلاً بعد نسلاً اولادِ آدم میں چلی آ رہی تھی۔ ایک طویل عرصے بعد جب خدا کو اس کا احساس ہوا جو کیتھولک عقیدے کے مطابق "ضروری" تھا۔ تاکہ حضرت مسیح کی قربانی سے اسے دور کیا جائے اور یہ کہ یہ ایک خوشگوار "غلطی" تھی۔ جس کے بدلے میں ایسے بڑے نجات دہندہ کا استحقاق ملا۔ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

O' TRULY SIN OF ADAM WHICH WAS ERASED BY CHRISTS DEATH

O' HAPPY FAULT WHICH DESERVED TO HAVE SUCH A GREAT REDEEMER(CHAMBERS ENCYCLOPAEDIA).

تو اس عقیدے کے مطابق بنی نوع انسان کے کبیرہ صغیرہ سابقہ اور مستقبل کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ ۱۔پطرس کے باب ۳ کے فقرات ۱۹-۲۰ کے مطابق انہوں نے "حضرت نوح ؑ" کے زمانے سے لے کر جو روحیں قید تھیں (جہنم میں)، انہیں بھی نجات دلائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اور کسی طریقے سے انسان کی نجات ممکن نہ تھی۔ لیکن بہت سے دوسرے متضاد دعوؤں کی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "قانون کی حکمرانی کی شہادت کے لیئے اور امن امان کے حق میں ایسی سزا ضروری تھی۔ چنانچہ مسیح کی موت سے تعزیری سزا کا مطلب لیا جاتا ہے"۔

IN THE INTEREST OF ORDER, AND AS WITTNESSING TO AUTHORITY OF LAW, SUCH PUNISHMENT was DESIREABLE,

SO THE DEATH OF CHRIST IS INTERPRETED AS A PENAL EXAMPLE, (CHAMBERS ENCYCLOPAEDIA)

اس کے ساتھ ساتھ تقدیر (PREDESTINATION) اور برزخ (PURGATORY) کے عقائد پر نظر رکھیں تو یہ عجیب و غریب صورتِ حال ابھرتی ہے کہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق خدا نے اپنے بیٹے کی قربانی دے کر بنی نوع انسان کے اندر پائے جانے والے طبعی گناہ (ORIGINAL SIN) کے اثرات کو زائل کر دیا جس کے ساتھ ہی انسان کو تمام قوانین سے آزاد کر کے ابدی نجات کا حقدار بنا دیا۔ بشرطیکہ وہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لے آئے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر نوحؑ سے لے کر حضرت مسیح تک کے زمانے کے غیر مسیحی نجات کے حقدار ہیں تو مسیح کے بعد کے کیوں نہیں؟ کیونکہ قربانی تو تمام بنی نوع انسان کے طبعی گناہ کے عوض دی گئی جو حضرت آدمؑ سے چلا آ رہا تھا۔ نہ کہ کسی خاص طبقے، فرقے یا زمانے کے لوگوں کے لئے۔ لیکن تقدیر کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ قادرِ مطلق کو پہلے سے معلوم ہے کہ کون سا انسان گناہ یا نیکی کا کام کب اور کیسے کرے گا؟ جس میں اس کے اپنے فعل میں مختار رہنے کو کوئی دخل نہیں کیونکہ اس کے سارے کام ودیعت کردہ قوت کے سہارے ہی سرانجام پاتے ہیں اس کے باوجود وہ ان کے مطابق ہی آخرت میں اچھے یا برے انجام کا مستحق قرار پاتا ہے۔ پھر جب موت کے ساتھ ہی اس عقیدے PREDESTINATION کے مطابق سزا یا جزا کا مرحلہ آجاتا ہے تو ارواح کا عالم برزخ میں معلق رہنے کا کیا مطلب؟ اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ مسیح کے مصلوب ہونے سے اعمال و افعال کے سب قوانین الٰہیہ منسوخ ہو گئے اور جنت یسوع مسیح پر ایمان لانے والے ہر انسان کا مقدر بن گئی۔ کیا یہ متضاد عقیدہ نہیں؟ اصل میں بازی مسیح کے مدتوں بعد

آنے والے پادریوں اور حکمرانوں کے ہاتھ تھی، جو چاہا بنا لیا۔ اگر کسی نے مخالفت کی تو اسے طاقت سے دبا دیا۔

مغفرت (ABSOLUTION)

حضرت مسیح پطرس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں "میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا۔ اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا (متی باب ۱۵ فقرہ ۱۹) مفروضہ یہ ہے کہ پطرس سے یہ اختیار خود بخود پوپ کو منتقل ہو گیا اور پوپ سے بڑے پادریوں (BISHOP) تک۔ البتہ اس سے کم درجے کے پادری صاحبان کو اجازت نامے اور لائسنس (LICENSE) دیئے جاتے تھے تو انہیں بھی اختیار حاصل ہو جاتا تھا کہ وہ جسے چاہیں گنہگار اور مستوجب سزا ٹھہرائیں۔ جسے چاہیں معاف کر دیں۔ سولہ صدیوں تک بندے اور خدا کے درمیان پادری اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ راستے میں کھڑا تھا۔ جو شائد کہیں کہیں اب بھی موجود ہو۔ اس میں جرأت نہ تھی کہ پادری کی اجازت کے بغیر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ اسے اچھی طرح ڈرل قواعد کرا دی گئی تھی کہ خدائی معاملات نہایت مہیب خطرات سے پُر ہیں۔ جن سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے اور پادری کی مستقل خوشنودی کا۔ پادری خوش تو خدا خوش، پادری ناراض تو نتیجہ ظاہر ہے! کنجیاں تو بہر حال پادری کے ہاتھ میں ہیں۔ عوام کی زندگی پر اس کُلی اختیار نے آگے چل کر ایسے شرمناک سکینڈل کی شکل اختیار کی کہ آج کا انسان اس اذیت ناک صورتِ حال کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کا قدرے مفصل ذکر "معافی نامے یا (INDULGENCE) کے ضمن میں آگے آئے گا۔

لعنت اور قطع تعلق (ANATHEMA.EX.COMMUNICATION)

کسی مسیحی کی سرکشی یا عدم تعاون کی صورت میں پادری ان سزاؤں کا اعلان کرتے تھے۔ لعنت کا مطلب تھا کہ مجرم کو شیطان کے حوالے کر دیا گیا۔ کہتے ہیں قطع تعلق کی سزا اگر نرم ہو تو صرف کلیسا کی برکتوں سے محروم سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر سخت ہو تو مسیحیوں سے میل جول کی بھی ممانعت ہوتی تھی جسے ٹھیٹھ زبان میں حُقّہ پانی بند کرنا کہہ سکتے ہیں۔ گویا لعنت اور قطع تعلق کی شدید قسم، ایک ہی نوعیت کی سزائیں تھیں، اصلاح کے لیئے ایک مُدّت مقرر ہوتی تھی۔ جس کے اندر اندر مجرم پر لازم تھا کہ وہ سابق پر نادم ہو، سزا بھگتے اور آئندہ کے لیئے تابعداری کا یقین دلائے۔ ورنہ "کارِخیر" کے لیئے اسے حکام کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ ایسے شخص کو زندہ جلا دیا جائے۔ یہ کارِخیر یا ACT OF FAITH جو تاریخ میں AUTO-DA-FE کے نام سے جانا جاتا ہے۔ "عیسائی ایمان" کا نقطۂ عروج تھا۔ جس کی مثالیں تاریخ میں نہایت کثرت سے ملتی ہے۔ اس ظالمانہ عمل کا سراغ کسی نہ کسی شکل میں انیسویں صدی کے آغاز تک ملتا ہے۔ تفصیل سے آگے ذکر آئے گا۔

اِختلاف، بدعت یا شرک (HERESY)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مسیحیت سے مراد پندرہ صدیوں تک صرف وہ عقیدہ تھا جو رومن کیتھولک کلیسا کے نزدیک درست ہو۔ جس سے اختلاف سنگین قسم کا شرک تھا۔ جو بالآخر مشرک کی دردناک موت پر منتج ہوتا تھا۔ اس طرح پندرہ صدیوں تک تمام یورپ کا حکمران مذہب یعنی صرف اور صرف رومن کیتھولک مسیحیت تھا۔ کیونکہ شاہ کانسٹنٹائن کے خیال میں مذہبی اختلاف معاشرے

کے حق میں بُرا تھا۔ اسی طرح شاہ جسٹینین ۵۶۵ - ۴۸۲ (JUSTINIAN) کے عہد میں کٹّر کیتھولک عقیدہ باقاعدہ شاہی فرمان کے ذریعے مسلّط کیا گیا۔ اور مشرکوں کے لیئے سزائیں تجویز کی گئیں۔ ۳۸۵ء میں مذہبی اختلاف کی بنا پر پرسیلین (PRISCILLIAN) کو موت کی سزا دی گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کانسٹنٹائن کی سرپرستی کے ساتھ ہی آئندہ کے لیئے کلیسا حکومت کا ایک بازو یا محکمہ بن گیا۔ البتہ سولہویں صدی عیسوی سے مخالف تحریکیں زور پکڑتی گئیں اور مارٹن لوتھر نے پروٹسٹنٹ (احتجاج کرنے والے) تحریک کے نتیجے میں وجود میں آنے والی مسیحیت کی بنیاد رکھی۔ کیتھولک کلیسا کے نزدیک اختلاف یا شرک اب بھی جرم ہے۔ لیکن سزا کے بارے میں خاموش ہے۔ کیونکہ مخالفین کی تعداد اور زور اب بہت زیادہ ہے۔ ۱۹۶۲ء میں اکیلے امریکہ میں ایسے مخالف فرقوں کی تعداد ۲۵۶ سے زیادہ تھی۔

مذہب کی آزادی اور رواداری

(RELIGIOUS LIBERTY & TOLERATION)

مغربی یا مسیحی دنیا میں یہ دونوں تحریکیں حالیہ زمانے کی پیداوار ہیں۔ جرمنی میں صلح نامہ آگسبرگ (AGUSBURG) ۱۵۵۵ء کے مطابق حکمران کیتھولک یا پروٹسٹنٹ دونوں میں سے مسیحیت کا کوئی ایک مذہب اختیار کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی رعایا کو بھی اسی کا مذہب اختیار کرنا لازمی تھا۔ مغربی پھالیہ (WEST PHALIA) کے معاہدے میں بھی یہی شرائط طے پائی تھیں۔ اس معاہدے کی رُو سے ۳۰ سالہ جنگ کا خاتمہ ہوا۔ اور ایک نئے فرقے کالونزم (CALVINISM) کے اختیار کی بھی اجازت دی گئی۔ امریکہ کی ریاست نیو انگلینڈ کے آبادکاروں کی اکثریت وہ انگریز تھے جو پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق

رکھتے تھے اور ان کی ہجرت کی بڑی وجہ انگلستان میں اس وقت پائی جانے والی مذہبی ناروا داری بھی تھی لیکن نئے ملک میں جاکر انہوں نے وہی ظلم و تشدد غیر پروٹسٹنٹوں پر شروع کر دیئے۔ رومن کیتھولک کلیسا کے لیئے دوسرے فرقوں کے وجود کا انکار ممکن نہیں۔ اس کے باوجود اس نے مذہبی رواداری کے اصولوں کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ "غلطی کے امکان سے ماورا سچا اور نجات کا واحد ذریعہ ہے"۔ اس لیئے اس کے ماننے والوں پر فرض ہے کہ ممکن ہو تو انحراف کو جسے وہ تباہ کن غلطی (FATAL ERROR) کہتے ہیں۔ پھیلنے سے روکنے کے لیئے طاقت بھی استعمال کریں۔ یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ شروع سے مسیحیت کا رویہ دوسرے مذاہب کے ساتھ بلکہ خود مسیحیت کے فرقوں کے۔ بجائے ایک دوسرے کے ساتھ متشددانہ رہا ہے۔ تاوقتیکہ ٣٢٥ ء میں کانسٹنٹائن نے مسیحیت کے منتشر عقائد کو حکماً رد کر کے اپنی مرضی کے مطابق بنیادی عقیدے کے خدوخال کا تعین کیا۔ کیونکہ پادریوں کے متحارب دھڑے کسی متفقہ عقیدے پر پہنچنے سے قاصر تھے۔

مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ پندرھویں صدی کے آخر سے لے کر مسیحی غلبے کے بعد تک سپین میں واضح طور پر نظر آنے والا فرق مذہبی تشدد کا تھا۔ مختلف مذاہب کے باہمی محبت اور رواداری کے جس پھول کو مسلمانوں نے بڑی محنت اور دیانت داری سے آٹھ صدیوں تک پروان چڑھایا تھا۔ مسیحیوں نے غالب آتے ہی آنِ واحد میں بے رحمی سے کچل کے رکھ دیا۔ جب بنیاد کا یہ عالم ہو کہ پال جیسا اہم پیشوا چیخ چیخ کر اور اپنے کپڑے پھاڑ کر دیگر مذاہب کے معابد میں جاکر لوگوں کو اپنے اپنے انداز میں عبادت کرنے سے منع کر سکتا ہے (ملاحظہ ہو اعمال کا باب ۱۴، فقرہ ۱۳-۱۴) تو پیروکاروں سے رواداری اور شریفانہ طرزِ عمل کی توقع

کیوں کر کی جاسکتی ہے؟ ہوسکے تو تمام دنیا کو مسیحی بنا لینے کے حق میں عیسائیت کے ایک ستون تھامس ایکوی ناس کے حکم کے مطابق پوپ کی ایک دلیل یہ ہے کہ جب " ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ انسان کی نجات کا واحد راستہ مسیحیت قبول کر لینے میں ہے۔ تو پھر اگر تمام دنیا کے غیر مسیحیوں کو زبردستی بھی عیسائی بنا لیا جائے تو یہ ہمارا حق ہے"۔ یاد رہے کہ ہر پوپ اپنے بارے میں معصوم اور بے خطا (INFALLABLE) ہونے کا دعویدار ہوتا ہے۔ مارٹن لوتھر کا سب سے زوردار وار اسی عقیدے یا دعوے پر تھا۔ ولیم پریس کوٹ اپنی کتاب فرڈیننڈ اور ازابیلا کے صفحہ ۵۱۹ پر لکھتے ہیں" کہ پوپ کی طرف سے یہ اذن عام تھا کہ مذہب (مسیحیت) کی خاطر کیا گیا کوئی ظلم، ظلم نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ اس اجازت کا پادری خوب فائدہ اٹھاتے تھے"۔ ایسے بلند ترین مقام سے ظلم کی ترغیب کی موجودگی میں مسیحیوں نے اگر کبھی ظلم نہیں کیا تو بہ امر مجبوری یا سیاسی اور مادی وجوہات پر نہیں کیا۔ ورنہ بطور عادت مذہبی رواداری کا حالیہ زمانے کی مصلحتوں کے علاوہ گزشتہ دو ہزار سال میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

تثلیث (TRINITY)

ممکن ہے ہندوستان سے واپسی پر سکندر اعظم اپنے ساتھ کچھ ہندو برہمن اور بدھ بھکشو لے گیا ہو۔ جنہوں نے اسکندریہ میں آباد ہو کر اوتاروں وغیرہ کا تصور پیش کیا ہو کہ خدا انسانوں کی شکل میں جنم لے سکتا ہے۔ ان کے ہاں برہما، شوا اور وشنو کی شکل میں تثلیث بھی موجود تھی۔ تاہم عیسائیت کے آغاز میں اس تین میں ایک اور ایک میں تین یعنی تثلیث کے عقیدے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس لئے کہتے ہیں شروع کی تقریباً تین صدیاں زیادہ تر اسی کے متعلق پیدا ہونے والے مختلف مسائل اور جھگڑوں کو سلجھانے میں گزریں۔ کیونکہ اناجیل سے خدا کے

اس طرف وجود کی کوئی سند نہیں ملتی ۔ چونکہ عیسائیت کا رخ اب غیر یہودی اقوام کی طرف تھا جو طرح طرح کے دیومالائی عقائد رکھتے تھے جن میں سے ایک تثلیث بھی تھا ۔ مثلاً مصری آمون را AMON-RA موت (MUT) اور خونس (KHONS.) ایرانی مصری، یونانی اور رومی اقوام کے نزدیک خدا کسی تین پہلو چیز کا نام تھا ۔ ان کا ایک خدا (OSIRIS) مارے جانے کے بعد پھر سے جی بھی اُٹھا تھا ۔ اس بات کا غالب امکان ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں سب سے پہلے پادری تھیوفلس THEOPHILUS نے ان اقوام کو خوش کرنے کے لیئے یسوع مسیح کا ذکر تثلیث (TRINITY) کی صورت میں کیا ہو اور تیسری صدی میں یہ اصطلاح عام ہوگئی ہو ۔ اناجیل میں ایسا کوئی ذکر یا اشارہ نہ ہونے کی وجہ سے کہ ایک خدا کی تین جدا جدا شخصیتیں ہیں ۔ مشرق کے پادریوں نے خاص طور پر تثلیث کی سخت مخالفت کی جس کی وجہ سے شہر در شہر جھگڑے اور فساد ہوئے اور خود کیتھولک انسائیکلو پیڈیا کے مطابق کانسٹنٹائن کے نزدیک تمام پادریوں کو ایک جگہ جمع کرکے سمجھوتہ کرانے کے سوا ملک سے بدامنی دور کرنے کا اور کوئی چارہ نہ تھا ۔ چنانچہ ۳۲۵ عیسوی میں نقایا کے مقام پر پادریوں کا اجلاس منعقد ہوا جو تقریباً دو ماہ جاری رہا ۔

پادری ایریس (ARIUS) کی سرگرمی میں ایک فریق کا کہنا تھا کہ یسوع مسیح چونکہ خدا کے بیٹے ہیں اس لئے ایک وقت وہ عدم موجود تھے ۔ اور ظاہر ہے کہ باپ کے بعد وجود میں آئے ۔ لہٰذا وہ محدود (FINITE) ہونے کی وجہ سے (INFINITE) غیر محدود خدا کے برابر کا درجہ نہیں رکھ سکتے ۔ دوسری طرف جس کا سرکردہ پادری اتھنیشس ANTHNASIUS تھا ، کا کہنا تھا کہ بیٹا باپ ہی کے جوہر سے تھا ۔ خدا سے خدا ، روشنی سے روشنی ، سچے خدا سے سچا خدا ، جنا ہوا نہ کہ بنایا ہوا ۔ باپ کی طرح کے ہی جوہر کا ۔

ایم کلنٹن اور سٹرونگ اپنے انسائیکلوپیڈیا میں لکھتے ہیں کہ پادریوں کی اکثریت اتھنیئیس کے ساتھ تھی۔ چنانچہ قیصرِ روم کانسٹنٹائن کے حکم سے یہ غیر متعلقہ عقیدہ جس کا صحائف میں کوئی ذکر نہیں مسیحیت کا جزو ایمان (CREED) بنا دیا گیا۔ اس بارے میں اے ملر (A.MILLER) اپنی کتاب کلیسا کی تاریخ میں کہتے ہیں کہ کانسٹنٹائن جسے عظیم عیسائی شہنشاہ کہا جاتا ہے نے اعلانیہ مسیحیت کو بت پرستی کے ساتھ غلط ملط کر دیا۔ لیکن جھگڑا پھر بھی ختم نہ ہوا۔ ایریس (ARTIUS) کے سادہ اور واضح دلائل لوگوں میں مقبول تھے۔ گبن (GIBBON) نے ایک ہم عصر شاہد کا بیان اس طرح نقل کیا ہے کہ "لوگوں میں اپنے عقائد پھیلانے کا اس قدر شوق تھا کہ اگر آپ سکہ بھنانے جائیں تو آپ کو بتایا جاتا تھا کہ بیٹا باپ سے کس طرح مختلف ہے اور اگر آپ روٹی خریدنے جائیں تو بن پوچھے آپ کو بتایا جاتا تھا کہ بیٹا باپ سے کم تر ہے اور اگر آپ یہ پوچھیں کہ حمام تیار ہے؟ تو جواب ملے گا کہ بیٹا عدم سے وجود میں آیا تھا!" کیتھولک کارڈینل نیو مین NEW MAN نے بھی اس زمانے میں پادری ایریس کے عقیدے کی مقبولیت کا ذکر کیا ہے جو کہ واضح اور سمجھ میں آنے والا تھا۔ اس کے مقابلے میں اتھنیئیس کا عقیدہ اور تشریح متضاد بیانات پر مبنی تھی اور حکماً ایسے عقیدے کا مطالبہ کیا جاتا تھا جو عوام کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مقامات پر ایریس کے خیالات کی بالادستی تھی۔ لیکن ۳۷۹ میں قیصر تھیوڈوسیس (THEODOSIUS) کے تخت نشین ہوتے ہی حالات کا رخ بدل گیا۔ اس نے اعلان کیا کہ ہمارے نزدیک نقایا میں منظور شدہ (کٹر) عقیدہ درست ہے اس لئے آیئے ہم یقین کریں کہ خدا کی ہستی باپ، بیٹے، اور روح القدس پر برابر برابر مشتمل ہے اور ایک مقدس مثلث (HOLY TRINITY) ہے۔ اور ہم حکم دیتے ہیں کہ اس عقیدے کے ماننے والے کیتھولک مسیحی ہونے کا القاب اپنائیں اور ہمارا فیصلہ ہے کہ باقی سب شدید پاگل ہیں۔ اس لیئے ہم انہیں مشرک اور منحرف قرار دیتے

ایس۔ ای واٹکنز (E.WATKINS) اپنی کتاب "CHURCH IN COUNCILS" جسے کیتھولک کلیسا کی منظوری بھی حاصل ہے میں کہتے ہیں کیتھولک عقیدے پر زور دینے کے لئے تھیوڈوسیئس نے ۳۸۱ میں پھر پادریوں کو مجتمع کیا اور دوبارہ اپنے شہنشاہی اثر کے تحت کیتھولک عقیدہ کی تشریح اس طرح کرائی کہ خدا تین پہلوؤں پر مشتمل (SUPREME TRIAD) یعنی (GOD) FATHER, SON, AND HOLY GHOST. ہے۔ گبن کہتے ہیں کہ تھیوڈوسیئس نے مقرر کردہ تثلیث کے عقیدے کو نہ ماننے والوں کے خلاف سخت سزاؤں کا اعلان کیا۔ اور ان کے بچ نکلنے کے راستے بند کرنے کے لئے اس نے سختی سے احکام جاری کیئے کہ اگر کسی قانون کا کوئی سقم انہیں بچ نکلنے میں مددگار ہو سکتا ہو تو ایسے قانون کو غیر قانونی، دھوکے کی پیداوار یا جعلی سمجھ کر رد کر دیا جائے۔ اس طرح یہ غیر متعلقہ عقیدہ جس کا صحائف میں کوئی ذکر نہیں عوام پر زبردستی ٹھونس دیا گیا۔

خدا کی "والدہ" MOTHER OF GOD

افیسس (EPHESUS) کے مقام پر ۴۳۱ عیسوی میں منعقد ہونے والی پادریوں کی تیسری عالمی کانفرنس میں حضرت مریم کو خدا کی والدہ کا درجہ عطا ہوا۔ مزید برآں قسطنطنیہ کی ۵۵۳ء کی منعقدہ کونسل کے مطابق یہ طے ہوا کہ وہ دائمی کنواری (EVER VIRGIN) ہیں۔ باوجود اس کے کہ حضرت مسیح کے علاوہ ان کے اور بچے بھی تھے۔ کلیساؤں میں حضرت مسیح کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت بھی کی جانے لگی جو MARY WORSHIP کہلاتی ہے۔ اس سے پہلے رومیوں کے مذہب میں بھی قریباً ۲۰۰ ق م سے خدا کی ماں (MAGNA MATER) نامی عبادت شامل تھی۔ ظاہر ہے بعض دوسرے عقیدوں کی طرح یہ رومن عقیدہ بھی مسیحی بنا لیا گیا۔ بعد میں ایک پوپ نے ایک حکم

(BULL) کے ذریعے سے حضرت مریم کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بارے میں یقین لانے کا حکم دیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اسے اس بات کا کشف ہوا ہے اور جو اس پر ایمان نہیں لائے گا اسے مسیحیت سے خارج کر دیا جائے گا۔ جس کا مطلب سنگین خطرات مول لینا تھا۔

صلیب (CROSS)

صلیب کا نشان عیسائیت کے بہت پہلے سے بعض اقوام میں پُراسرار مذہبی معنوں میں مستعمل تھا۔ اٹلی میں ماقبل تاریخ کے آثارِ قدیمہ میں بھی کہیں کہیں صلیب کا نشان پایا گیا ہے۔ گال (جرمن) اقوام کا بھی یہ قومی نشان تھا جسے کانسٹنٹائن نے اپنا کر اپنے جھنڈے کی زینت بنایا تھا۔ بعض اقوام صلیب کے نشان کا تعلق سورج دیوتا (SUN GOD) سے ملاتی تھیں۔ جس کی پرستش مصر، بحیرہ روم کے اطراف اور رومن اقوام میں عام تھی۔ اسی طرح ہسپانوی جب امریکہ پہنچے تو انہوں نے یہ نشان وہاں کی بعض اقوام میں بھی پایا۔ ہندوستان کی ہندو اقوام میں بھی صلیب سواستیکا اور ترشول کی شکلوں میں زمانۂ قدیم سے موجود تھی۔ انگلستان میں بھی بعض جگہ صلیب بطور حد بندی کے نشان کے مستعمل تھی۔ مسیحیت میں صلیب کا سراغ تیسری صدی سے ملتا ہے۔ رومیوں میں یہ رواج تھا کہ جب غلاموں یا گھٹیا طبقوں کے مجرموں کو سزا دینا ہوتی تھی تو انہیں مصلوب کرنے کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔ حقائق بتاتے ہیں کہ اس نشان کے ہر دلعزیز ہونے کی وجہ سے بعد میں اسے بھی اپنا کر مسیحیت کا لبادہ اوڑھا دیا گیا۔

پاپائیت (PAPACY)

روم (ROME) رومن بادشاہت کا دارالحکومت ہونے کی حیثیت سے بڑا شہر اور حکمران طبقے سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے رومن خاندانوں کی جائے رہائش تھا۔ اس شہر کے بشپ پادری نے کیونکر اور کب مسیحی دنیا کا روحانی پیشوا ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کا ذکر ابتدائی دور میں ۴۶۱ عیسوی سے ملتا ہے۔ دوسرے بڑے شہروں مثلاً انطاکیہ، قسطنطنیہ، یوروشلم، سکندریہ کی طرح روم بھی ایک علاقائی (DIOCESE) مرکز تھا۔ جس کے اطراف کے کم تر حیثیت کے پادری مذہبی اور انتظامی امور میں روم کے بشپ یا بڑے پادری سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ جسے عموماً اہمیت دی جاتی تھی۔ کیونکہ وہ ان ہی رومن خاندانوں میں سے حکمران کی طرف سے کچھ رقم کے عوض نامزد کیا جاتا تھا جو دارالحکومت روم سے قسطنطنیہ لے جانے کے بعد پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لئے سیاسی اثر ورسوخ کے مالک تھے اس علاقائی برتری کے علاوہ کیتھولک پوپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت یسوع مسیح کے سرکردہ حواری یا شاگرد پیٹر کے علاوہ پال کو بھی روم میں قتل کیا گیا تھا۔ اس مفروضے کو بھی روم کی برتری کی وجہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ جیسا کہ سینٹ جیروم نے اسی دور میں کی جانے والی انجیل کی تحقیق اور تدوین کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر ہر گرجا کی الگ انجیل تھی۔ اسی طرح بعض روایتوں کو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گھڑ کر رواج دیا جاتا تھا۔ تاکہ ان سے بوقتِ ضرورت فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ اس ضمن میں سینٹ پیٹر کے روم میں مارے جانے کی مثال دی جا سکتی ہے۔ انجیل میں مندرج خطوط میں ہم عصر مصنف، پال کے سلسلے میں تو روم کا نام روم ہی لکھتے ہیں۔ لیکن کیتھولک حضرات مُصر ہیں کہ خطِ موسومہ (۱) پیٹر کے باب ۵ کے فقرہ ۱۳ میں پیٹر کے بابل میں ہونے کے ذکر سے مراد بھی اس کا روم ہی میں ہونا ہے۔ کروڑوں کی تعداد میں پروٹسٹنٹ فرقہ اس مفروضے کو جھوٹ قرار دیتا ہے۔ اگر ہم اس بات کو مدنظر رکھیں کہ ناقدین بڑے وزنی

دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ انجیل میں پائے جانے والے متعلقہ خطوط جعلی ہیں۔ تو پال کے روم میں قتل کیے جانے کا بھی کوئی جواز نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض پوپ حضرات نے اپنے عہدے، مراعات اور مقام یعنی روم کی اہمیت کو بلند کرنے کے لئے جعلی دستاویزات بھی بنائیں جو تاریخ میں FALSE DECRETALS کے نام سے جانی جاتی ہیں تو یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ پیٹر اور پال کی روم میں ہلاکت کا دعویٰ بھی فرضی ہے۔ اسی طرح نچلی سطح کی مذہبی تنظیمیں بھی مراعات اور جائیدادیں غصب کرنے کے لئے جعلی دستاویزیں بنانے میں کسی سے پیچھے نہیں تھیں۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں روم کا تعلق مشرق سے ڈھیلا پڑتا گیا توں توں مغرب میں پوپ کا وقار بڑھتا گیا اور اسی نسبت سے اس باوقار اور منافع بخش گدی کے لئے رومن خاندانوں میں مقابلہ بھی بڑھتا گیا۔ جس کے لئے دھونس، دھاندلی، رشوت (SIMONY) اور قتل تک سے گریز نہ کیا گیا۔ مذہبی اور روحانی پیشوائی کے دعوے کے ساتھ ساتھ پوپ شان و شوکت کی زندگی گزارتے تھے۔

پوپ پائس دوئم (PIUS II) کا کہنا ہے کہ پوپ کا دولت مند ہونا لازمی ہے اور شان و شوکت اور دولت با اختیار ہونے کے ساتھ ضروری ہیں۔ پوپ سکندر ششم (ALEXANDER VI) کو مکمل بدمعاش کہا جاتا تھا اور اس کے بارے میں کسی کو شک و شبہ نہیں تھا کہ وہ انجیل پر یقین نہیں رکھتا تھا اور کلیمنٹ ہشتم (CLEMENT VIII.) نے اپنے ۱۵۹۲ - ۱۶۰۵ کے عہد میں حکم دیا کہ آئندہ تمام کیتھولک مسیحی انجیل کی ایک تصحیح شدہ شکل (CORRECTED VERSION) استعمال کیا کریں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پوپ کے بارے میں انیسویں صدی تک یہ دعویٰ کیا جاتا رہا کہ اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اور اس کے ہاتھوں اور قدموں سے کی گئی ایک ایک حرکت خدا کے ایماء سے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ کسی

تنقید یا شک و شبہ سے بالاتر (INFALLABLE) ہے۔ البتہ انیسویں صدی سے اتنی ترمیم کر دی گئی ہے کہ جب وہ مذہبی معاملات کے بارے میں بات کرے، تو شک و شبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔

(۱۸۸۰ء میں کی جانے والی اس ترمیم کے موقعے پر بشپوں کے جارحانہ اور گستاخانہ رویے کا ذکر مؤرخ (J.H.NEWMAN نے کیا ہے) کیونکہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ پوپ اور خدا کے درمیان روح القدس کے ذریعے براہِ راست اور مسلسل رابطہ قائم رہتا ہے۔

جب ہم پاپائے روم کی فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں قریباً تیس نام ایسے نظر آتے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پاپائیت کے مخالف (ANTI POPE) تھے۔ تو اس عرصے میں خدا سے قائم مسلسل رابطے کا کیا ہوتا ہو گا! اور ایسے اشخاص کو پوپ یا اینٹی پوپ کہنے کا حق کن لوگوں کو اور کس بنیاد پر حاصل تھا؟ جب کہ پوپ کی گدی پر تعیناتی صدیوں تک حکمّا سول اتھارٹی کی طرف سے یا چند رومن خاندانوں کی ملی بھگت سے ہوتی رہی۔ تا آنکہ ۱۰۵۹ء میں یہ طریقہ رائج کیا گیا کہ روم میں موجود خاص خاص پادری (CARDINAL'S) بذریعہ ووٹ پوپ کا انتخاب کیا کریں۔ لیکن جب ہم یہ جانتے ہیں کہ پادریوں کے تمام خاص خاص عہدے صرف طبقۂ امراء تک محدود تھے۔ جو اگر فوجی افسر نہیں تو پادری بن جاتے تھے۔ تو یہ بات وہیں کی وہیں رہتی تھی کہ مذہبی عہدوں پر بھی طبقۂ امراء کی اجارہ داری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات خود پوپ، کارڈینل یا بشپ کی گدی پر بچے تک بٹھا دیئے جاتے تھے۔ گنس ریکارڈ بک GUINNESS BOOK OF RECORDS کے مطابق سب سے کم سن پوپ بینی ڈکٹ نہم (BENEDICT IX) تھا۔ جو پہلے پہل ۱۰۳۲ء میں صرف گیارہ یا بارہ سال کی عمر میں پوپ چنا گیا۔ اگرچہ پوپوں کی فہرست

اس کے صرف بہت ہی کم عمر (EXTREME YOUTH) ہونے کا اقرار کرتی ہے
اسی طرح پوپ کے بعد دوسرے درجے پر تو ئیس اینٹونیو آف بوربن (ANTONIO OF BOURBON) کو ۱۷۳۵ء میں صرف آٹھ سال اور ایک سو سینتالیس دن کی عمر میں کارڈینل بنایا گیا۔ اس کے لڑکے کو بھی کارڈینل کا عہدہ ملا۔ لیکن ۲۳ سال کی عمر میں الیگزینڈر کارڈریو (ALEX.CARDREW) اپنی کتاب "تطہیر کی مختصر تاریخ" (SHORT HISTORY OF INQUISION) کے صفحہ نمبر ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ فرانس کے ایک خاندان نے اپنے بچوں کے لیئے بشپ کے پانچ عہدے خریدے تھے۔ جن کی عمریں بالترتیب ۷، ۸، ۹، ۱۰ اور گیارہ سال کی تھیں۔ وہی بشپ جن کے بارے میں شاہ جیمس کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر بشپ نہ ہو تو طبقۂ امراء بھی نہ ہو۔ اور شاہ بھی نہ ہو۔ (NO BISHOP, NO NOBLES, NO KING) گویا بیوروکریسی کا بنیادی پتھر بشپ ہوا۔ یہ چھوٹا سا قول مسیحیت کے اصلی چہرے کا عکاس ہے۔

کمسن ترین بشپ انگلستان کے بادشاہ جارج سوئم کا بیٹا ڈیوک آف یارک والبنی (YORK AND ALBANY) تھا جو ۱۹۶ دن یعنی ساڑھے چھ ماہ کی عمر میں بشپ بنا اور ۳۹ سال تک اس عہدے پر فائز رہا۔ قارئین خود اندازہ کریں کہ ۱۸ ویں صدی کے مقابلتاً روشن زمانے میں یہ حال تھا تو تاریک دَور میں کیا نہیں ہوتا ہو گا۔ مجرّد ہونے کی کڑی شرط کے باوجود پہلے ۳۷ پوپ شادی شدہ بتائے جاتے ہیں پوپ سکندر چہارم کے ۱۴۹۲ء میں پوپ منتخب ہونے کے وقت چار بچّے تھے۔ پسِ پردہ جو کچھ ہوتا تھا اس کا ذکر کئی مؤرخین نے نہایت گھناؤنے انداز میں کیا ہے مذہبی بالادستی کے علاوہ صوبائی گورنر بھی پوپ کے مشورے سے مقرّر ہوتے تھے نیز پوپ کو گورنر کے حساب کتاب کی پڑتال کے حق کے علاوہ امورِ سلطنت کے

سلسلے میں اس کے مقرر کردہ وفود کے سامنے جواب دہی کے لئے بلانے کا اختیار بھی تھا۔ روم کے میونسپل معاملات پر کلی اختیار کے علاوہ روم کی شہر پناہ، پلوں اور حماموں کے متعلق تمام اختیارات حاصل تھے۔ جبکہ یورپین حماموں کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ عملاً قحبہ خانے ہوا کرتے تھے۔

ہوف مین (HOFFMAN) اپنی کتاب "احتساب" INQUISITION کے صفحہ نمبر ۱۹ پر بتاتے ہیں کہ ۳۶۶ء میں پوپ لائبریس (LIBERIOUS) کی موت پر مختلف پارٹیوں نے دو پوپ اکٹھے چن لئے تھے، ظاہر ہے اللہ تعالےٰ حیران ہوں گے کہ روح القدس کے ذریعے رابطہ کس سے قائم کریں۔ اسی طرح ۸ جنوری ۱۹۶۴ء کا رسالہ اویک (AWAKE) مورخ فلپ ہیوگ کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۱۴۱۴ - ۱۸ء کے دوران میں ہونے والی کونسٹنس کی کونسل (COUNCIL OF CONSTANCE) میں بھی یہی صورتِ حال تھی۔ جب کہ اکٹھے تین پادری پوپ ہونے کے دعویدار تھے۔ ان میں سے ایک جان XXIII نے یہ کونسل مسئلے کے حل کے لیئے بلائی تھی۔ جس نے خود اسے برخاست کر دیا مسیحیت کی ایک اہم شخصیت پیٹر ڈامیان (۱۰۰۷ - ۷۲ء) (PETER DAMIAN) پوپ گریگری ہفتم کو متبرک شیطان (HOLY SATAN) کے نام سے یاد کیا کرتا تھا۔ صدیوں تک پروٹسٹنٹ مسیحی پوپ کو حضرت مسیح کا دشمن ANTI CHRIST کہا کرتے تھے ڈینیل روپس (DANIEL ROPS) کی کتاب "کلیسا کا سیاہ دور" کے صفحہ نمبر ۴۸۱ کے مطابق ۸۹۶ء میں جب پوپ فارموسس (FORMOSUS) فوت ہوا تو اس کے دشمن سپولیٹو کے لمبرٹ (LAMBERT OF SPOLETO) اور اس کی ملکہ ماں نے بہت سے پادریوں کی مدد سے بوڑھے مرحوم پوپ کی قبر کو کھدوا ڈالا اور لاش کو ایک کرسی پر بٹھا کر نئے پوپ سٹیفن ششم (STEPHEN VI) کی صدارت میں پادریوں

کے مجمعے میں اس پر فردِ جرم عائد کی۔ ایک خوفزدہ پادری نے آنجہانی کی طرف سے بولتے ہوئے پینے جرائم کا اقرار کیا۔ جس کے بعد حقارت آمیز طریقے سے اس مُردہ کو معزول کیا گیا۔ پوپ کی پوشاک اتار لی گئی جو اس کے سڑے ہوئے گوشت پر چمٹی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ کی انگلیاں کاٹ دی گئیں۔ اور لاش دریا برد کر دی گئی۔ یہی مصنف صفحہ نمبر ۵۸۴ پر ایک ظالمانہ واقعہ بیان کرتا ہوا لکھتا ہے کہ سینٹ آریالڈ (ARIALD) کو آرچ بشپ کیڈوکی بھانجی نے دوشادی شدہ پادریوں کی مدد سے قیدی بنا لیا اور انتہائی ظالمانہ اذیتیں دے کر مار ڈالا۔ اس کا ناک، کان، ہونٹ، دایاں ہاتھ، زبان کٹی ہوئی اور آنکھیں نکلی ہوئی پائی گئیں۔ ڈینیل روپس کہتے ہیں "ایسے پوپوں کی فہرست کا ذکر کارِ لاحاصل ہوگا جو شطرنج کے مہروں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ پوپوں کے اس بدنام اور انسانیت سوز قبیلے میں سے ایک کا نام جان دوازدہم (JOHN XII (۹۵۵ - ۶۴) تھا۔ جو بیس سال کی عمر کا بدمعاش تھا۔ جس کے سر پہ پوپ کا تاج اس کے باپ البیرک (ALBERIC) کی وصیت کے مطابق رکھا گیا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایسی جنسی دعوتوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ جن میں شیطان کا جام صحت نوش کیا جاتا تھا"۔ (AT WHICH THE GUESTS TOASTED LUCIFER) اکثر بشپ سکول پلاٹی (SCHOLA PLATI) یعنی کیڈٹ سکول سے آتے تھے، جو اہم امراء کے خاندانوں سے ہوتے تھے۔ کیونکہ آمدنی اور اختیار بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ عہدہ اثر و رسوخ کے علاوہ رشوت سے بھی خریدا جاتا تھا۔ یہ طریقہ اتنا عام اور تسلیم شدہ تھا کہ اپنے آپ کو ولی (SAINT) کہلانے والے بھی اسے جائز سمجھتے تھے۔ ان گندے رہبروں نے اپنے پیچھے مہیب جرائم کے قصے چھوڑے ہیں۔ مثلاً ایک بشپ کاٹی نس کلیئر مونٹ (CAUTINUS CELERMONT) کے بارے میں

کہتے ہیں کہ وہ شراب کا اس قدر رسیا تھا کہ کھانے کی میز سے اسے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لے جانے کے لئے چار آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ ایک بار وہ اپنے ایک ماتحت پادری پر ناراض ہو گیا تو اسے ایک مردے کے ساتھ دفن کروا دیا۔ جہاں سے وہ خوش قسمتی سے بچ نکلا۔ اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے اپنی زندگی کی جمع پونجی اس بشپ کی نذر کرنے سے انکار کر دیا۔

مسیحی مذہب میں زمانہ حال تک عورت کیلئے پادریوں کے فرقے میں کسی کمتر مقام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسے ناپسندیدہ مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ (INSTRUMENTA DIABOLI) اور اسی لئے پادریوں کے لئے مجرد ہونا لازمی شرط ہے۔ اس کے باوجود اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ تقریباً ساٹھ سال تک پوپ کا تخت عورتوں کے ایک گروہ کے حکم کے تابع رہا۔ جو اپنی مرضی سے جسے چاہے تخت پر بٹھاتی اور معزول کرتی رہیں بلکہ تین سال ۸۵۵-۵۸ تک جون (JOAN) نامی عورت خود بطور پوپ تخت نشین رہی۔ کہتے ہیں پوپ کے وقار کو کم کرنے کے لئے بعد میں پیدا ہونے والے پروٹسٹنٹ فرقے نے ان واقعات کو بہت اچھالا۔ مسیحی دنیا کے اس خدا کے نمائندے (VICAR OF CHRIST HENCE GOD ON EARTH) یعنی پوپ کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ جب اونچی سطح کی عبادات میں شامل ہوتا تھا تو چومے جانے کے لئے بڑی رعونت کے ساتھ اپنا پاؤں آگے کیا کرتا تھا۔ یہی عمل ملاقاتیوں کے ساتھ بھی دہرایا جاتا تھا۔

خدائی اختیارات کا یہ عالم ہے کہ وہ جب چاہے کسی انجیل یا اس کے حصے کو رد کر سکتا ہے۔ جیمس ڈینیل جون ۱۹۶۷ء کے انگریزی ریڈرز ڈائجسٹ میں "بالآخر تمام عیسائیوں کے لئے ایک مشترکہ انجیل (AT LAST ONE BIBLE FOR ALL CHRISTIANS) کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کیتھولک

کلیسا (پوپ)، نے طوعاً و کرہاً غیر پادریوں یعنی عام مسیحیوں کے لئے انجیل پڑھنے کی اجازت دینا مان لیا ہے اور وہ ترمیم شدہ معیاری نسخہ (REVISED STANDARD VRSION) کسی بھی کلیسا میں عبادت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں "لیکن" پوپ تو کجا کسی بھی پادری یا بشپ کو عام حق استرداد حاصل رہے گا۔ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

REVISED STANDARD VERSION OR THE CONFRATERNITY BIBLE MAY BE READ AT MASS IN ANY DIOCESE OR PARISH, SUBJECT TO THE USUAL RIGHT OF BISHOP OR PASTOR TO VETO.

۳۲۵ عیسوی میں نقایا کی کونسل کے موقعے پر بھی بعض اناجیل کے الہامی اور بعض کے نقلی ہونے کا فیصلہ پادریوں نے ووٹ یا ویٹو کے ذریعے ہی کیا تھا جو عمل شائد ہمیشہ جاری رہے گا۔ گویا خدا کے کلام (الہام) کی سند کے طور پر پادری کے ووٹ کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔ کیتھولک مسیحیوں کے لئے "خدا کے ان لکھے کلام" پر ایمان لانا بھی لازمی ہے۔ جس کا الہام پوپ کو جب چاہے ہو سکتا ہے۔ آخر میں پوپ کے ضمن میں ان کے ایک بہت قریبی شریک کار اور بہ لحاظ عہدہ ان کے نمبر دو کارڈینل کے "پوپ کے بارے میں خیالات جو ان کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ کتاب "پاپائی روم کا احتساب اور پادریوں وغیرہ کے متعلق" از کارڈینل جیا سنٹو اچیلی (GIACENTO ACHILLI D.D.) ڈی ڈی سابق ہیڈ پروفیسر برائے مذہب، نمائندہ پوپ، مقیم محلات پوپ وغیرہ وغیرہ۔ ناشر کا نام ہے آرتھر ہال ورچو اینڈ کمپنی، ۲۵ پیٹر ناسٹر رو لندن سے ۱۸۵۱ میں شائع ہوئی۔ صفحہ نمبر ۶۲-۶۱ پر پوپ کے نام ایک خط میں اسے مخاطب

کر کے لکھتے ہیں "بہت بڑی تعداد میں ڈاکو، غدار، زانی اگر تمہارے کیتھولکوں کے
اندر نہیں ہیں تو کہاں ہیں؟ تند خوئی، عیاشی، ہوس، غرور، بدچلنی، حقارت
تمہارے کلیساؤں اور پادریوں وغیرہ میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ جہاں
دولت کی ہوس، جھوٹ، دھوکے بازی اور دوغلاپن کو تقدس کے پردے کے
پیچھے چھپایا جاتا ہے۔ جس سے وہ ملعون ٹھہرائے جانے سے بچے رہتے ہیں" صفحہ
۶۳ پر کہتے ہیں کہ "رومن کیتھولک پادریوں پر بالکل جائز طور پر ہزاروں الزامات
لگائے جاسکتے ہیں۔ کیا تم ان سے انکار کی جرأت کرو گے؟ ایسا مذہب معاشرے
کے لئے آفت ہے" صفحہ نمبر ۶۷ پر کہتے ہیں "اے پوپ تم جھوٹے عقائد کی
گمراہ کن بحث کرتے ہو، جو کافروں کی فلاسفی سے چوری کی گئی ہے۔ تم انجیل کو پلاٹو
کی تھیوری اور ارسطو کے جھوٹے دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہو۔ سادہ لوح لوگوں کی
جائیدادیں فریب سے ہتھیائی گئیں۔ یسوع مسیح کے غریبوں کا ورثہ اگر پادریوں نے
خود نہیں تو ان کی مدد سے امیروں نے خود چھین لیا" صفحہ ۶۸ پر کہتے ہیں "پوپ
تم ناپاک، کینہ پرور اور لالچی ہو۔ تم نے ایسے عقیدے جاری کئے جن سے لوگوں
کی دولت بٹوری جاسکے۔ اور جو لوگ تمہیں سونا چاندی نہ دے سکے ان پر تم نے
ظلم کیا۔ تم خود غرض، اخلاق سے عاری، کاہل الوجود ہو۔ تم نے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے"
صفحہ ۷۴ پر لکھتے ہیں "لوگوں کے اطمینان کے لئے جنت کے پروانوں اور برکت
ناموں کی بجائے آج کے لوگوں کو کسی بہت مختلف چیز کی ضرورت ہے۔ آج کے
دور میں افسانے سوائے بچوں کے کسی کو خوش نہیں کرسکتے اور جھوٹ کی مزید برداشت
کسی میں نہیں" صفحہ نمبر ۷۶ پر کہتے ہیں "انجیل پڑھنے پر لوگوں کا حقہ پانی بند کر دیا
جاتا تھا۔ جو بعد میں زندہ جلائے جانے پر منتج ہو سکتا تھا کیونکہ اس پر پادریوں
کی خاص اجارہ داری تھی" یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مصنف کسی خاص

پوپ سے نہیں بلکہ اس تمام فرقے سے مخاطب ہے۔ انگریزی متن اس طرح ہے۔

THE BOOK ENTITLED "DEALING WITH THE INQUISITION OF THE PAPAL ROME HER PRIESTS AND HER JESUITS" BY REVERAND GIACENTO ACHHILLI DD. LATE PRIOR AND VISITOR OF THE DOMINICAN ORDER. HEAD PROFESSOR OF THEOLOGY AND VICAR MASTER OF THE APOSTOLIC PALACE AT ROME ETC. PUBLISHED BY M/S ARTHUR HALL VIRTUE AND CO.

25 PETER NOSTER ROW LONDON IN 1851.

PAGE 61-62,(IN A LETTER TO POPE)"WHERE ARE GREATEST NUMBER OF ROBBERS, TRAITORS AND ADULTERERS IF NOT IN THE MIDST OF YOUR CATHOLICS. HAUGHTINESS, LUXURY, AMBITION, PRIDE, WICKEDNESS AND ABOMINATION ABOUND IN YOUR CHURGES AND AMONG YOUR FATHERS, MONKS AND PRIESTS. THERE THE EXCESSIVE LOVE FOR MONEY FALSEHOOD, FRAUD AND DUPLICITY COVER HIMSELF WITH A SACRED VEIL, AND ARE ALMOST IN SECURITY FROM CENSURE.

PAGE 63. THOUSANDS OF ACCUSATIONS CAN BE MOST JUSTLY MADE AGAINST THE ROMAN CATHOLIC CLERGY. WILL YOU VENTURE TO DENY IT? SUCH

A RELIGION IS PEST OF SOCIETY.

PAGE 67. YOU POPE ADULTERATE YOUR SPEECH, WITH FALSE DOCTORINES, FALACICIOUS ARGUMENTS WITH SENSES EXTORTED FROM THE PHILOSOPHY OF PAGAN, YOU EXPLAIN GOSPEL BY THEORY OF PLATO AND SOPHISTORY OF ARISTOTLE.

THE PROPERTY OF THE SIMPLE WAS USURPED BY THE CUNNING, INHERITANCE OF THE POOR OF JESUS CHRIST WAS EXTORTED FROM THEM BY THE RICH, UNDER PATRONAGE IF NOT BY CLERGY THEMSELVES.

PAGE 68. YOU POPE SO IMPURE, VINDIC TIVE, AVARICIOUS YOU INVENTED DOCTORINES FOR YOUR OWN PROFIT AND PERSECUTED PEOPLE WHEN THEY WERE NOT ABLE TO PAY YOU IN GOLD AND SILVER.

YOU ARE IMMORAL, SELF-INDULGENT AND INDOLENT, YOU DECEIVED PEOPLE PAGE 74. SOMETHING VERY DIFFERENT FROM INDULGENCES AND BENEDICTIONS ARE NEEDED TODAY TO SATISFY THEPEOPLE. IN PRESENT DAY FABLES PLEASE NON BUT CHILDREN AND LIES ARD NO LONGER TOLERATED BY ANY PAGE 76. PEOPLE WERE EXCOMMUNICATED IF THEY READ BIBLE

BECAUSE, IT WAS CONSIDERED EXCLUSIVE PRIVILIGE OF THE CLERGY".

یہاں یہ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رومن کیتھولک مسیحی مذہب پندرہ صدیوں سے زیادہ عرصے تک مسیحی دنیا کی واحد ہمہ گیر اور نہایت مؤثر تنظیم تھی۔ جو تمام مغربی یورپ اور پھر لاطینی امریکہ پر بلا شرکت غیرے چھائی رہی۔ اس کے باقاعدہ دفاتر اور ریکارڈ ہوتا تھا۔ پوپ اور نچلے عہدیداروں کی طرف سے دوسروں کے علاوہ پادریوں کی تنخواہ، تعیناتی، تنزلی اور برخاستگی وغیرہ کے احکامات جاری ہوتے ہیں۔ ترجیح کے لحاظ سے بعض عہدے یہ ہیں۔ پوپ، کارڈینل، آرچ بشپ، آرچ ڈیکن، بشپ، ڈیکن، پریسٹ، پری لیٹ، لیگیٹ، چیپلن، کلرجی، کلرک، ورکر، ریکٹر وغیرہ یہ سب تنخواہ کے علاوہ دوسری مراعات مثلاً وردی، رہائش وغیرہ بھی پاتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی تک اکثر یورپین اور امریکن ممالک میں حکومت کلیسا کو اپنا ایک محکمہ سمجھتی تھی، اور کلیسا اپنے آپ کو حکومت کا گماشتہ اور ہر قسم کے تحفظ کا حقدار۔ اسی لئے عام سول قانون کا اطلاق اہلِ کلیسا پر نہیں ہوتا تھا۔ اسے پادریوں کی مراعات (BENEFIT OF CLERGY) کہتے تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے پادری بے بس عوام پر جو بھی ظلم کریں انہیں پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ روتھ کی کتاب "انہوں نے یورپ میں ایسا ہوتے دیکھا" (THEY SAW IT HAPPEN IN EUROPE) میں سے پاپائیت کے متعلق بعض اہم اقتباس اس طرح ہیں۔

صفحہ نمبر ۹۵۔ پوپ انوسنٹ ہشتم نے پاپائیت کا تاج نہایت ذلیل طریقوں سے حاصل کیا"۔ صفحہ ۹۷ "تمام کارڈینل سازشوں میں مصروف رہتے ہیں اور خدا کی [illegible] کے تقدس کا خیال کرتے ہیں۔ ن [illegible]

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سودے بازی نہ کرنا گھٹیا فعل ہو۔ یہ بات ہمارے مذہب کی تذلیل اور خدا کی توہین کے برابر ہے کہ سودے ہزاروں نہیں لاکھوں میں ہوتے ہیں۔"

صفحہ ۱۰۱ "یہ یقیناً ایک قابل توجہ مثال ہے اور شاید دنیا کی نظروں میں غیر معمولی کہ بلند ترین مذہبی پیشوا روئے زمین پر مسیح کا نمائندہ بوڑھا اور کمزور، ناز و نعمت اور عیش و عشرت کا پلا اور بڑھا ہوا اس جنگ کا انتظار کر رہا ہو جو اس نے خود ہی اپنے مسیحیوں کے خلاف بھڑکائی ہو (یعنی پوپ جولیس دوم ۱۵۱۱ء میں فرانس کے خلاف) پوپ کی فوج کے جنرل دو کارڈینل تھے اور پوپ خود کمانڈر ان چیف تھا۔ پوپ لیو (LEO X) صرف سترہ سال کی عمر میں کارڈینل منتخب ہوا تھا۔ جو ۱۵۱۳ء میں پوپ بنا۔ اس کا عہد مروجہ اقرباء پروری کے لئے مشہور تھا" صفحہ ۱۰۲ "پوپ لیو دہم نے اپنے ایک حرامی بھتیجے گیولیو میڈیسی (GIULIO MEDICI) کو کارڈینل بنا دیا تھا" صفحہ ۱۰۶ "بوربن فوجوں نے ۱۵۲۷ء میں روم کو تاخت و تاراج کیا تھا" صفحہ ۱۱۱ "یہ سانحہ دنیا کے لیے مثال تھی کہ مغرور، لالچی، حاسد، قاتل، زانی اور مکار زیادہ دیر تک اپنے ملک کو قائم نہیں رکھ سکتے اور نہ ہی اس بات سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ اہل روم (پادری)، ان تمام برائیوں سے بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ داغدار تھے" صفحہ ۱۱۲ "پوپ پال چہارم نے باقاعدہ احتسابی (غارتگری) اور سنسر شپ کی بنیاد رکھی۔"

عیسائی تیوہار CHRISTIAN FESTIVALS

ماہوار رسالہ "صاف سچائی" (PLAIN TRUTH)
...شمارے کے صفحہ ۱۲، ۱۳ پر مؤرخ... مارچ ۱۹۷۳ء
...۱۰ اپنے...
...کی کتاب
...ہرل بٹ (HURLBUT)

"مسیحی کلیسا کی کہانی" (THE STORY OF CHRISTIAN CHURCH) کے صفحہ
۴۱ اور ۶۰ کے حوالے سے کہتا ہے کہ پال کی زندگی ہی میں مسیحیت میں تفرقہ بازی شروع
ہو چکی تھی۔ جیسا کہ انجیل میں یوحنا کے تیسرے خط کے (۳۔ یوحنا) فقرات ۹، ۱۰
سے ظاہر ہے۔ اور کہ پال کے بعد کلیسا کی تاریخ پر ۱۲۰ صدی عیسوی تک یعنی تقریباً ۶۰
سال تک سیاہ پردہ پڑا رہا۔ جس کے دوران میں سازش کر کے بت پرستوں کی
عبادات اور تیوہار مسیحیت میں داخل کر دیئے گئے۔ ان میں دوسروں کے علاوہ ایسٹر
(EASTER) یا مسیح کے پھر سے جی اُٹھنے کا دن بھی ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح نہ تو
گڈ فرائی ڈے (GOOD FRIDAY) کے دن مصلوب ہوئے تھے اور
نہ اتوار کے دن جی اُٹھے تھے۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومن شہنشاہ کنسٹنٹائن نے جو
زندگی بھر سورج دیوتا کا پجاری رہا، تجویز کیا تھا کہ مسیحی بت پرستوں کے رسم و رواج کو
اپنا لیں۔ اس زمانے کے کلیسا کے رہبروں نے "مسیحیت" کے فروغ کے لئے تیوہار اور
رسومات اپنا لینے کو عقلمندی سمجھا۔ اور ان تیوہاروں کے نام بدل کر جو کہ بت پرستوں میں
مقبول تھے بعض مسیحی واقعات سے منسلک کر کے اپنا لیا گیا۔ حالانکہ وہ سوائے نام کے
فرق کے سراسر بت پرستانہ تیوہار تھے۔ فرق صرف یہ پڑا کہ بت پرست لوگ جو دن اور
رسومات استارتے ASTRATE اور تاموس TAMMUZ وغیرہ کے نام سے
منایا کرتے تھے۔ وہی آئندہ یسوع مسیح کے نام سے منانے لگے۔ پھر مختلف دنوں اور
رسومات کے ساتھ دیگر تیوہاروں کو ملا کر متفقہ اور ہمہ گیر بنانے کے لئے ۳۲۵ء میں کنسٹنٹائن
نے حکم دیا کہ آئندہ ایسٹر (EASTER) کا تیوہار موسم بہار کے بعد آنے والے پہلے اتوار
کو منایا کریں۔ اسی طرح ۲۵ دسمبر کی بت پرستوں کے نزدیک اہمیت کی وجہ سے اس
تاریخ کو بھی مشرف بہ مسیحیت کر کے یسوع مسیح کی پیدائش کا دن مقرر کر لیا گیا۔ کیوں کہ
مسیحیت سے پہلے یہ دن دنیا کی پیدائش، سورج دیوتا کی پیدائش اور فرانک لوگوں

(FRANKS) کی دعوتِ یول (FEAST OF YULE) کے طور پر منایا جاتا تھا۔ اب اس دن کا نام کرسمس ڈے یعنی یسوع مسیح کی پیدائش کا دن مقرر کر لیا گیا۔ حالانکہ حضرت یسوع کی پیدائش کے سال ہی نہیں بلکہ دن کے متعلق بھی ابہام پایا جاتا ہے۔ روم میں کرسمس کا ذکر ۳۳۶ء اور انطاکیہ میں ۴۳۰ء سے پہلے نہیں ملتا۔ جب کہ سینٹ جیروم کے بقول پانچویں صدی تک یروشلم میں بھی بطور حضرت یسوع کی پیدائش کے تیوہار کے اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ بعد میں دوسری ناقص بنیادوں کی طرح غیر مسیحیوں کے تیوہار بھی کسی ندامت کے بغیر اپنا لئے گئے۔

سنسر شپ (CENSORSHIP) اور ممانعت (INDEX)

انجیل کے حصّہ اعمال باب ۱۹ کی آیت ۱۹ رقمطراز ہے کہ "اور بہت سے جادوگروں نے اپنی اپنی کتابیں اکٹھی کر کے سب لوگوں کے سامنے جلا دیں اور جب ان کی قیمت کا حساب ہوا تو پچاس ہزار روپے کی نکلیں"۔ مسیحیت میں شروع ہی سے غیر مسیحی علوم کی کتابوں کے پڑھنے اور رکھنے پر پابندی کے حق میں وکالت کرنے والے اس آیت کو بطور سند کے پیش کرتے رہے۔ گویا یہ پابندی خود خدا نے لگائی تھی۔

انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز (INTERNATIONAL ENCYCLOPAEDIA OF SOCIAL SCIENCES) کی جلد نمبر ۲ کے صفحہ ۳۵۶ - ۵۷ کے مطابق مسیحیت کے ابتدائی دور ہی میں سنسر شپ انتہائی شدت کے ساتھ حواریوں (رسولوں) کے قوانین کے نام سے نافذ کر دی گئی تھی۔ ان قوانین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ روم کے سینٹ کلیمنٹ نے ۹۵ء میں حواریوں کے حکم سے لکھے تھے ان کے مطابق مسیحیوں کو غیر مسیحیوں کی کتابیں پڑھنے کی ممانعت تھی۔ کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ کسی مسیحی کی انتہائی ضرورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ انجیل سنے۔ یوں پادریوں

کے ممانعت کے احکام کا سلسلہ چل نکلا۔ یہاں تک کہ ۳۲۵ء میں نقایا کونسل میں خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سزائے موت کا حکم طے پایا۔ اور شاہ کنسٹنٹائن نے ایریس (ARIUS) اور پورفری (PORPHYRY) کی تحریروں کے رکھنے والوں کو موردِ سزا ٹھہرایا۔ اسی طرح ۳۹۹ء میں بشپ تھیوفلیس کی صدارت میں ہونے والی سکندریہ کی کونسل بہت سی کتابوں کی ممانعت کی گئی اور اسی طرح یہ کتابیں بھی جلائی گئیں جیسا کہ بعد میں ۴۴۶ء میں یورپ میں لیو اوّل (LEO.I) نے کتابیں جلانے کے دن منائے۔ پوپ گلیسس (GELASIUS) نے ۴۹۹ء میں پہلی فہرست مرتب کی جس میں ایسی ممنوعہ کتابوں کا ذکر تھا۔ یہ فہرست جو انڈکس کہلاتی ہے آج بھی رومن کیتھولک کلیسا کے ان احکام کو ظاہر کرتی ہے جو اس سلسلے میں دیتے جاتے رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کلیسا کے پاس اب سزا کی قوت (POWER) باقی نہ رہنے کی وجہ سے لوگ اس پر عمل نہ کریں لیکن اس فہرست میں اضافہ بدستور اب بھی ہوتا رہتا ہے کہ کون سی کتابیں نہ پڑھیں۔ چھپائی PRINTING کی ایجاد کے ساتھ باقاعدہ منظم طریقے سے سنسر شپ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ پوپ الیگزنڈر ششم نے ۱۵۰۱ء میں چھپائی کے خلاف اپنا مشہور حکم (BULL) جاری کیا تاکہ وسیع و عریض رومن کیتھولک چرچ کو "کفر کے نفوذ سے بچایا جائے"۔ سولہویں صدی میں پروٹسٹنٹ فرقے کی فتح اور قومی حکومتوں کے آغاز (RISE OF NATIONSTATES) کے بعد سنسر شپ کی شدت میں کمی آگئی۔ کیونکہ عملاً حکمران کلیسا سے الگ ہو گئے۔ پھر بھی اس عقیدے کے مطابق کہ حکمرانوں کے خداداد حقوق ہوتے ہیں۔ "آئندہ مذہب کے بارے میں آزاد روّیے کو حکمرانوں سے غداری اور بغاوت قرار دے کر سیاسی رنگ بھی دے دیا گیا۔ کیونکہ ۱۵۵۵ء کے معاہدہ آگسبرگ کے مطابق مختلف اقوام کے حکمرانوں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ کیتھولک یا پروٹسٹنٹ دونوں میں کسی ایک فرقے کا مذہب اختیار کرلیں لیکن امن و اتحاد کے

بہانے یہ بھی لازمی قرار دیا گیا کہ رعایا وہی مذہب اختیار کرے جو حکمران کا ہو۔ اس طرح سولہویں صدی میں بھی مسیحی دنیا میں عوام کے لئے مذہبی آزادی محال اور بہت دُور کی بات تھی۔ اسی وجہ سے لوگوں کی مسلسل نگرانی کے لئے سنسر شپ کا عمل جاری رہا۔ اس سلسلے میں یہودیوں کی کتاب تلمود سب سے زیادہ مظلوم رہی جسے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ڈھیروں کے حساب سے جلایا جاتا رہا۔ اس کتاب کا قصور یہ تھا کہ اس میں حضرت یسوع مسیح کا ذکر جس پیرائے میں کیا گیا تھا وہ مسیحی عقیدے سے مختلف تھا۔

عیسائیت کا عام جائزہ

بابا آدم کی پیدائش کے تقریباً چالیس صدیاں بعد (کیونکہ یہودی کیلنڈر کے مطابق جو دنیا کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت یسوع قریباً ۴۰۰۶ میں پیدا ہوئے) خالق کو احساس ہوا کہ آدم کی "ساخت" میں کچھ غلطی رہ گئی تھی۔ اسی لئے وہ جنّت میں رہائش کے دوران میں شیطان کے ورغلانے میں آگیا۔ جس نے سانپ کی شکل میں اماں حوّا کو ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی۔ حوّا نے آدم سے تقاضا کیا اور اس طرح آدم خدا کی حکم عدولی کا مرتکب ہوا۔ جس کا نام مسیحی مذہب میں قدیم یا بنیادی گناہ (ORIGINAL SIN) قرار پایا۔ چنانچہ خدا کو قادر مطلق ہونے کے باوجود سوائے اس کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ ایک بیٹا جنے اور اپنی "اس غلطی" کی پاداش میں اسے سُولی پر چڑھا دے۔ نسلِ انسانی کو آئندہ کے لئے "اس غلطی" اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات سے بچانے (SAVE) کے لئے خدا کو اور کوئی طریقہ نہ سوجھا۔ ان کے بن باپ کے پیدا ہونے کے مسلّمہ عقیدے کے خلاف نہ صرف یہ کہ انجیل میں قریباً ستر جگہ انہیں ابنِ آدم لکھا گیا ہے۔ بلکہ ان کا شجرۂ نسب بھی جناب یوسف بڑھئی سے ہوتا ہوا حضرت داؤد علیہ السلام سے ملایا گیا ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے

تقریباً تیس سال کی عمر میں حضرت یسوع مسیح دریائے اُردن کے کنارے اچانک ظاہر ہوتے ہیں (اس سے پہلے کی زندگی کہاں اور کیسے گزری کچھ معلوم نہیں!) اور یوحنا کے ہاتھوں بپتسمہ (غسل) لیتے ہیں جس کے فوراً بعد روح القدس کبوتر کی شکل میں آسمان سے اُتر کر انہیں تقویت دینے کے لئے ان میں حلول کر جاتا ہے۔ اس کے بعد مزید روحانی تقویت کے لئے چالیس دن چلہ کشی اور روزہ رکھنے کے لئے صحرا میں چلے جاتے ہیں تاہم شیطان اس دوران میں انہیں ورغلاتا رہتا ہے اور آخر میں اس کی اطاعت کی صورت میں انہیں دنیا کی سب سلطنتوں اور شان و شوکت کا لالچ دیتا ہے اور سلطنتیں دکھانے کے لئے شیطان حضرت مسیح کو وادیٔ اُردن کے سب سے اونچے پہاڑ پر لے جاتا ہے۔ گویا سیدھی سادی زبان میں شیطان خدا کو ورغلاتا رہا (یاد رہے مسیحی حضرت مسیح کو خدا کہتے ہیں) لیکن بالآخر وہ شیطان کی ہر پیش کش کو ٹھکرا دیتے ہیں پھر وہ بارہ مچھیروں کو اپنی شاگردی یا رفاقت کیلئے منتخب کرتے ہیں اور سال ڈیڑھ سال (ایک انجیل کے مطابق تقریباً دو سال) تک ان بارہ کو لے کر بحیرہ گیلیلی اور یروشلم کے نواح میں مسلسل حرکت میں رہتے ہیں۔ وثوق سے یہ طے کرنا ناممکن ہے کہ اس دوران میں وہ ان بارہ کو کیا تعلیم دیتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعلیمات مثالوں (یا انجیل کے اردو ترجمے کے بقول تمثیلوں) میں ملفوف ہیں۔ جن کی تعداد مرقس کے مطابق صرف آٹھ، متی کے مطابق بیس اور لوقا کے مطابق انتیس ہے۔ جب کہ یہ تینوں ایک ہی دور کے واقعات اور وحی الٰہی کے موضوع کے مصنف بتائے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی دنیا میں وحی معمولی بات کا نام ہے۔ جس کا رُخ پادریوں کے ووٹ متعین کرتے ہیں۔ بارہ میں سے مسیحیت میں صرف ایک شاگرد یا حواری یعنی پطرس کو کسی قدر مقام حاصل ہے وہ کس پائے کا انسان تھا۔ انجیل ہمیں بتاتی ہے کہ وہ ڈھلمل یقین تھا اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتا تھا۔ خود حضرت یسوع مسیح اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اسے

شیطان تک کہتے ہیں اور یہ کہ وہ خدا کی باتیں نہیں بلکہ دنیا کی باتیں سمجھتا تھا۔ مصلوب ہونے سے عین پہلے جب حضرت مسیح خداوند کریم کے حضور روتے اور گڑگڑاتے ہیں کہ موت ان سے ٹل جائے۔ اس حد تک کہ ان کا پسینہ خون بن کر بہہ نکلتا ہے (PASSION OF CHRIST) تو پطرس دوسرے حواریوں کے ساتھ ان کے پاس ہی مزے سے سوتا ہے اور ان سب حواریوں کی اس بے مروتی اور قدر ناشناسی کا گلہ حضرت مسیح بڑی دلسوزی کے ساتھ کرتے ہیں۔ ایسے ناقابل ستائش کردار کے باوجود یہ حواری مسیحی دنیا کے پیشوا ہیں! یہودا اسکروتی (JUDAS ISCARIOT) کھلم کھلا دشمنی کرتا ہے اور چند سکوں کے عوض انہیں گرفتار کروا دیتا ہے۔ اتنے بڑے بڑے معجزوں کے مالک، خدا کے بیٹے بلکہ خود خدا، ان چند کے دلوں کو بھی نہ پھیر سکے۔ اور آخری وقت میں یہ سب انہیں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے اور وہ سولی پر چڑھا دیئے گئے ظاہر ہے داستان یہاں پر ختم ہو گئی۔

یہودی اپنی عبادت گاہوں میں غیر یہودیوں کو ہرگز نہیں آنے دیتے تھے۔ بلکہ ایسے شواہد ملتے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں گھس آنے والے غیر یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا کرتے تھے۔ ان حالات میں انجیل کا یہ کہنا کہ حواری یا شاگرد یسوع مسیح کے بعد ہیکلوں (یہودی عبادت گاہوں) میں حاضر رہ کر خدا کی حمد کیا کرتے تھے (لوقا ۲۴ : ۵۳) اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضرت مسیح کے مشن کا مقصد یہودیت کے اندر صرف یہودیوں تک محدود تھا ورنہ حواری ہیکلوں کا رُخ کیوں کرتے؟

البتہ ایک قرین قیاس بات یہ ہے کہ حواریوں کی باہمی چپقلش نے بعض ایسے لوگوں کو اپنی علیحدہ دکان چمکانے کا موقع فراہم کیا۔ جو ایسے موقعوں سے خود فائدہ اُٹھانا جانتے تھے۔ پال کی مداخلت کی صرف یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ تمام موجود شواہد اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ ایک غیر متعلق شخص تھا مسیحیت کے منظر (SCENE) پر اس کے آنے

کے وقت تک انجیل بھی وجود میں نہیں آئی تھی۔ اور متحارب دھڑے مسیح کے مشن اور زندگی کے واقعات کے اپنی اپنی مرضی کے مطابق ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر معانی نکالتے تھے۔ اسی لئے ان کی تحریروں کو جدید محققین جنگجویانہ یا (COMBAT) تحریریں کہتے ہیں۔ ان تحریروں کا ایک بڑا حصّہ رد کر دیا گیا جسے مخفی (APPOCRYPHAL) کہا جاتا ہے لیکن "ہم خیال" (SYNOPTICS) کے نام سے جو تحریریں بذریعہ ووٹ الہامی قرار پائیں۔ ان میں بھی کافی بُعد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ جب کہ چوتھی یوحنا کی انجیل کے بارے میں تو بہت وزنی شکوک ہیں۔ جیساکہ اناجیل کے ضمن میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح نے کسی نئے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی تھی۔ اسی لئے حواریوں نے حضرت مسیح کے بارے میں یہودیت کے اندر رہتے ہوئے جن خیالات کا اضافہ کیا اسے ماننے والے ابیونی (ABIONITES) اور نصرانی (NAZARANES) فرقے کہلائے۔ جنہیں بعد میں زور پکڑنے والی غیر یہودیوں کی کیتھولک مسیحیت نے کفر (HERSEY) کا الزام لگا کر بزور ختم کرا دیا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت یسوع مسیح کچھ ہی عرصہ پہلے یہودیوں کے اندر یسوع بن سراخ (JESUS S/O SIRACH) نام کے ایک اور پیغمبر بھی گزر چکے تھے اور ان کی تعلیمات (ECCLESISTICUS) کو بھی جو علم الاخلاق سے متعلق تھیں۔ یہودی اپنا چکے تھے۔

گنتھر بارنکم (GUNTHER BORN KAMM) اپنی کتاب "پال" میں بلوچ (BLOCH) کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "پال نے انسان کے بیٹے کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور بازنطینی بت پرستوں کے درباری خداؤں کی طرح مذہب کا تانا بانا یسوع کے فقط نام کے اردگرد بُنا۔ اپنی کتاب "انجیل کی تاریخ" میں ایف گلیڈ سٹون براٹن (F.GLADSTONE BRATTON) کہتا ہے "پال نے اصلی برادری سے قطع تعلق کر کے

اپنی مرضی کے متعلق ایک نئے غیر یہودی (GENTILE) مذہب کی بنیاد رکھ کر اس کا نام مسیحیت رکھا"

مالکم مگریج (MALCOLM MUGGERIDGE) اپنی کتاب "پال" میں اے این وائیٹ ہیڈ (A.N.WHITEHEAD) کو نقل کرتے ہیں۔ جن کے بقول "مسیحیت کو جس شخص نے مسخ کر کے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا وہ پال تھا"۔ مزید وہ جے ایس مل (J.S.MILL) کا قول نقل کرتا ہے کہ "میں مسیحیت سب سے پہلے اور سب سے بڑا مسخ کرنے والا پال کو سمجھتا ہوں" اسی کتاب میں او۔مچل (O.MICHEL) کے بقول "جب یسوع مسیح کے، اس کے لوگوں کے، اور تمام بنی نوع انسان کے کٹر دشمن پال کو خدا کی بادشاہی کے دروازے سے ہٹا دیا جائے گا تو دروازہ دوبارہ کھلے گا" انگریزی الفاظ یہ ہیں۔

WHEN PAUL, THE ARCH - ENEMY OF JESUS, HIS PEOPLE AND MANKIND IS REMOVED FROM THE ENTERANCE OF THE KINGDOM OF GOD. THE DOOR WILL REOPEN.

گویا قریباً دو ہزار سال سے مسیحیت مقید ہی ہے اور اس کے نام سے کچھ اور ہی مروّج ہے۔ ایسا مذہب جائز کہلائے جانے کا حقدار ہے یا نہیں۔ اس بات کا اندازہ قارئین خود لگائیں۔

پال کے عقائد میں اس تحریف کے اقدام کے بعد عقیدے کی از سرِ نو تشکیل، ترمیم، اور توضیح وغیرہ کا ایسا عمل شروع ہوا جو عالمی اور علاقائی کونسلوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور آج تک جاری ہے۔ آخری کونسل ۱۹۶۲ء میں روم میں ہونے والی دوسری

ویٹیکن کونسل کہلاتی ہے۔ جب کہ ان عالمی کونسلوں، کونسلوں، ویٹیکن کونسلوں یا SYNDOS کی کل تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ سب سے پہلی عالمی کونسل ایک غیر مسیحی رومن بادشاہ کانسٹنٹائن ۳۲۵ میں نقایا (NICEA) کے مقام پر اپنی صدارت میں بلائی۔ جس میں شمولیت کے لئے اس نے سب پادریوں کو دعوت نامے اور مفت سفر کے لئے حکم نامے جاری کئے۔ کہتے ہیں اس بادشاہ کو جو اپنی بیوی اور بچے کا قاتل تھا، مذہب سے زیادہ اپنی سلطنت کے امن و امان سے دلچسپی تھی جو آپس میں لڑنے جھگڑنے والے مسیحی فرقوں کی وجہ سے درہم برہم ہو رہا تھا۔ یاد رہے کہ بنیادی مسیحی عقائد کا تعین اسی بادشاہ نے حکماً کیا تھا۔ جس کے بعد سب پادریوں کو شاندار دعوت اور تحفوں سے نوازا گیا۔ لیکن اختلاف پھر بھی باقی رہا۔ تا آنکہ ۳۸۱ء میں ایک اور رومن بادشاہ تھیوڈوسس اوّل (THEODOSUS I) نے اپنے پیشرو کے مقرر کردہ تثلیث کے عقیدے سے انحراف کو جرم قرار دیا۔ منحرفین کو سخت سزائیں دینے کا حکم دیا۔ گبن کے انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

THEODOSUS THEN ENFORCED HEAVY PENALTIES AGAINST THOSE WHO REJECTED THEDOCTORINE OF THE TRINITY; AND, TO DEPRIVE THEM OF EVERY HOPE OF ESCAPE. HE STERNLY ENCATED. THEN IF ANY LAWS OR RESCRIPTS SHOULD BE ALLEGED IN THEIR FAVOUR. THE JUDGES SHOULD CONSIDER THEM AS THE ILLEGAL PRODUCTION EIGHTER OF FRAUD OR FORGERY.

اس اظہر من الشمس جبر و تشدد کا دور جاری تھا کہ ۴۱۰ عیسوی میں الارک ALARIC نے روم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو غیر مسیحیوں کی زبان پر یہ بات عام تھی کہ جب تک انہیں اپنے طریقے پر عبادت کی اجازت تھی تو امن و امان قائم تھا۔ لیکن چونکہ

ان کی مذہبی آزادی سلب کر لی گئی ہے۔ اس لئے روم تباہ ہوا ہے۔ یعنی مسیحیت کی وجہ سے۔ ڈینیل روپس (DANIEL ROPS) اپنی کتاب "کلیسا تاریک دور میں" (CHURCH IN PARK AGES) کے صفحہ نمبر ۳۹ پر اس طرح لکھتے ہیں۔

THE PAGANS WERE FLINGING REMARKS SUCH AS THIS FROM MOUTH TO MOUTH. "IT IS THE CHRISTIAN TIME THAT ROME IS DEVASTATED. ROME FLOURISHED, DID SHE NOT, WHILE MEN OFFERED SACRIFICES TO GODS? YOU CHRISTIANS PRAY TO YOUR GOD AND YOU HAVE "FORBIDDEN US" TO PRAY TO OURS. NOW SEE WHAT HAS HAPPENED".

یعنی پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں شمالی افریقہ کے کارتھیج کے علاقے کے شہر ہپو (HIPPO) سے آگسٹین (AUGUSTINE) نامی ایک نئی شخصیت روم اور پھر میلان میں وارد ہوئی۔ جو بعد میں عیسائیت کا ایک اور اہم ستون قرار پائی۔ ڈینیل روپس اپنی محولہ بالا کتاب میں بتاتے ہیں کہ یہ صاحب ایک ایرانی مذہبی پیشوا مانی کے مذہب کے ماننے والے تھے۔ جو (MANICHEANISM) کہلاتا تھا اور جس کے عناصر بُدھ مت، مسیحیت اور متھرا سے ماخوذ ہونے کے علاوہ نیو پلاٹو ازم وغیرہ کے اثرات کے بھی حامل تھے۔ جوانی میں یہ بہت دل پھینک قسم کا آدمی تھا۔ شادی نہیں کی البتہ داشتائیں تھیں۔ جن سے حرامی اولاد بھی تھی۔ اسے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ شروع میں حسیناؤں کی ادائیں، عشوہ طرازیوں اور حُسن کے زاویوں پر بھی ایک کتاب لکھی۔ کہتے ہیں اس کی والدہ اس کے روم کے سفر کے خلاف تھی۔ اسی لئے اس کی نگرانی کرتی تھی کہ کہیں بھاگ نہ جائے لیکن ایک دن وہ عبادت میں مصروف تھی تو ماں کی خواہش کے برعکس یہ چوری سے وہاں سے بھاگ آیا۔ اس کی ضخیم تحریروں

کے بعض حصے ایسے ہیں کہ پڑھنے والے اپنی ہنسی روکنے میں دقت پیش آتی ہے۔
تاہم کہا جاتا ہے کہ اس نے "خدائی شہر" (CITY OF GOD) لکھ کر مسیحیت پر
بڑا احسان کیا ہے۔ کیونکہ اس میں آئندہ کے لئے بہت سے رہنما اصول بتائے گئے ہیں
میلان (MILAN) میں قیام کے دوران وہ عیسائی ہوگیا اور پھر رہنما ہو گیا۔ رومن
کیتھولک کلیسا اب تک انہی اصولوں پر چل رہا ہے۔ جو اِن سینٹ آگسٹائن
صاحب نے (S.T.AUGUSTINE) پانچویں صدی کی پہلی چوتھائی کے آخر میں وضع
کئے تھے۔ اس کے نزدیک علم صرف نجات دہندہ (یسوع مسیح) کے بارے میں عقائد
کی ایجاد، پرداخت، دفاع اور انہیں قائم رکھنے تک محدود ہونا چاہیئے "خدائی شہر"
بائیس جلدوں پر مشتمل ہے اور تحریر کا انداز ذومعنی اور ڈرامائی (PUN AND PLAY
ہے۔ جو ضخیم ہونے کے علاوہ دماغ کو چکرا دینے والا اور مافوق الفطرت قیاس آرائی
پر مبنی ہے IT IS A DIZZY MASS OF METAPHYSICAL SPECULATION
اس میں بعض عقائد کے علاوہ کلیسا کو راستہ دکھایا گیا ہے کہ وہ کیسے "عوام کی روزمرہ
کی زندگی کی نگرانی کرے، آقا اور غلام کے تعلقات اور گھریلو زندگی کا تعین کرے" جب
کہ وہ غلامی کو رد نہیں کرتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ کٹر عقیدے پر سب کو جمع کرنے
کے لیئے طاقت اور اذیت کے استعمال کو جائز قرار دیتا ہے" اور کہتا ہے "چونکہ انسان
بغیر بخشش (GRACE) کے کوئی اچھا کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے جب اس کو بخشش
کی طرف بلایا جائے تو وہ انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایسی پیشکش تو خدا کی طرف سے ہوتی
ہے جس سے انکار ظاہر ہے ممکن نہیں۔ اس طرح خدا کا مقام پادری کو دلاتا ہے" سینٹ
آگسٹائن مافوق الفطرت اژدہوں، ایک سینگ والے (UNICORN) جانوروں
وغیرہ کے علاوہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ بکری کے خون سے ہیروں کو پگھلایا جا
سکتا ہے اور یہ کہ عقاب صرف حلالی بچوں کو پالتا ہے باقی کو مار دیتا ہے۔ جسے

پرکھنے کے لیئے وہ آزماتا ہے کہ بچہ سورج کی طرف دیکھ سکتا ہے یا نہیں ؟ جو نہ دیکھے اسے حرامی سمجھ کر مار دیتا ہے ۔ ۶۳۴ء میں پوپ جان دوم نے بلا جھجک لکھا کہ رومن کیتھولک کلیسا سینٹ آگسٹائن کی پیروی کرتے ہوئے ہی اپنے عقائد کی حفاظت کر سکتا ہے یعنی خوف اور تشدد سے ۔ پال اور کنسٹنٹائن کے بعد آگسٹائن کیتھولک کلیسا کے تیسرے بڑے ستون ہیں ۔ قارئین یاد رکھیں کہ پندرھویں صدی عیسوی تک عیسائی مذہب صرف کیتھولک مسیحیت تھی ۔ جس کے ظلم و تشدد کے خلاف پہلے پہل سولہویں صدی میں مارٹن لوتھر نے بغاوت کر کے پروٹسٹنٹ فرقے کا آغاز کیا ۔ جس کے بعد اب تک اور اتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں کہ ان کا شمار مشکل بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی ۔ لیکن ظاہر ہے جڑ اور تنا (ROOTS AND TRUNK) تو وہی ہے ۔

کانسٹنٹائن سے لے کر رومن حکمرانوں نے جو اپنے آپ کو تمام دنیا کا بادشاہ سمجھتے تھے ۔ یہ سمجھ لیا کہ انہیں تمام دنیا کو مسیحی بنانے کا فرض سونپا گیا ہے ۔ پوپ یوسی بیس کا کہنا ہے کہ شاہی قوت کے مالک گوشت پوست کے انسان کے اندر یہ خیال اگر خدا کی طرف سے نہیں ، جو سب چیزوں کو متاثر کرنے والا ہے تو پھر اور کہاں سے آیا ہے ؟ کونسٹنس دوئم (CONSTANCE II) اور تھیوڈوسس کی حکمرانی کے دور تک یہ عقیدہ پوری طرح جڑ پکڑ گیا تھا ۔ اور اہل کلیسا اس مفروضے کے ساتھ کلی طور پر متفق تھے ۔ پوپ انیس ٹیٹیس (ANASTASIUS) نے بھی بالکل یہی بات کہی تھی ۔ کہ شہنشاہ خدا کی مثل ہے زمین پر اس کا قائم مقام نمائندہ ، بلکہ خود خدا (GOD HEAD) ہے ۔ پانچویں صدی عیسوی تک مذہب کی حکمرانی (THEOCRACY) کا یہ رنگ بالکل واضح ہو چکا تھا ۔ حکمران سرکاری طور پر کٹر مذہبی رہبر بھی تھا ۔ اس کا دربار متبرک محل تھا ۔ اس کی ملکہ متبرک تھی ۔ حتیٰ کہ اس کے عائد کردہ ٹیکس تک خدائی حصہ کہلاتے تھے ۔ (ڈینیل روپس " کلیسا کا تاریک دور " صفحہ ۱۳۳)

کیتھولک کلیسا کا ایک اور اہم ستون سینٹ جیروم ہے ۴۲۰-۳۴۷ ST. JEROME
انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ان کے بارے میں کہتا ہے کہ "ابتدائی عمر میں وہ بدچلن ہو گیا تھا۔
ایک خواب میں حضرت مسیح نے اسے خوب لتاڑا اور اس پر کافروں کی کتابیں پڑھنے اور
مسیحی کی بجائے سسرونی (CICERONIAN) ہونے کا الزام لگایا۔ لیکن اس نے
خواب کی پرواہ نہ کی۔ اس کا شمار کیتھولک مسیحیت کے چار بڑے ستونوں میں ہوتا ہے۔
اس کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا جو ولگیٹ VULGATE
کہلاتا ہے۔ اس سے پہلے لاطینی ترجموں کی مجموعی صورت موجود نہ تھی۔ مختلف لوگوں نے
مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر مختلف حصّوں کے ترجمے لاطینی زبان میں کئے تھے
جس کا نتیجہ ابتری تھا۔ مختلف حصّے خلط ملط ہو کر اس قدر ناقص تھے کہ خود جیروم کی رائے
تھی کہ "جتنی تحریریں ہیں تقریباً اتنی ہی اقسام کے متن ہیں"۔

لیکن ولگیٹ کا متن بھی اپنے پیشروؤں کی طرح بگاڑ کا شکار ہوا، کیونکہ اس پر بھی
سینکڑوں ترمیموں کے ساتھ کئی بار نظرثانی کی جا چکی ہے۔ اس نے حضرت مریم کے ہمیشہ
کنواری ہونے کے نئے عقیدے کی حمایت کی اور پادریوں، راہبوں اور مکّار کنواری
راہباؤں (NUNS) کے گھٹیا چال چلن پر ان کی سرزنش کی۔

کلیسا کے معاملے میں حکمرانوں کا عمل دخل اس قدر مکمل تھا کہ شروع کی آٹھ کونسلیں انہی نے
مذہبی اختلافات کے سلسلے میں بلائیں اور نقایا کی کونسل کے بعد تو کلیسا نے حکومت کے
ایک باقاعدہ محکمے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا مذہب میں دنیاداری فیصلہ کن عنصر
کے طور پر داخل ہو گئی۔ پادریوں اور دوسرے متعلقہ اہلکاروں کے فخر و غرور کا کوئی ٹھکانہ
نہ تھا۔ جو اب تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ کلیسا کا منظور شدہ مؤرخ فلپ ہیوگ
(PHILIP HUGHES) بھی ایف ہرسٹ (F. HURST) کی کتاب
"مسیحی کلیسا کی تاریخ" (A HISTORY OF CHRISTIAN CHURCH) میں

بیان کردہ حقائق سے متفق ہیں کہ کلیسا میں عہدوں کے لئے اُمراء میں مقابلے ہوتے تھے جن کے حصول کے لئے اثر و رسوخ کے علاوہ رشوت سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ جس کے لئے سائی مونی (SIMONY) کی اصطلاح مشہور ہے۔ اسحاق ٹیلر (ISAC TAYLOR) نے اپنی کتاب "قدیم مسیحیت" (ANCIENT CHRISTIANITY) میں شواہد جمع کئے ہیں۔ جن کے مطابق پادریوں کا چال چلن کلیسا کے ۳۲۵ء سے رومن بادشاہوں کے زیر اثر آجانے کے پہلے سے خراب (CORRUPT) تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں فرانک بادشاہ شارلمین کے اقتدار میں آنے سے کلیسا اور ریاست آپس میں خوب اچھی طرح گڈمڈ ہوگئے۔ کلیسا نے اپنے لئے بڑی بڑی جاگیریں بنالیں اور فوجی معاملات تک میں حکومت کا ہاتھ بٹانا شروع کردیا۔ اسی طرح شارلمین کلیسا کے قبضے میں پائی جانے والی ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ اس بات کا اندازہ کہ عوام کی زندگی پر پادری کی گرفت کتنی مضبوط تھی۔ اس بات سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ جس کا ذکر ڈینیل روپس نے اپنی کتاب "کلیسا کے تاریک دور" کے صفحہ ۴۱۴ پر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "اس بات کا اعتراف کرلینا چاہئے کہ موجودہ زمانے میں اسے رحمدلی کی بات نہیں سمجھا جائے گا کہ کلیسا کو اس طرح پولیس کی ایک اعلےٰ قوت کے طور پر استعمال کیا جائے۔ انگریزی الفاظ یہ ہیں۔

IT MUST BE CONFESSED THAT WE TODAYDO NOT TAKE KINDLY TO THE IDEA OF THE CHURCH BEING EMPLOYED IN THIS WAY, LIKE A KIND OF SUPERIOR POLICE FORCE

اس ضمن میں "مسیح کی آزمائش" (TEMPTATION OF CHRIST) نامی کتاب میں پادری جیرالڈ وان اور پی کے میگیر GARALD VANN AND P.K.MEAGHER صفحہ ۸۹ پر لکھتے ہیں کہ "اگر پادری، ڈکٹیٹر، فوجی، جاگیردار، پولیس مین اور ٹیکس جمع کرنے والا بن جائے تو یہ بڑی ہولناک بات ہوگی۔" اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر

بولے۔ تقریباً اٹھارھویں صدی تک پادری یہی کچھ تھا۔ ان وسیع اختیارات کے بل پر مسیحیت زبردستی لوگوں پر ٹھونسی گئی۔ شاید مغربی یورپ کے عام آدمی میں نہ تو سوچنے کا مادہ تھا۔ نہ اس کی ضرورت اور اجازت۔ پادری صاحب کے احکام کی تعمیل کے لئے آسمانوں پر خدا اور زمین پر مکمل اختیارات سے مسلح پادری جسے جی چاہے کھولے یا باندھے (میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا۔ اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔ انجیل متی باب ۱۶ فقرہ ۱۹) اس کا کلیسا کی حکومت نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی ملتا ہوا اگلا فقرہ یعنی ۲۰ بھی کم خیال انگیز نہیں کہ "اس وقت اس نے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی سے نہ کہنا کہ میں مسیح ہوں" ایسے ناقابلِ فہم موقعوں کے لئے مسیحی دنیا نے ایک اور عذر ایجاد کیا کہ انجیل کے بعض حصوں کے معنے جلی ہیں اور بعض کے خفی۔ اور خفی صرف پادریوں کی دسترس کے لئے ہیں۔ عوام کے لئے نہیں۔ جس کے وہ جب چاہیں اور جو چاہیں معنے نکالیں۔ انہیں "کلّی اختیار" (VETO POWER) حاصل ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ وہ جب چاہیں تو اپنے منہ سے کچھ بھی کہہ کر اسے "خدا کا اَن لکھا کلام" قرار دے دیں۔ جس پر ایمان لانا بھی مسیحی عقیدے کے مطابق ضروری ہے۔ (BELIEF IN UNWRITTEN WORD OF GOD). اسے اگر موقع محل کے مطابق بدل جانے کا اخلاق (SITUATION ETHICS) یا مذہب کہیں تو کیا غلط ہوگا؟

انسان کو عطا کردہ عطیات میں سے بہترین عطیہ عقل ہے۔ جس کی کسوٹی پر پورا اترنا مسیحیت کے بس کی بات نہیں۔ موجودہ دور میں دھونس اور زبردستی نہیں چلائی جاسکتی۔ تبلیغی مذہب ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔ تو پھر تبلیغ کا کام کیسے چلے؟ مذہب کے نام پر حاصل کی گئی دنیا بھر کی لمبی چوڑی جائیدادوں، افریقہ کی سونے کی کانوں میں حصوں، غلاموں کی تجارت، طرح طرح کے ٹیکسوں، جنت کے ٹکٹوں وغیرہ سے

صدیوں تک حاصل ہونے والی کلیسا کی دولت جو پادریوں کو معقول تنخواہیں ادا کرنے کے باوجود اب بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔ تو یہ کس لیئے ہے؟ پال کلوڈل (PAUL CLAUDEL) اپنی کتاب "راستے اور چوراہے" (WAYS AND CROSSWAYS) جس کا فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ پادری جان او کانر (REV.JOHN O' CONNER) نے کیا ہے، کے صفحہ پانچ پر ہمیں اس مسئلے کا حل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مسیحی عقائد کے مظاہرے سے زیادہ کشش کا باعث یہ بات ہوگی کہ "لالچ کا جال بچھایا جائے۔ تاکہ لوگ اس میں پھنس جائیں۔ اس کی حیران کن تنظیم کو ایسی لمبی چوڑی تفصیل سے بیان کیا جائے کہ "ممول" چکرا جائے اور اس کے پاس کود پڑنے کے سوا چارہ نہ رہے۔ ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس سے وہ کبھی نکل نہ سکے" انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"MORE INTERESTING THAN TO DEMONSTRATE THE CHRISTIAN FAITH, WOULD BE TO SET OUT A TEMPTATION TO MAKE FOLK FALL INTO IT, TO DESCRIBE IT WITH PLENTY OF DETAIL, TO SHOW FORTH ITS WONDERFUL COHESION WITH FORCE ENOUGH, TO MAKE THE UNBELIEVER GIDDY, AND LEAVE NOTHING FOR HIM BUT TO PLUNGE IN; SUCH AN ENVIRONMENT AS HE CAN NEVER MORE ESCAPE."

یہ ہے مسیحیت کی تبلیغ کا طریقہ۔ کیونکہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں بڑے فرقوں کے مطابق مسیحیت پر ایمان لانے کے لئے عقل کو تجنا ضروری بتایا جاتا ہے۔ قدامت پسند مسیحی ابھی تک سیاسی اور اقتصادی بالادستی کے نشے میں چور ہیں اور جدید مسیحی کو موجودہ زمانے کی تیز رفتاری میں سوچنے کی فرصت ہی نہیں اور نہ مذہب میں عدم دلچسپی کی وجہ سے شاید اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ کلیسا کی پرانی اذیت ناک گرفت سے اب وہ آزاد ہو

چکا ہے۔ ورنہ عوام کے لئے پادریوں نے خدا کا اس قدر ہیبت ناک تصور باندھ رکھا تھا کہ اس کے قہر سے بچنے کے لئے پادری سے مسلسل رجوع اور مدد لازمی تھی۔ گویا عام آدمی کے لئے براہِ راست خدا کی بندگی بے سود تھی۔ پادری خوش تو خدا بھی خوش، پادری کے ہاتھوں قرونِ وسطیٰ کے عام مسیحی کی جو حالت تھی وہ ایک محقق نے ان الفاظ میں بیان کی ہے "اسے نہ کوئی تعلیم کی سہولت تھی نہ صحت کی اور نہ کوئی دوسری سماجی آسائش میسّر تھیں۔ اس کا جھونپڑا تاریک، ٹھنڈا اور نمناک ہوتا تھا اور وہ اکثر بھوکا رہتا تھا۔ اس کی زندگی اس پیہم دلائے گئے خوف سے اجیرن تھی کہ موت کے بعد کیا ہو گا۔ اور دوزخ کی اذیت کیسی ہو گی"۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق لوگوں کے سروں پر دو تلواریں لٹکتی تھیں۔ ایک کلیسا کی اور دوسری حکمران کی۔ یہ کیفیت کم و بیش اثرات کے ساتھ انیسویں صدی تک جاری رہی۔

ایک بات جو بار بار ہمیں محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی مذہب کے بارے میں معلومات کے لئے اصل ماخذ تو اس کا بانی اور مرکز ہونا چاہیئے۔ لیکن مسیحیت کے بارے میں یہ کلیہ کار آمد نہیں۔ بانی یعنی حضرت یسوع مسیح کے بارے میں بہت محدود اور متضاد معلومات ملتی ہیں۔ مثلاً ناسٹک (GNOSTICS) فرقہ ان کے عام انسانی وجود ہی کا قائل نہیں اور نہ ان کے مصلوب ہونے کا قائل ہے اور جہاں تک تعلیمات کا تعلق ہے ان میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔ حتیٰ کہ ان کی اناجیل بھی مختلف ہیں۔ خود مستند اناجیل سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کا یہ حال ہے کہ بعض کے مطابق ان کی سرگرمی کا محور زیادہ تر بحیرۂ گلیلی کا گرد و نواح تھا۔ جبکہ بعض کے نزدیک یروشلم تھا۔ رہے ان کے ذاتی کمالات اور تعلیمات تو ان کی سال ڈیڑھ سال کی مدّت میں سے محققین صرف اکتیس دنوں کی نشاندہی کر پائے ہیں اور جو کچھ ان تعلیمات میں سے ان کے شاگردوں کی سمجھ میں آیا۔ اسے پال اور اس کے بعد کے جانشینوں نے بدعت قرار دے کر رد کر دیا۔ خود پال کے خطوط اور مستند

اناجیل میں ان کی ذات اور تعلیمات کے بارے میں بہت کم اور سرسری سا ذکر ملتا ہے۔ جس سے زندگی کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب ہونا ممکن نہیں۔ ایمان اور عقیدے کے طور پر جو کچھ مقرر کر کے عوام پر حکماً مسلط کیا گیا وہ صدیوں بعد کی باتیں ہیں۔ پال عقیدے کا لفظ تو استعمال کرتا ہے لیکن یہ نہیں بتاتا کہ عقیدہ کیا ہونا چاہیئے۔ شاید ایسے حتمی شواہد سے متاثر ہو کر ہی اٹھارھویں صدی کے آخر میں مشہور محقق تھامس پین (THOMAS PAINE) نے اپنی مشہور کتاب "معقولیت کا زمانہ" (AGE OF REASON) میں مسیحیت کے بارے میں مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کیا تھا کہ "جب کوئی آدمی اپنے دماغ کی عصمت کو اس حد تک خراب کرے کہ اپنے پیشے (پادری) کی خاطر ایسے ایمان کی تبلیغ کرے جس پر وہ خود یقین نہیں رکھتا تو وہ خود کو ہر قسم کے ارتکاب جرم کے لئے تیار کر لیتا ہے۔ وہ پادری کا پیشہ منافع کی خاطر اختیار کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس پیشے کا اہل بنانے کے لئے دروغ حلفی سے آغاز کرتا ہے۔ کیا اخلاق کی تباہی کے لئے ہم اس سے زیادہ اور کسی چیز کا تصور کر سکتے ہیں؟"

انگریزی اقتباس اس طرح ہے۔

WHEN A MAN HAS SO FAR CORRUPTED AND PROSTITUTED THE CHASTITY OF HIS MIND, AS TO SUBSCRIBE HIS PROFESSIONAL BELIEF TO THINGS HE DOES NOT BELIEVE, HE HAS PREPARED HIMSELF FOR THE COMMISSION OF EVERY OTHER CRIME. HE TAKES UP THE TRADE OF PRIEST FOR THE SAKE OF GAIN, AND IN OPDER TO QUALIFY HIMSELF FOR THAT TRADE, HE BEGINS WITH PERJURY. CAN WE CONCEIVE ANYTHING MORE DESTRUCTIVE TO MORALITY THAN THIS?(PAGE 3)

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ "وہ یہ کہانی اُلٹ طریقے سے بیان کرتے یعنی مجرم شیطان کا سانپ کی شکل میں مصلوب ہونا، تو کم بے ہودہ بات معلوم ہوتی لیکن انہوں نے تو خدا کو ہرا کر پھانسی پر چڑھا دیا اور شیطان کو فتح دلا دی! گویا مجرم کامیاب ہوا اور بے گناہ نے سزا پائی یہ تو قدرت کے اصولوں کے سراسر خلاف ہے" ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں "کہ کوئی عقیدہ جو کسی بچے کے دل کو صدمہ پہنچائے سچا کہلانے کا کیونکر حقدار ہو سکتا ہے جیسا کہ مسیحیت میں ہے کہ باپ خدا نے ایک بیٹا جنا اور جب وہ بڑا ہوا تو اسے مروا ڈالا۔ اور یہ بتانا اور بھی دھچکے کا باعث ہوگا کہ خدا نے ایسا جان بوجھ کر کیا تاکہ بنی نوع انسان بہشت کی حقدار بن جائے۔" اگر بچے کی عمر سات سال یا اس سے زیادہ ہو اور وہ ناگواری کا اظہار کرے تو اس کے باپ کا، اس کی ماں کا اور اس کے بہن بھائیوں کا "قانونی" فرض تھا کہ اس بچے کے "بدعتی" ردعمل (ناگواری) سے پادری صاحب کو مطلع کریں۔ کیونکہ قانون کے مطابق سات سالہ بچہ مذہبی معاملات میں بالغ اور اپنے ایمان، عقائد و دیگر متعلقہ امور میں پوری طرح ذمہ دار اور جواب دہ قرار دیا گیا تھا۔ بچہ اگر اپنے "جرم" سے انکار کرے تو زندہ جلائے جانے تک کا امکان تھا۔ ورنہ مدت تک لعنت ملازمت کی صلیب پہنا تو معمولی سزا سمجھی جاتی تھی۔ درآنحالیکہ یہ بھی پہننے والے کو زندہ درگور کر دیتی تھی۔

مقام حیرت ہے کہ یورپ کا عام آدمی تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک یہ ظلم کیوں برداشت کرتا رہا اور اس نے ایسے جارحانہ مذہب کے نشانات کیوں نہ مٹا دیئے۔ جس کے پیشوا بڑی ڈھٹائی سے امن کے دعویدار ہیں لیکن جن کے ہاتھ خون ناحق سے رنگے ہوئے ہیں۔ یورپ کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ دراصل مسیح مذہب کی تاریخ ہے۔ جس کے دوران میں انفرادی طور پر عام انسانوں پر ظلم و تعدی کے لاتعداد واقعات کے علاوہ دنیا کی خونریز ترین جنگیں بھی لڑی گئیں جن میں سے بعض تو لگاتار سو سال تک بھی جاری رہیں اور اسی مسیحی دنیا میں لڑی گئیں۔ خود حالیہ زمانے میں صرف حرص و ہوا کی خاطر دو بڑی عالمی

جنگیں لڑی گئیں۔ جاپان پر مہلک ترین ہتھیار ایٹم بم گرائے گئے۔ جن سے لاکھوں کی تعداد میں معصوم خلق خدا ماری گئی۔ جھوٹے بہانوں سے ویت نام پر کئی سال تک بے پناہ مظالم توڑے گئے، جن سے لاکھوں جانیں تلف ہوئیں۔ نہایت اونچی سطح پر کئے گئے معاہدے توڑ کر فلسطین کی بے گناہ عرب آبادی پر یہودیوں جیسی ذلیل قوم کو مسلط کر کے لگاتار ظلم اور تشدد کے دروازے کھول دیئے، جو اب تک جاری ہے۔ پوپ صاحب کی طرف سے اجازت ہے کہ غیر مسیحیوں سے کئے گئے معاہدے توڑنے میں فائدہ نظر آئے تو بے دھڑک توڑ دیئے جائیں۔ نتیجۃً حالیہ زمانے تک مسیحی اقوام نے دوسری اقوام سے کئے گئے معاہدے پے درپے اس کثرت سے توڑے ہیں کہ انسان شک میں پڑ جاتا ہے کہ شائد اس قوم کا کوئی ضمیر ہی نہیں۔ دھوکا، فریب، عہد شکنی، طاقت اور ظلم غرض جس ذریعے سے بھی مقصود حاصل ہو اس میں تامّل نہ کیا جائے۔ ان کی منزلِ مقصود دنیا بھر کی دولت اور سیاست کے وسائل پر قبضہ کر کے عیش و عشرت کرنا ہے۔ یورپ کی اقوام کا مذہب حکمران بادشاہ یا شہزادے کی ذاتی خواہش پر منحصر تھا۔ فرد اس کی پیروی پر مجبور تھا۔ سیکسن لوگوں کو مسیحی بنانے کے لئے آٹھویں صدی عیسوی میں شارلمین نے ظلم اور زبردستی کی ایسی مثال قائم کی جو تاریخ میں بار بار دُہرائی گئی۔ پوپ نے نئے مفتوحہ بر اعظم سپین اور پرتگال کے بادشاہوں کے درمیان تقسیم کر کے ان کے ذمّے وہاں کے باشندوں کو مسیحی بنانے کا فرض لگا دیا۔ جسے انہوں نے پوری سنجیدگی سے پورا کیا۔ لیکن زبردستی مسیحی بنا لیئے جانے کے باوجود ان اقوام پر اس قدر گھناؤنے اور شرمناک ظلم توڑے کہ شرفِ انسانی سننا بھی گوارا نہ کرے۔ ایسے ظلم جن کا وجود وحشی ترین قبائل میں بھی نہیں ملتا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ مسیحیت کے عروج کا "سنہری دَور" جہالت، ظلم اور بربریّت کے عروج کا دَور بھی تھا۔ آزاد خیالی جرم تھی۔ جس کی پاداش میں سترھویں صدی کے آغاز میں بھی پادری وینِنی لوسیلیو (VANINI LUCILIO) کی پہلے زبان کاٹی

گئی پھر گلا گھونٹا گیا اور آخر میں جلا دیا گیا۔ تقریباً اسی زمانے میں وجلیئس (VIGILIUS) کو "زمین گول ہے" کہنے پر زندہ جلا دیا گیا۔ اور گلیلیو جان بچانے کے لئے ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ اور تشدد کے نتیجے میں اندھا ہو گیا۔ یہ مثالیں تو صرف معروف لوگوں کے متعلق چند اشارے ہیں۔ حقیقتِ حال بے حد وسیع اور بھیانک تھی۔ مؤرخین کے بقول قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کی یوں ہی ورق گردانی سے قتل و غارت، زنا بالجبر اور لوٹ مار کے اتنے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ شیطان کی حکمرانی کا دور ہو۔

ہس (HUS) کو اس کی مخالفانہ تحریروں کی وجہ سے زندہ اور جان وکلف کی لاش کو انجیل کا ترجمہ کرنے کے جرم میں پادریوں نے اپنے سامنے آگ کے سپرد کیا۔ یہ ۱۴۱۵ء کی بات ہے۔ اوپر مذکور تھامس پین کہتا ہے۔ میرے سامنے میرے بہت سے پڑھے لکھے عزیز دوست ہلاک کر دیئے گئے۔ اور خود میرا بھی گھیراؤ کیا گیا۔ جس میں سے میں خوش قسمتی سے بچ نکلا۔ یہ اٹھارھویں صدی کے آخر کی بات ہے۔ فرانس میں کیلس جین (CALAS JEAN) کو ۱۷۶۲ء میں اس شبہے میں اذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا کہ اس نے اپنے بیٹے کو کیتھولک مسیحی بننے سے روکنے کے لئے قتل کر دیا تھا۔ اس کے تمام کنبے کو جیل میں ڈال دیا گیا اور جائیداد ضبط کر لی گئی۔

انگلستان میں اپنے علاقے کے گرجا میں لازمی حاضری ۱۶۵۰ء میں اس شرط کے ساتھ معاف کی گئی کہ کسی دوسرے گرجا میں ضرور حاضری دی جائے۔ پادریوں کی خود مختار عدالتوں کو ۱۶۶۱ء میں عام سول عدالتوں کے ماتحت کیا گیا۔ ۱۶۶۶ء میں ڈرہم (DURHAM) کے آرچ بشپ نے شکایت کی کہ اذیت دینے کے اختیارات (COERCIVE POWER) کی عدم موجودگی میں وہ ٹیکس وصول نہیں کر سکتا۔ ۱۶۷۸ء میں انگلستان ہی میں کلیسا کے حکم پر موت کی سزا کا قانون منسوخ کر دیا گیا۔ اسی طرح آہستہ آہستہ تمام یورپین ملکوں میں کلیسا کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔ تا آنکہ سولھویں

صدی میں مارٹن لوتھر کا شروع کیا ہوا آزادی کا عمل تقریباً انیسویں صدی میں جزوی طور پر پورا ہوا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوتھر مذہب کے معاملے میں روادار تھا۔ بلکہ وہ بھی ظلم اور زبردستی کا حامی تھا۔ اس کی جدوجہد زیادہ تر پوپ کے وسیع اختیارات کے خلاف تھی۔

یورپی مسیحیوں کو مذہبی پیشواؤں کے وسیع اور گہرے تسلّط سے آزادی بہت سے تاریخی عوامل کے نتیجے میں حاصل ہوئی۔ مثلاً گیارھویں صدی کے آخر سے لے کر تیرھویں صدی تک صلیبی جنگوں کے دوران میں باہر کی دنیا کو دیکھنے اور دوسرے مذاہب سے واسطہ پڑنے سے ان کی معلومات میں وسعت پیدا ہوئی۔ گو کہ اس کے ساتھ ہی ان اثرات کو زائل کرنے کے لئے محاسبے یا تطہیر (INQUISITION) کے نام سے کلیسا نے اپنے اندر اپنے نئے بازو کا اضافہ کیا جس کا کام ہی صرف یہ تھا کہ کٹّر مستند عقیدے سے انحراف یا شک کرنے والوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیفرِ کردار کو پہنچایا جائے۔ (اس دلخراش موضوع کا ذکر آگے آئے گا) پھر بھی چودھویں صدی سے سو سالہ جنگ کے آغاز، پندرھویں صدی میں تیس سالہ گلابوں کی جنگ، سپین سے مسلمانوں کے قتل اور اخراج، سولہویں صدی میں امریکہ کی دریافت کے بعد آبادی کی بڑی تعداد کی نقل مکانی کا آغاز، مشرق میں ایشیا اور آسٹریلیا میں فتوحات و دریافت کے نتیجے میں انسانی قوت کی ضرورت اور کھپت، اور دُور دراز ممالک سے مسلسل رابطے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دوسرے مذاہب کی سی آزادی کی شدید خواہش وغیرہ وہ عوامل تھے۔ جو مسیحیوں کی مذہبی زندگی پر سے پادریوں کے ہمہ گیر عمل دخل کو کچھ فاصلے پر ہٹانے کا باعث بنے۔ ورنہ کیتھولک کلیسا جو اب بھی اکثریت میں ہے۔ تمام علوم کو اپنے لئے مضر سمجھتا ہے تمام سائنسی ایجادات کو طنزاً "غیر متبرک انسانی ایجادات" (UNHOLY HUMAN INVENTIONS)

کہتا ہے۔ ۱۹۱۰ء میں پوپ نے تمام پادریوں کو حکم دیا کہ وہ جدت پسندی کے خلاف حلف اُٹھائیں۔ کلیسا کے ایک مورخ ایلک وڈلر (ELLIC VIDLER) نے اسے مذہبی دہشت گردی لکھا ہے۔ اس کے مطابق پوپ نے "چوکسی" (COUNCIL OF VIGILANCE) کے نام سے ایک کونسل بلائی۔ تاکہ ایسے اقدام کیے جائیں کہ پادریوں، استادوں اور طالب علموں کو جدّت پسندی اور اس کے اثرات سے دُور رکھا جائے اور تمام لاٹ پادریوں کو حکم دیا کہ وہ ہر تین سال بعد ان احکامات کے بارے میں تعمیل کی رپورٹ پوپ کو بھیجا کریں۔ ظاہر ہے ایسی تمام کوششوں کا ایک ہی مقصد ہے۔ اور وہ یہ کہ مسیحیت کے مشکوک اور ناقابلِ فہم ایمان و عقائد کو علم کی روشنی سے پیدا ہونے والے اعتراضات کے حملوں سے محفوظ رکھا جائے یہی کچھ قرونِ اولٰے اور وسطیٰ تک بھی ہوتا رہا۔ فرق یہ ہے کہ اس وقت کلیسا پوری طرح با اختیار اور حاوی تھا جو اَب نہیں۔

انگلستان میں ۱۹۳۶ء کے "عشر ایکٹ" (TITHE ACT.) کے مطابق بندش کی وجہ سے کلیسا کو تین لاکھ پونڈ سالانہ کا نقصان ہوا۔ جو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔ ۱۹۵۴ء میں چرچ آف انگلینڈ کو صرف اوقاف کی (TRUSTS) مَد سے پچاسی لاکھ پونڈ کی آمدنی ہوتی۔ نچلی سطح کے گرجاؤں کی آمدنی کے اپنے الگ وسائل بھی تھے۔ یہی حال دیگر ممالک میں بھی تھا۔ یہ اس برگزیدہ ہستی کے نام لیواؤں کا حال رہا ہے جس کا قول اور زندگی، انکسار اور غریبی سے عبارت تھی۔ ملر (MILLER) اپنی کتاب "چرچ ہسٹری" میں کہتے ہیں۔ کنسٹنٹائن اوّل کے دورِ حکومت میں مسیحیت اور بت پرستی کو باہم خلط ملط کر دیا گیا اور مسیحیت وقار اور دولت کا یقینی ذریعہ بن گئی۔

ایلی قدوری (ELIE KADOURI) اپنی تصنیف "چیتھم ہاؤس کے انداز اور

مشرق وسطےٰ کی کہانی" صفحہ ۳۲۲ پر لکھتے ہیں" ایک مسیحی باپ نے روم میں پلنے زیر تربیت پادری بیٹے کو حکم دیا کہ اس کے خیال میں مسیحیت ایک ایجاد کردہ مذہب ہے۔ جس کی بدولت اس کے سرغنہ دولت سمیٹتے ہیں اس لئے تم یہ پیشہ ترک کر کے واپس آ جاؤ۔ بیٹا تعمیل کرتے ہوئے واپس آگیا" عام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ ۳۲۵ء میں منعقدہ نقایا کونسل اور شاہی سرپرستی کے ساتھ ہی ہوس زر پوری شدت سے مسیحیت میں داخل ہوگئی اور روحانیت کا خیال بھول گیا۔ اور تانا بانا ایسی چالاکی سے بُنا گیا کہ پیروکاروں کو خوفزدہ رکھ کر زیادہ سے زیادہ لوٹا جائے۔

عیسائیت اور سماجی رہبری

۱۸۷۰ - ۱۹۱۴ تک کے دور سے متعلق کتاب "لندن کے منحرفین" (LONDON HERETICS) کے صفحہ ۱۷۵ پر مصنف سلویسٹر سمتھ (SYLVESTOR SMITH) لکھتا ہے کہ" سماجی لحاظ سے باشعور کلیسا کے احیاء کا مطلب یہ ہوگا کہ مسیحیت کے تمام تصورات کو مستقل طور پر بدل دیا جائے" انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

REVIEWING THE NOTION OF A SOCIALLY CONSCIOUS CHURCH WAS TO HAVE THE ENTIRE CONCEPT OF CHRISTAINITY PERMANENTLY ALTERED.

مطلب واضح ہے کہ سماجی ضروریات اور مسائل کے بارے میں مسیحیت جس حالت میں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ انسان کی رہنمائی کے سلسلے میں قطعاً عاری ہے یا قریباً ایسا ہی ہے۔ شاید اسی لئے کلیسا "موقع محل کی اخلاقیات کے اصول" پر عمل پیرا رہا ہے شادی، طلاق، موت، تعلیم، تجارت، امانت، نیکی، بدی غرض یہ کہ روزمرہ کی زندگی میں انسان کو جن کیفیات و مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ان کے بارے میں ہمارے اعمال

اور کردار کیا ہوں۔ کلیسا ہمیں کچھ نہیں بتاتا۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ مستقل ضابطوں کے تعین سے کلیسا کی مسلسل روز مرّہ کی دخل اندازی کے مواقع کم ہو کر آمدنی میں خسارے کا باعث ہو سکتے تھے۔ اس کے علاوہ کتب مقدسہ بھی فرد کو ہر قسم کے ضابطۂ اخلاق سے آزاد کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو" رومیوں کے نام خط" باب ۴ فقرہ ۷، ۸" مبارک وہ ہیں جن کی بدکاریاں معاف ہوئیں اور جن کے گناہ ڈھانکے گئے۔ مبارک وہ شخص ہے جس کے گناہ خدا محسوب نہ کرے گا"۔ پھر اسی باب کی فقرہ ۱۴ - ۱۵ میں ہے کہ" اگر شریعت (ضابطۂ اخلاق) والے ہی وارث ہوں تو ایمان بے فائدہ رہا اور وعدہ لاحاصل ٹھہرا۔ کیونکہ شریعت تو غضب پیدا کرتی ہے۔ جہاں شریعت نہیں وہاں حکم عدولی بھی نہیں"۔ شریعت کے نفاذ سے غضب کا پیدا ہونا عجیب منطق ہے۔

شادی کے بارے میں کسی متعین ضابطے کی عدم موجودگی کی وجہ سے بارھویں صدی میں آنسٹے (ANSTAY) کے معاملے میں پوپ الیگزانڈر سوم نے اس بات کے تعین کے لئے کہ جائز شادی کسے کہا جائے۔ (WHAT CONSTITUTED A VALID MARRIAGE) کئی بار اپنی رائے بدلی۔ اسی زمانے میں کلیسا شادی کو ایک برکت (SACRAMENT) کے طور پر قبول کرنے والا تھا۔ لیکن راستے میں یہ عقیدہ حائل تھا کہ" جنسی لطف میں گناہ کا عنصر لازمی ہوتا ہے" (12TH CENTURY RENAISSANCE BY BROOKS)

۷۹۵ء میں امیر عبدالعزیز نے ایک مسیحی طلاق کے مقدمے کے فیصلے کے لئے پادریوں کی ایک کونسل بلائی تھی۔ کیوں کہ اس بارے میں کوئی واضح ہدایات موجود نہ تھیں۔

(DESERT PILGRIMAGE BY JAMES WELLARD)

قارئین کی دلچسپی کے لئے ایسی آزادیٔ کردار کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مادر پدر آزاد معاشرے کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو عطا کردہ دس احکاماتِ خداوندی یعنی تم قتل، زنا وغیرہ نہیں کرو گے۔ ایک

گال پر تھپڑ مارنے والے کو دوسرا گال بھی پیش کرو گے وغیرہ۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق تیرھویں صدی کے آغاز ۱۲۰۶ء تک متروک رہے" جس کے بعد وقتاً فوقتاً محض علمی ضرورت کے کام میں لائے جانے لگے۔

کتاب "صحرا کی زیارت" (DESERT PILGRIMAGE) کے مصنف جیمز ویلارڈ صفحہ ۸۵ پر لکھتے ہیں کہ مسیحی اپنے بوڑھوں کو فضول اور سخت خطرناک سمجھتے تھے اور شادی کو دنیا میں دوزخ خیال کرتے تھے۔ آجکل ان بوڑھوں کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی ہوگی جنہیں بوڑھے ہونے کے "جرم" میں بھرے پڑے گھر سے الگ کر کے موت کے انتظار کے لئے محتاج خانوں (OLD PEOPLE HOMES) میں داخل کرا دیا جاتا ہے۔ معاشرے میں ماں اور باپ کا جو تقدس غیر مسیحی دنیا میں پایا جاتا ہے مسیحی دنیا میں اس کا تصور بے سود ہے۔ وہاں تو شام ہوتے ہی بوڑھے عالم تنہائی میں اپنے ٹھکانوں کے اندر دبک کر بیٹھ جاتے ہیں، تاکہ "موت کا تماشہ دیکھنے والوں" کے ہاتھوں مارے نہ جائیں۔ رات کے اندھیرے میں باہر نکلنے کی جسارت کریں تو اس "مہذب" دنیا میں کوئی اور حادثہ نہ ہو تو بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ آدھی رات تک ہر کوچہ و بازار میں غول درغول پھرنے والے نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کی تفریح طبع کا شکار ہو جائیں جو بار ہا ہوا ہے۔

بچوں پر بے رحمی

قارئین شائد اس انکشاف پر حیران ہوں کہ نام نہاد مہذب مسیحی ممالک کے مادر پدر آزاد معاشرے میں بچوں پر کثرت سے شدید مظالم کے نتیجے میں "انسداد بے رحمی اطفال" کا سرکاری محکمہ موجود ہے۔ باپ یا ماں بعض اوقات ذرا ذرا سی بات پر بچوں کی ہڈیاں تک توڑ دیتے ہیں۔ شائد آزاد پھرنے والی ماں کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کے باپ کو یقین نہیں ہوتا کہ بچہ اسی کا ہے

جبکہ ناخوشگوار گھریلو ماحول کی ماں بچے کو اپنی آزادراہ میں رکاوٹ سمجھتی ہے۔ چنانچہ دونوں طرف سے نزلہ بچوں پر گرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں جابجا لائسنس یافتہ رضاعی والدین (FOSTER PARENTS) پائے جاتے ہیں جو قومی خرچ پر متروک بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔

"خواب آور ادویات"

مسیحی دنیا میں خواب آور ادویات کا استعمال بھی بکثرت ہوتا ہے۔ دولت کی فراوانی اور قومی تحفظ (SOCIAL SECURITY) کے علاوہ فکر سے آزاد کرنے کے لیئے قدم قدم پر شراب خانے موجود ہیں لیکن پھر بھی نیند نہیں آتی تو خواب آور دواؤں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ میڈیکل جرنلوں میں شائع ہونے والے ہوشربا اعداد و شمار اس بات کے گواہ ہیں۔

"پاگل"

نفسیاتی مریضوں اور پاگلوں کی تعداد کا تناسب بھی مسیحی دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ انگلستان اور ویلز کے ۱۹۵۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق مصدقہ پاگلوں کی تعداد ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ تھی۔ امریکہ کا تناسب اس سے زیادہ ہے۔ جبکہ عام نفسیاتی مریضوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے۔

لڑکیوں کے لئے شادی کی کم از کم عمر کی حد انگلستان میں ۱۸۷۵ء تک بارہ سال تھی جو بڑھا کر ۱۳ سال کی گئی۔ موجودہ ۱۶ سال کی حد ۱۹۲۹ء میں تیرہ سال سے بڑھا کر کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ویرا برٹن (VERA BRITAIN) کی کتاب "لیڈی سے عورت تک" (LADY INTO WOMAN) کے صفحہ نمبر ۱۴۸ پر

مندرج یہ بیان پڑھیں کہ "جنسی مقاصد کے لئے بدکار لوگ کنواری بچیاں رواجاً کرائے پر لے جایا کرتے تھے۔" تو سماج کے اہم ستون عورت کی بھیانک زندگی کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ انگریزی الفاظ اس طرح ہیں۔

AMONG MEN OF VICIOUS TYPE IT WAS FASHIONABLE TO HIRE VIRGIN CHILDREN FOR PURPOSE OF INDULGENCE.

اسی صفحے پر ۱۹۲۲ء کا ایک واقعہ یوں ہے کہ ایک عورت کا بٹوہ چھیننے والے ایک آدمی کو بارہ ماہ قید کی سزا دی گئی اور ایک دوسرے آدمی کو ایک نرس کے ساتھ زنا۔بالجبر کرنے کے جرم میں صرف ایک ماہ کی۔ یہی مصنف مزید رقمطراز ہے کہ مرغی چرانے کے جرم میں تو پانچ سال قید کی سزا دی گئی جبکہ ایک نابالغ بچی کے ساتھ زنا۔بالجبر کرنے کے جرم میں ڈیڑھ سال۔ گویا ایک نابالغ بچی کی عصمت کی اہمیت ایک مرغی کے نقصان سے بھی کم تھی۔ مسیحی دنیا کی عام سماجی حالت کا اندازہ صرف ایک اور مثال سے بخوبی ہو جائے گا۔ جو (LONDON HERETICS) نامی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر درج ہے کہ "مشرقی لندن کے ایک تہہ خانے میں باپ ماں تین بچے چار سؤر۔ ایک دوسرے کمرے میں ایک چیچک زدہ مرد اور آٹھویں زچگی کے دوران عورت۔ بچے گندے اور آدھے ننگے، ان دفنائی لاشیں، اخلاقی فقدان۔ اگر آپ ان عقوبت خانوں میں اکٹھے رہنے والے مرد اور عورت سے پوچھیں کہ کیا وہ شادی شدہ ہیں؟ تو وہ آپ کے ذہن کی سادگی پر ہنسیں گے۔ اس بات کو نہ تو کوئی جانتا ہے، اور نہ ہی توقع کرتا ہے۔ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

IN ONE EAST END CELLAR, FATHER, MOTHER. THREE CHILDREN FOUR PIGS, IN A ROOM. A MAN WITH SAMALLPOX WIFE RECOVERING FROM EIGHTH CONFINEMENT

CHILDREN FLITHY AND HALF NAKED, UNDISPOSED CORPSES. MORALITY NON EXISTENT. ASK IF A MAN AND A WOMAN LIVING IN THESE ROOKERIES ARE MARRIED AND YOUR SIMPLICITY WILL CAUSE A SMILE. NOBODY KNOWS, NOBODY CARES, NOBODY EXPECTS.

اور یہ بات ہے بیسویں صدی کے آغاز اور لندن کی۔ جو دنیا کا نگینہ شہر کہلانے کا دعویدار ہے اور جہاں بڑے لاٹ پادری کا محل ہے۔ اس مثال سے اخلاق کے سارے متوقع پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ گرجاؤں میں عام آدمی کے لئے الگ گھٹیا نشستوں کا انتظام تھا۔ وہ امیر آدمی کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا اور گرجوں میں نشستوں (PEWS) کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ اس حقیقت پر مسیحی کلیسا کا اخلاقی تعمیر میں کوئی حصہ نہیں۔ مشہور فلسفی برٹنڈرسل نے آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اگر آپ گردوپیش پر نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ انسانی احساسات کی نشوونما کے ہر پہلو، ضابطۂ فوجداری کی ہر اصلاح، جنگ کا خطرہ کم کرنے کی سمت ہر اقدام لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک کی جانب ہر پیشرفت غلاموں کے ساتھ نرمی کی ہر کوشش اور اخلاق کی بہتری کی ہر صورت جو دنیا میں ہوئی ہے ان سب کی تمام دنیا کے کلیساؤں نے منظم طور پر یکساں مخالفت کی ہے۔" انگریزی کا متن ملاحظہ ہو۔

"YOU FIND AS YOU LOOK ROUND THE WORLD THAT, EVERY SINGLE BIT OF PROGRESS IN HUMAN FEELINGS, EVERY IMPROVEMENT IN CRIMINAL LAWS, EVERY STEP TOWARDS DIMUNITION OF WAR, EVERY STEP TOWARDS BETTER TREATMENT OF COLOURED RACES OR EVERY MITIGATION OF SLAVERY, EVERY MORAL PROGRESS

THAT THERE HAS BEEN IN THE WORLD. HAS BEEN CONSISTENTLY OPPOSED BY ORGANISED CHURCHES OF THE WORLD".

(BURTENED RUSSEL AND CHRISTIANITY. PAGE 63)

گبن کہتا ہے "کیتھولک عقیدے کے مطابق شادی صرف ایک ہی بار ہوتی ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کی موت کی صورت میں دوسرا اگر دوبارہ شادی کرے تو وہ زناء کا مرتکب ہوتا ہے" عام حالت میں بھی ان کے ہاں تجرد کی زندگی کو اعلےٰ درجہ حاصل ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ زندگی کے اعلےٰ مقام پر رہنے کے لئے شادی نہ کی جائے اور جہاں تک فطرت کے تقاضوں کا تعلق ہے تو وہ شادی کے بغیر بھی پورے ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے یورپ میں کسی ندامت کے بغیر ایسے ڈراموں، اوپرا اور گانوں میں کھلم کھلا جنس (SEX) کا ذکر ہوتا ہے۔ جس سے وہاں کے معاشرے کی اندرونی سماجی حالت کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً بی بی سی لندن کے پروگرام LOOK NORTH جو ۱۵ ستمبر ۱۹۷۵ء کی شام کو ایک گانے کی شکل میں نشر ہوا جس میں ایک نوجوان اپنے والد سے پوچھتا ہے "میں فلاں لڑکی سے شادی کرلوں؟ باپ جواب دیتا ہے وہ لڑکی تمہاری بہن لگتی ہے۔ تمہاری ماں کو اس بات کا پتہ نہیں۔ تب لڑکا ایک دوسری لڑکی کے بارے میں پوچھتا ہے تو والد جواب دیتا ہے وہ تمہاری خالہ لگتی ہے۔ لیکن کسی کو اس بات کا علم نہیں۔ اس کے بعد لڑکا اپنی والدہ کو یہ واقعہ سناتا ہے۔ تو والدہ جواب دیتی ہے۔ تم دونوں میں سے کسی سے بھی شادی کرلو کیونکہ تم اپنے باپ کے بیٹے نہیں ہو۔" یہی وجہ ہے کہ مسیحی دنیا میں فرد کی شناخت کے کاغذات میں باپ کے نام کا خانہ ضروری نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ کلیسا کسی کے اپنی سوتیلی والدہ سے شادی کرلینے پر بھی معترض نہیں ہوتا تھا۔ عورت کے بارے میں یہ قصہ ابھی تک

سختی سے موجود کر میکن (فرانس) میں ۵۸۵ء میں ہونے والی پادریوں کی کونسل (COUNCIL OF MACON) نے اعلان کیا کہ "عورت میں روح نہیں ہوتی" "WOMAN DO NOT POSSESS A SOUL".

(CHURCH IN DARK AGES. PAGE 302 FOOTNOTE)

۱۹۵۰ء تک انگریز عورت اپنے خاوند کی ملکیت شمار ہوتی تھی۔

۱۹۶۴ء میں انگلینڈ کے دوران قیام میں مصنف کو بیل ویو کالج بریڈ فورڈ (BELL VIEW COLLEGE BRADFORD) کے مسٹر شیکلٹن MR. SHACKLETON نامی اُستاد نے بتایا کہ بیسویں صدی کے آغاز تک خاوند کو بیوی کی پٹائی کا قانوناً حق تھا۔ بشرطیکہ ڈنڈا خاوند کے ہاتھ کے انگوٹھے سے زیادہ موٹا نہ ہو۔

یوں تو یورپ میں سب ہی جگہ پوپ کے گماشتے جنت کے ٹکٹ یا پروانے (INDULGENCES) بیچا کرتے تھے۔ لیکن جب جرمن راہب ٹیٹزل (TETZEL) وٹن برگ (WITTENBURG) کے قریب کے دیہات میں بیچنے پہنچا تو مارٹن لوتھر کو بڑا غصہ آیا۔ جس کے نتیجے میں اس نے وہاں کے بڑے گرجا کے دروازے پر پوپ کے خلاف پچانوے الزامات نصب کئے (اکتوبر ۱۵۱۷ء) اور اس طرح مسیحیت کو پوپ کی اجارہ داری سے آزاد کرانے کی بنیاد پڑی۔ ٹیٹزل کا کہنا تھا کہ پوپ کے یہ ٹکٹ اتنے موثر ہیں کہ (نعوذ باللہ) اگر کوئی اپنی ماں کے ساتھ بھی ملوث ہوا ہو تو پوپ کی نقدی کی پیٹی میں ان کی قیمت کا سکہ گرتے ہی گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اور کہ پوپ کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے اور اگر وہ معاف کر دے تو خدا مجبور ہے کہ وہ بھی معاف کرے۔ اگر انہوں نے پروانے جلدی سے خریدے تو سینٹ انابرگ کی پہاڑیاں خالص چاندی کا ڈھیر بن جائیں گی۔ اور جس کی خاطر رقم ادا کی گئی ہو سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔ ان پروانوں یا

تعویذوں کی بڑی مانگ تھی۔ جب ان کوے کرنمائندہ کسی شہر کے اندر داخل ہوتا تھا تو پٹی کو ساٹن کی سونے کی کڑھی ہوئی گدی پر رکھا جاتا تھا۔ اور تمام پادری تمام راہب، شہری کونسل، سکول ماسٹر، طالب علم، آدمی، عورتیں، لڑکیاں بچے، جھنڈے اور مورچھل لئے استقبال کرنے جلوس کی شکل میں گیت گاتے ہوئے شہر سے باہر نکل آتے تھے۔ تمام گھنٹیاں اور تمام باجے بجائے جاتے تھے اور اس طرح اسے بڑی شان سے گرجا کے اندر لے جایا جاتا تھا۔ جس کے درمیان میں ایک سرخ صلیب کھڑی کی جاتی تھی اور پوپ کا جھنڈا لہرایا جاتا تھا۔ قصہ مختصر خود خدا کی بھی اس سے زیادہ آؤ بھگت نہ ہوتی۔ انگریزی متن یہ ہے۔

TETZEL SAID THAT IF A CHRISTIAN HAD SLEPT WITH HIS MOTHER. AND PLACED THE SUM OF MONEY IN THE PEOPLE'S INDULGENCE CHEST. THE POPE HAD POWER IN HEAVEN AND EARTH TO FORGIVE THE SIN, AND, IF HE FORGAVE IT, GOD MUST DO SO ALSO. ITEM, IF THEY CONTRIBUTED READILY AND BOUGHT INDULGENCE AND GRACE, ALL THE HILLS OF ST. ANNABURG WOULD BECOME PURE SILVER. ITEM, SO SOON AS THE COIN RANG IN THE CHEST, THE SOUL FOR WHOM THE MONEY WAS PAID WOULD GO STRAIGHT TO HEAVEN. THE INDULGENCE WAS SO HIGHLY PRIZED THAT, WHEN THE COMMISSARY ENTERED A CITY. THE BULL WAS BORNE ON A SATIN

OR GOLD EMBROIDERED CUSHION. AND ALL THE PRIESTS AND MONKS. THE TOWN COUNCIL, SCHOOL MASTERS, SCHOLARS, MEN, WOMEN, MAIDEN, AND CHILDREN, WENT OUT TO MEET IT WITH BANNERS AND TAPERS, WITH SONGS AND PROCESSION. THEN ALL THE BELLS WERE RUNG. ALL THE ORGANS PLAYED. HE WAS CONDUCTED INTO THE CHURCH. AND THE POPE'S BANNER DISPLAYED, IN SHORT GOD HIMSELF COULD NOT HAVE BEEN WELCOMED AND ENTERTAINED WITH GREATER HONOUR("THEY SAW IT HAPPEN IN EUROPE" PAGE 237)

طنزیہ اور ذومعنی (IRONICAL) طرزِ گفتگو بھی مسیحیت ہی کی دین ہے۔ جس کا آغاز خود پال نے کیا تھا۔ اور جسے پادریوں اور وکیلوں نے خوب فروغ دیا۔ "مخلوق کے خلاف جرائم" (CRIMES AGAINST CREATION) کی مصنفہ مس ڈرفیس (MISS.DRAYFUS) صفحہ ۱۵۴ پر لکھتی ہیں" ۳۲۵ء میں نقایا کی کونسل کے موقعے پر مسیحی انجیل میں بڑی حد تک توڑ پھوڑ کی گئی تھی۔ ویسٹ منسٹر کے آرچ ڈیکن ولبر فورس اور پروفیسر نیسل (ARCH DEACON WILBERFORCE AND PROFESSOR NESTLE) ہمیں بتاتے ہیں کہ بعض عالموں کو جو درستی کرنے والے CORRECTORS کہلاتے تھے۔ مذہبی حاکموں نے انجیل کو درست کرنے کے کام پر لگایا تھا۔ مثال کے طور پر فضول خرچ بیٹے کی تمثیل (THE PRODIGAL SON) میں باپ نے کہا تھا۔ بہترین پکے پھل روٹی اور تیل و شراب لاؤ۔ آؤ ہم کھا کر خوشی منائیں۔ لیکن درستی کرنے والوں نے یوں بدل دیا کہ "موٹا تازہ بچھڑا لاؤ" اسی طرح جب حضرت

مسیح نے ویرانے میں ایک ہجوم کو کھانا کھلایا تو انہوں نے کہا تھا" روٹیاں اور انگور لاؤ" انہوں نے انگور کو بدل کر مچھلیاں کر دیا اور اس طرح مسیح کے کلام کا مذاق بناڈالا

انگریزی متن ملاحظہ ہو۔

AT THE TIME OF COUNCIL OF NICAEA. A.D.325, THE MSS OF THE NEW TESTAMENT WAS CONSIDERABLY TEMPERED WITH. BOTH ARCH DEACON WILBERFORCE OF WESTMINISTER AND PROFESSOR NESTLE TELL US THAT, CERTAIN SCHOLARS, CALLED CORRECTORS WERE, APPOINTED BY THE ECCLESESTICAL AUTHORITIES AND COMMISSIONED TO CORRECT THE GOSPEL OF THE HOLY TWELVE.

FOR INSTANCE IN THE PARABLE OF THE PRODIGAL SON, THE FATHER HAD SAID BRING THITHER THE BEST RIPE FRUIT THE BREAD AND OIL AND THE WINE AND LET US EAT AND BE MERRRY BUT, THE CORRECTORS CHANGED IT INTO BRING THITHER THE FATTED CALF. SIMILARLY WHEN JESUS FED THE MULTITUDE IN WILDERNESS. HE SAID BRING GRAPES AND LOAVES THEY CHANGED GRAPES INTO FISH THUS MAKING MOCKERY OF JESUS WORDS.

اس کتاب میں مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یسوع مسیح سبزی خور تھے اور گوشت خوری کے خلاف تھے۔ اور کہ لوگ شروع ہی سے انجیل میں

تحریف کیا کرتے تھے۔

جو مذہب جنسی زندگی جیسے اہم اور بنیادی پہلو کو نظر انداز کر کے بڑی حد تک آزاد چھوڑ دیتا ہے اس سے انسانوں کے اخلاق کی تعمیر کے سلسلے میں اور کیا اُمید کی جاسکتی ہے۔ یہ زندگی کا وہ اہم جزو (FACTOR) ہے۔ جو عام انسان کی زندگی میں قیام وسکون یا انتشار کا باعث بنتا ہے۔ جب ہم یہ جانتے ہیں کہ صرف انسان وہ "حیوان" ہے جو زنا۔ بالجبر پر قادر ہے۔ اور پھر جانور، پرندے سب یہ سبق دیتے ہیں کہ جنس وجہ عیاشی نہیں۔ تو کیا انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اندھا ہے کہ اپنی تذکیر و تانیث کے درمیان آڑ نہ بنائے؟ مسیحی دنیا میں واقعی اس معاملے میں اندھیر ہے۔ اسی سیلاب بدتمیزی سے متاثر ہو کر انگلستان میں قیام کے دوران میں مصنف کے ایک پاکستانی مسیحی واقف کار نے کہا تھا "مجھے مسیحی کہلاتے ہوئے شرم آتی ہے"۔ وہ شائد غیر مسیحیوں میں رہنے کی وجہ سے شرم کے مفہوم سے واقف تھا۔ ورنہ مسیحی یورپین اقوام جنس کے معاملے میں شرم و حیا کو غیر ضروری اور غیر اہم سمجھتی ہیں۔ لیکن کھل کھیلنے اور توجہ کے نت نئے مرکز بدلنے کے نتیجے میں زندگی میں جو قدرتی خلاء پیدا ہوتا ہے۔ اسے سالانہ پی جانے والی اربوں روپے کی شراب، ٹنوں کے حساب سے کھائی جانے والی خواب آور ادویات اور ماہرین نفسیات کے دم دلاسے پُر نہیں کر پاتے تو ایک بڑی تعداد کی زندگی پاگل خانے یا خودکشی پر ختم ہوتی ہے۔ ۴ جولائی ۱۹۶۵ء کے بی بی سی لندن کے مطابق " برطانیہ میں ہر سال ہر سو نفوس میں سے ایک خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی سات کروڑ کی کُل آبادی میں سے سات لاکھ، اور کتنے ہی اور آرزو کرتے ہوں گے کہ کاش مر گئے ہوتے!" ضروریات زندگی سے بے فکری اور آزادی کے باوجود ایسا کیوں ہے؟ وہاں کے بعض مفکرین سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ مذہب کی طرف سے

زندگی کے بعض نازک اور فیصلہ کن گوشوں میں عوام کی رہنمائی نہ کرنے کے نتیجے میں یہ صورتِ حال پیدا ہوتی ہے لیکن اب اس کا رُخ موڑنا کسی کے بس کی بات نہیں. تاوقتیکہ یہ کسی مہیب تباہ کن حادثے سے دوچار نہ ہو جائے پھر اگر کچھ بچ گئے تو شاید نئے ضابطۂ اخلاق کی ضرورت محسوس کریں "۔ اب تو یورپ اور امریکہ سے آؤ یک نفری خاندانوں میں رہیں LET US HAVE SINGLE PERSON FAMILIES کی آوازیں آنے لگی ہیں ۔ آگے دیکھیں کیا ہو! صورتِ حال بڑی عبرتناک ہے ۔

"غلامی"

جناب پال غلام کو نصیحت کرتے ہیں کہ " اپنے آقا کی ایسے ہی غلامی کرو جیسی حضرت یسوع مسیح کی کرنے کا حق ہے"۔ تقریباً ۶۲ صدی عیسوی میں پال نے اپنے وَن سی مس (ONESIMUS) نامی بھگوڑے غلام دوست کو ہدایت کی کہ وہ واپس اپنے مالک کے پاس چلا جائے۔ پال مزید کہتا ہے کہ " غلام کو اگر آزادی کا موقع دیا جائے تو بھی اسے نہیں لینا چاہیئے"۔ مسیحی دنیا میں پیدائش کے حادثے (ACCIDENTS OF BIRTH) کے بعد عزت اور برتری کے لئے دولت مند ہونا ضروری رہا ہے. اگر پیدائش رگنے چنے امراء میں ہوئی ہے تو آپ معزز ہیں چاہے کردار کتنے ہی گھٹیا ہوں. کرسٹوفر ہل (CHRISTOPHER HILL) اپنی کتاب " انقلاب کی صدی" (CENTURY OF REVOLUTION) جو ۱۶۰۳ - ۱۷۱۴ پر محیط ہے، کے صفحہ نمبر ۲۹۶ پر لکھتے ہیں" ڈیفو (DEFOE) اپنی تصنیف "غریب آدمی کی استدعا" (POORMANG PLEA) کے ذریعے طبقاتی بنیادوں پر بنائے گئے سخت گیر قوانین کے خلاف احتجاج کرتا ہے. وہ کہتا ہے" سونے کی انگوٹھی اور زرق برق لباس پہنے ہوئے آدمی چاہے تو منصف کے سامنے گواہی دے یا چاہے تو اسے گالیاں دے کر کھلی گلیوں

میں سے گھر چلا جائے۔ اسے پوچھنے والا کوئی نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی غریب آدمی نشے میں مدہوش ہو جائے یا قسم پر حلف لے، تو اسے دفاع کے موقعے کے بغیر ہی سیدھا کاٹھ میں کس دیا جاتا ہے"۔ انگریزی الفاظ اس طرح ہیں۔

DEFOE, IN HIS"POORMAN'S PLEA" PROTESTED AGAINST CLASS BASIS OF THE VICE LAWS.THE MAN WITH A GOLD RING AND GAY CLOTHES MAY SWEAR BEFORE THE JUSTICE OR SWEAR AT THE JUSTICE. MAY REEL HOME THROUGH THE OPEN STREETS AND NO MAN TAKE ANY NOTICE OF HIM,BUT IF A POOR MAN GET DRUNK OR SWEAR AN OATH. HE MUST GO TO THE STOCKS WITHOUT REMEDY.

ٹریورنیر (TAVERNIER) کو نقل کرتے ہوئے ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ اپنی کتاب "اسلام کی تبلیغ" (PREACHING OF ISLAM) کے صفحہ نمبر ۱۰۰ پر ۱۶۰۵-۸۹ کے دور کے بیان میں لکھتے ہیں کہ "مذہب کے بارے میں جارجین (GEORGIAN) لوگ جاہل تھے اور ان کے پادری ان پڑھ اور بدکار تھے۔ (UNLETTERED AND VICIOUS) بعض کلیساؤں کے سربراہ مسیحی لڑکے لڑکیوں کو غلاموں کے طور پر ایرانیوں کے ہاتھ بیچ دیتے تھے"۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اٹھارہویں صدی کے "آزادی کے جھنڈے" کی تصویر کے مطابق ایک حبشی غلام زنجیروں میں جکڑا پاؤں کے ساتھ بندھا ہوا ہے، اور ایک سفید فام آدمی ہاتھ میں چابک لئے اس کے سر پر کھڑا ہے۔ ذرا ذرا سے قصور پر غلاموں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ کیتھولک کلیسا سمیت تمام مغربی یورپین ممالک

غلاموں کی تجارت میں ملوث تھے۔ انہیں افریقہ کے جنگلوں سے دھوکے، فریب، طاقت جیسے بھی ہاتھ آئیں پکڑ کر بھیڑ بکریوں کی طرح بحری جہازوں میں لاد کر امریکہ کی منڈیوں میں پہنچایا جاتا تھا جہاں عمر اور صحت کے لحاظ سے ان کی قیمت پندرہ سے ساٹھ پونڈ تک پڑتی تھی۔ بہت سے راستے میں مر جاتے تھے اور زیادہ بیماروں کو مرنے کے لئے ساحل سمندر پر ہی چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ڈیلی میل مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۴ پر گیری کین اور نیول رینڈال کو نقل کرتا ہے کہ " نئے آنے والے غلاموں کو داغ کر مطیع بنانے کے لئے دُرّے لگائے جاتے تھے۔ اور طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک گنے کے کھیتوں اور فیکٹریوں وغیرہ میں کام لیا جاتا تھا۔ معمولی قصور پر گلے میں لوہے کا اذیت دینے والا کالر پہنا دیا جاتا تھا تاکہ لیٹ نہ سکے۔ یا کان یا پاؤں کاٹ دیا جاتا تھا۔ یا خصی کر دیا جاتا تھا۔ زیادہ قصور پر ہڈیاں توڑ کر مرنے کے لئے پہئے کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔ یا زمین کے ساتھ کیلیں ٹھونک کر جلا دیا جاتا تھا۔ انگریزی متن ملاحظہ ہو۔

"NEW ARRIVALS WERE BRANDED, BROKEN IN BY FLOGGING TO THEIR TASKS, PLANTING AND CUTTING SUGAR CANE, WORKING IN SUGAR FACTORIES OR PLANTERS' HOMES FROM SUNRISE TO SUNSET PUNISHMENTS. FOR MINOR OFFENCES, IRON NECK BARS TO PREVENT LYING DOWN. AN EAR OR FOOT CHOPPED OFF, CASTERATION FOR SERIOUS CRIMES, BONES WERE BROKEN AND TIED TO WHEEL TO DIE OR WAS NAILED TO THE GROUND AND BURNT.

صدیوں بعد ان بدقسمت انسانوں کو کسی قدر آزادی ملی تو متعصب سفید فام لوگوں نے انہیں دہشت زدہ رکھنے کے لئے کو کلکس کلاں KU-KULX-KLAN

جیسی خفیہ تنظیم بنائی جس کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ سفید فام لوگوں کو رنگدار لوگوں پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ ڈھیلا ڈھالا ثوب ہپوڈ ہوئے لباس اور نوکدار ٹوپی کی شکل کا نقاب پہن کر بعض راتوں کو جمع ہو کر پُراسرار اور سنسنی خیز رسومات ادا کرتے ہیں جن میں صلیب کو آگ لگانا بھی شامل ہے امریکہ کے علاوہ اس خفیہ تنظیم کی شاخیں مغربی یورپین ممالک میں بھی ہیں۔ مسیحی دنیا میں غلامی ہی کی ایک قسم سرف (SERF) کہلاتی تھی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق "سرف ملک کی زمین پر مقید تھا۔ اس کے کوئی حقوق نہ تھے سوائے اس "حق" کے کہ وہ "روح و بدن کے ساتھ نواب کی ملکیت ہے"۔ اس کی شبِ عروسی بھی قانوناً نواب کے لئے مخصوص تھی اور اگر اس کی بیوی "اظہارِ محبت" سے انکار کرے تو ہو سکتا تھا اسے جادوگرنی ہونے کے الزام میں دھر لیا جائے۔" (جس کا مطلب تھا زندہ جلا دی جائے) انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"THE SERF, BOUND TO THE SOIL, HAD NO RIGHTS, OTHER THAN THE RIGHT OF OWING BODY AND SOUL TO HIS LORD. EVEN HIS WEDDING NIGHT WAS AT THE BARONS DISPOSAL; AND THE REFUSAL OF HIS WIFE TO SHOW FAVOUR TO THE BARON MIGHT RESULT IN HER INDICTMENT AS A WITCH."

سرف قانوناً اس بات کا پابند تھا کہ اپنی نوجوان بیٹی کو اس کی شادی سے پہلے اپنے آقا کو پیش کرے۔ نیز جاگیر (FIEF) کی حدود سے باہر لڑکی کی شادی کے لیئے ضروری تھا کہ پہلے جاگیردار (BARON) کی اجازت حاصل کرے۔

۲۵ جولائی ۱۹۶۵ء کے سنڈے ٹیلیگراف سے امریکہ کے ۱۹۶۴ء کے سنگین جرائم کے اعداد و شمار دلچسپی کا باعث ہوں گے، جو ایک فی بارہ سیکنڈ کے حساب سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ قتل ایک فی گھنٹہ، زنا بالجبر ایک فی چھبیس منٹ (بے پناہ جنسی آزادی

کے باوجود) اقدام قتل ایک ہر تین منٹ بعد، ڈاکہ ایک ہر پانچ منٹ بعد، چوری ایک ہر ایک منٹ بعد۔ آرماریلو ٹیکساس AMARILLO. TAXAS کے اڑتالیس سالہ پادری کو اخبار ٹیلیگراف کے مطابق ہی جب جج نے کار چوری کے الزام میں دو سال کے لئے زیر مشاہدہ رہنے کی سزا سنائی تو اس نے اعتراف کیا کہ یہ عادت اسے مدت سے ہے۔ اور کہ گزشتہ تیئس سال میں اُس نے "سینکڑوں کاریں" چرا کر بیچی ہیں اور تمام کی تمام رقم اس بڑے علاقائی کلیسا کو بطور چندہ دی ہے جس کا وہ نمبر دو پادری ہے۔ برطانیہ میں روزنامہ ٹیلیگراف مورخہ ۵ جولائی ۱۹۶۵ء میں دیئے گئے ۱۹۶۴ء کے اعداد و شمار کے مطابق ہر ۶۵ آدمیوں میں سے ایک سنگین جرم کا مرتکب ہوا۔

مسیحی تہذیب کا ایک اور بہت ہی بڑا شکار الفاظ و معنی کی حدود کا انہدام ہے کسی معاملے میں فیصلہ کن گفتگو کے دوران از حد چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ اگر الفاظ کے اُلٹ پھیر سے دھوکہ ملے جو بظاہر نظر نہ آئے تو نقصان اٹھانے والی پارٹی ان الفاظ (جنہیں اب WEASEL WORLDS کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) کے بارے میں جو جذبات رکھ سکتی ہے، انہیں کسی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "ویزل الفاظ کی مثال نقلی کرنسی کی سی ہے۔ عقلمند آدمی انہیں قبول نہیں کرتے۔ دیانتدار آدمی انہیں فروغ نہیں دیتے۔ پھر بھی بہت بڑی تعداد میں مروّج ہیں۔ اگر لوگ چوکنے رہیں اور ایسے الفاظ استعمال نہ ہوں تو عوامی بات چیت زیادہ صحت مند ہو۔ لوگ (ایسے الفاظ کی) چھان بین کریں۔ توڑ کر دیکھیں، روشنی کے سامنے کر کے دیکھیں، ٹھوک بجا کر دیکھیں۔" پھر بھی جیسا کہ مصنف کے مشاہدے میں آیا ہے۔ دورانِ گفتگو مخاطب لوگ بار بار ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: "کیا واقعی آپ کا یہی مطلب ہے؟" DO YOU REALLY MEAN IT?

گویا مسیحی دنیا میں الفاظ بھی حدود سے آزاد ہیں۔ اور بلند ترین سطح تک یہی حال ہے انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"WASEL WORDS ARE LIKELY PHONEY CURRENCY. WISE MEN DO NOT ACCEPT THEM, HONEST MEN DO NOT PASS THEM ON. BUT THERE ARE GREAT MANY IN CIRCULATION. PUBLIC DEBATE WOULD BE MUCH HEAL-THIER IF PEOPLE WERE MORE WARY AND SCRUTINISE THEM, BIT THEM, HELD THEM UP TO THE LIGHT, RANG THEM ON THE COUNTER, OR REPLIED, LIKE LATE PROFESSOR FOAD," IT DEPENDS WHAT YOU MEAN". (DAILY TELEGRAPH 9.4.65)

غور کیا جائے تو یہ ایک المیہ ہے جو اعصابی تناؤ کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود دھوکے کی نیت سے نئے نئے الفاظ ایجاد کئے جاتے ہیں اور پرانوں کو نئے معنی پہنائے جاتے ہیں۔

مغربی یورپین ممالک میں سلے سلائے کپڑوں اور متعلقہ فیشن کی تجارت زیادہ تر یہودیوں کے ہاتھ ہے۔ جس میں فیشن کے نام سے ایسے ایسے بیہودہ نمونے خاص کر وہاں کی عورتوں میں متعارف کرائے جاتے ہیں کہ جن میں ستر ڈھانپنے کے تصور کا کوئی پہلو مدِ نظر نہیں ہوتا۔ بلکہ "فیشن" سے مراد یہ ہوتی ہے کہ پہننے والی زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ ۳ ستمبر ۱۹۷۰ء کے ایوننگ سٹینڈرڈ میں تصویر کے ساتھ باٹم لیس (BOTTOMLESS) کے نام سے متعارف کرائے گئے ایک "فیشن ایبل لباس" کا کمر سے کولہوں تک کا حصہ غائب ہے اور ایک جیتی جاگتی "ماڈل" گرل ہنستی ہوتی بے دھڑک پہن کر مصروفِ نمائش ہے اور حیا نام کی کوئی چیز چہرے پر موجود نہیں۔

یہودی دولت بنانے میں مشہور ہیں۔ اسی لئے یورپ کی تاریخ کے مختلف ادوار

میں وہ طبقۂ امراء کے اقتصادی معاملات کے مشیر اور خزانچی وغیرہ بھی ہوتے تھے۔ مختلف حیلوں بہانوں سے ٹیکس وغیرہ لگا کر دولت وغیرہ بٹورنا انہیں خوب آتا ہے جس سے مسیحی مغربی استعماری طاقتوں نے دنیا بھر کی غیر سفید اقوام کو لوٹنے کے لئے خوب فائدہ اُٹھایا اور دوسری طرف یہودیوں نے بھی جو مفاد پرستی کے موقعوں کو کبھی ضائع نہیں کرتے۔ ایسے ہی ایک موقعے پر پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں ایک مشہور یہودی "وائزمین قائم" (WEIZMAN CHAIM) نے سرکے کی ایک قسم ACETONE کی مدد سے اعلےٰ قسم کا بارود بنانے کی ترکیب بتا کر انگریزوں سے فلسطین اس طرح حاصل کر لیا جیسے وہاں پہلے سے کوئی آبادی ہی نہ ہو۔ اس طرح ان جمہوریت کے دعویداروں نے ترانوے فیصد عرب آبادی سات فیصد یہودیوں کے حوالے کر کے انہیں ظلم کے جدید آلات سے مسلح کر دیا۔ دوسری طرف اسی وقت "میکموہن کے خطوط" کے مطابق انگریزوں نے ترکوں کے خلاف مدد دینے کے عوض ترکوں سے "آزاد" کرائے جانے والے تمام عرب علاقے عربوں کے حوالے کر دینے کا جھوٹا وعدہ کیا۔ جس کا خمیازہ عرب قوم یہودیوں جیسی بے ضمیر اور بے رحم قوم کے ہاتھوں آج تک بھگت رہی ہے۔ اور امریکہ سمیت تمام اہم مسیحی ممالک عملاً ان ظالم اور مکار یہودیوں کی پشت پر ہیں۔ غالباً ۱۹۷۲ء کی بات ہے۔ مصنّف نے مشہور انگریز مؤرخ آرنالڈ جوزف ٹوئن بی (ARNOLD J. TOYNBEE) کی کسی تصنیف میں پڑھا تھا کہ "یورپین تہذیب در اصل یہودی تہذیب ہے" لیکن یہ نوٹ لینا بھول گیا۔ کچھ عرصے بعد لندن کے قیام کے دوران میں غالباً ۱۹۷۳ء میں مؤرخ موصوف سے فون پر اس امر کی تصدیق چاہی تو انہوں نے جواب دیا کہ اپنی بہت سی تصانیف میں سے نشاندہی تو وہ بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ اپنے مشاہدے کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ "کم از کم جزوی طور پر یہودی ہے" ان کے الفاظ یہ تھے

"AT LEAST, PARTIALY, IT IS JEWISH." یہودیوں کی جو پست اخلاقی حالت رہی ہے۔ اور اب بھی ہے وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ کبھی ایک تجویز مسیحی اخلاق کی بلند ترین ہستی یعنی پوپ کے ایماء سے ہوئی تھی جو سی۔آر۔این روتھ (C.R.N. ROUTH) کی کتاب" انہوں نے یورپ میں ایسا ہوتے دیکھا" (THEY SAW IT HAPPEN IN EUROPE) کے صفحہ نمبر ۴۷۵ - ۴۷۴ کے مطابق یہ تھی کہ" چونکہ ترکوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا ناممکن ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ایسی ترکی ٹوپیاں۔ پھولوں کے گلدستے اور کپڑا وغیرہ بنائیں جو مہلک زہر سے بھرے ہوں جنہیں ترک عمائدین کے ہاتھ بیچا جائے۔ اس کے علاوہ پلیگ اور دوسری امراض کے جراثیم بیماریاں پھیلانے کے لئے خفیہ طور پر ان کے پینے کے پانی کے ذخائر میں ملائے جائیں۔ انگریزی متن ملاحظہ ہو۔

PAGE 474-475 (SOURCE HORATIO BROWN LONDON 1907) LONARDO FOSCOLO FROM ZARA TO INQUISITION OF THE STATE. "THAT IT IS IMPOSSIBLE TO BEAT THE TURKS IN BATTLEFIELD AND THAT WE SHOULD MAKE FEZ CAPS, FLOWERS VASES, CLOTH ETC. BLENDED WITH DEADLY POISION. .WHICH WE SHOULD SELL IN TURKISH HIGH OFFICIALS AS WELL AS GERMS OF PLANGUE AND OTHER DISEASES SHOULD BE SECRETLY PUT INTO WATER ETC. TO SPREAD DISEASE. THIS SCHEME HAD POPES BLESSING.

دوستی کے پردے میں عربوں سے سنگین دشمنی کرنے والے" عقل کے سات ستون"

'SEVEN PILLARS OF WISDOM'. نامی کتاب کا مصنف ٹی۔ ای۔ لارنس مگرمچھ کے آنسو بہاتا ہوا صفحہ ۳ پر لکھتا ہے کہ "ہم انہیں ہزاروں کی تعداد میں آگ کی بھیانہ موت کے منہ میں جنگ جیتنے کے لئے نہیں ڈال رہے تھے بلکہ اس لئے کہ میسوپوٹامیہ (MESOPOTAMIA) (عراق) کا غلہ چاول اور تیل ہمارے ہاتھ آجائیں۔ انگریزی الفاظ یہ ہیں۔

"AND WE WERE CASTING THEM BY THE THOUSAND INTO THE FIRE TO WORST OF DEATHS. NOT TO WIN THE WAR BUT THAT THE CORN AND RICE AND OIL OF MESOPOTAMIA MIGHT BE OURS.

اور یہ بیسوی صدی عیسوی کی بات ہے۔ ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ "اسلام کی تبلیغ" (PREACHING OF ISLAM) کے صفحہ ۷۷ پر لکھتا ہے "بازنطینی شہنشاہ نائسی فورس (NICEPHORUS) سمیت مسیحی حکمران اور شہزادے مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کی اس کثرت سے خلاف ورزی کرتے تھے کہ مسیحی کے نام سے ہارون الرشید اپنے ناک میں بُو محسوس کرنے لگ جاتا تھا۔ (THE NAME CHRISTIAN USED TO STINK IN THE NOSTRILS OF HARUN-UR-RASHID) ای۔ اے۔ ندا (E.A.NIDA) اپنی کتاب "رسوم، کلچر اور مسیحیت" (IN CUSTOMS. CULTURE AND CHRISTIANITY) کے صفحہ نمبر ۸ پر لکھتے ہیں "ایک بات یہ ہے کہ ہم سفید نسل کے افراد میں اکثر بہت خراب بدبو ہوتی ہے اور عام طور پر ہم کراہت کی حد تک غالباً سب سے زیادہ بدبودار لوگ ہیں" صفحہ ۱۳۸ پر لکھتے ہیں "رومن کیتھولک ازم میں پادری، خدا اور عوام کے درمیان لازمی دلال بن جاتا ہے" انگریزی متن یہ ہے۔

(PAGE 8. "FOR ONE THING WE AS MEMBERS OF WHITE RACE OFTEN HAVE A VERY OBNOXIOUS ODOUR IN GENERAL OFFENSIVENESS WE ARE PROBABLY GREATEST STINKERS") ....

(PAGE 138. " IN ROMAN CATHOLICISM THE PRIEST BECOMES THE OBLIGATORY INTERMEDIARY BETWEEN PEOPLE AND GOD")

مسیحیت میں گندہ رہنا، خوبی اور پارسائی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔" تاریخ سپین، موروں کے عہد میں "SPANISH HISTORY UNDER MOORS" وُلف (WOOLF) لکھتے ہیں کہ "مسیحیوں نے برسر اقتدار آتے ہی، نہانا اور صفائی یہ کہتے ہوئے بند کر دی کہ یہ ملحدانہ عادت ہے۔ تھامس بیکٹ نامی ان کے ایک رہنما نے چالیس سال تک اپنی قمیض نہیں اتاری تھی۔ ایک بڑے رہنما (SAINT) صاحب کا کہنا تھا کہ اس نے ساٹھ سال میں اپنی انگلیوں کے سروں کے علاوہ بدن کا کوئی حصہ نہیں دھویا۔ فلپ دوم نے مسلمانوں کے زمانے کے تمام حمام منہدم کرا دیئے۔ پوپ نے جرمنی کے حکمران فریڈرک ثانی پر جب "کفر" کا فتویٰ لگایا تو الزامات کی فہرست میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ روزانہ مسلمانوں کی طرح نہاتا ہے۔ کنٹربری کا ایک لاٹ پادری جب گھر سے باہر نکلا کرتا تھا، تو اس کے لباس پر جوؤں کی فوج چلتی پھرتی نظر آیا کرتی تھی" "کیتھیڈرل اور صلیبی جنگیں" (CATHEDRAL AND CRUSADES) کے صفحہ ۴۶۷ پر ڈینیل روپس (DANIEL ROOPS) لکھتے ہیں کہ " بچوں کی صلیبی جنگ کے دوران بعض جہاز غرق ہو گئے جب کہ باقی کے بچوں کو ان کے بڑی عمر کے ساتھیوں نے بیچ دیا" اسی کتاب کے صفحہ ۴۸۱ کے مطابق "کوڑھ کا مرض صلیبیوں کے ذریعے یورپ پہنچا" جب کہ دعویٰ یہ تھا کہ اس مقدس سرزمین کی زیارت سے اس مرض کو شفا ہو جاتی ہے

مسیحی صلیبیوں نے مفتوحہ علاقوں کے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے۔ان کی مثال تاریخ عالم میں وحشی ترین قبائل میں بھی نہیں ملتی۔ بقول مشہور مورخ ٹوئن بی اگر یہ اصول التاریخ صحیح ہے کہ قوموں کا ماضی حال اور مستقبل ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں تو غیر مسیحی اقوام کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام مسیحی اقوام سے خبردار رہیں جن کی پیشانی پر وہ بھیانک داغ موجود ہیں جنہیں کوئی کوشش دور نہیں کر سکتی۔

ناظرتھ۔ (NAZRETH) کے عرب مسیحی اپنے درمیان یورپین مسیحی رہنماؤں کے طرزِ عمل سے بیزار ہو کر الگ ہو گئے ہیں جو ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا باعث بنتے رہتے تھے۔ مختلف فرقوں کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی سر پھٹول ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمیشہ سے مسیحیوں کے متبرک ترین کلیسا (CHURCH OF HOLY SPEULACHRE) کی چابیاں مسلمان نگران کی تحویل میں رہتی ہیں۔

محبت کے جو معنے پادریوں میں مروّج تھے۔ان سے متاثر ہو کر انگریز شاعر ییٹ (YEATS) اپنی نظم "جین بنام بشپ" (JANE TO BISHOP) میں طنزاً کہتا ہے "محبت نے اپنے ڈیرے مقامات رفع حاجت میں گاڑ رکھے ہیں":

(LOVE HAS PITCHED HIS MANSION IN THE PLACES OF EXCREMENT) انجیل متی باب ۱۹ کے فقرہ ۱۲ "کیوں کہ بعض خواجہ سرا (ہیجڑے) ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعض خواجہ سرا ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہی کے لئے اپنے آپ کو خواجہ سرا بنایا۔ جو قبول کر سکتا ہے وہ قبول کرے"۔ انجیل کے اس فقرہ سے واضح طور پر ہیجڑہ بننے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جیمز ایلارڈ (JAMES ALLARD) اپنی کتاب "صحرا کی زیارت" (DESERT PILGRIMAGE) کے صفحہ ۲۰۱ پر لکھتا ہے "ہم ایسے مرد اور عورت "برگزیدوں" (SAINTS) کے بارے میں کیا سمجھیں، جو اپنی نفسانی

خواہشات کو مسخر کرنے کے لئے اپنے اعضائے مخصوصہ کو جلادیتے ہیں۔ اسی طرح آئنر مولینڈ (EINER MOLLAND) اپنی کتاب "مسیحی دنیا" (CHRISTENDOM) کے صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں۔ روس میں کلسٹ (CHLYSTS) نامی فرقہ ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کا انتخاب بطور حضرت یسوع مسیح اور "خدا کی ماں" کے کرتے ہیں اور ان کی موت کے بعد پیروکاروں میں سے نیا انتخاب کر لیتے ہیں، یہ فرقہ تمام روس اور سائیبیریا میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ شادی کو رد کرتے ہیں۔ جو پہلے سے شادی شدہ ہوں وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں، جنسی اختلاط سے پرہیز کی ہدایت کی جاتی ہے۔ تمام پیروکاروں کو خصی کر دیا جاتا ہے۔ اور بہت سی عورتیں اپنے پستان کاٹ دیتی ہیں۔ انگریزی متن یہ ہے۔

(THE CHLYSTS SECT IN RUSSIA WAS FOUNDED BY A PEASANT NAMED DANILA. HE CHOSE A YOUNGER MAN AND WOMAN FROM AMONG FOLLOWERS AS CHRIST AND MOTHER GOD. AND AFTER THEIR DEATH OTHERS ARE ELECTED THE SECT SPREAD ALL OVER RUSSIA AND SIBERIA MARRIAGE REPUDIATED. ALREADY MARRIED SEPARATED. ABSTINENCE FROM SEXUAL INTERCOURSE IS <u>ENJOINED</u> ALL FOLLOWERS ARE CASTERATED AND MANY WOMEN FOLLOWERS CUT OFF THEIR BREASTS).

روس ہی کے بارے میں ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ (T.W.ARNOLD) اپنی کتاب "اسلام کی تبلیغ" (PREACHING OF ISLAM) کے صفحہ ۲۴۶ پر لکھتے ہیں۔
"گھوڑی کا دودھ، شراب اور خنزیر کا گوشت روسیوں کے مسلمان بننے میں مزاحم ہوا۔ مسلمان مبلغین سے ۹۸۸ میں ان چیزوں کی اجازت نہ پاکر شہزادہ ولاڈی میر

(PRINCE VLADIMIR) محض پُر از شان و شوکت اور ڈرامائی طرزِ عبادت سے مرعوب ہو کر مسیحی ہو گیا اور اپنی تمام رعایا کو حکم دیا کہ وہ بھی مسیحی مذہب اختیار کریں۔ کوئی عجب نہیں کہ پوچھنے پر شہزادے کو بتایا گیا ہو کہ اگر وہ چاہے تو ان جانوروں کا فضلہ بھی استعمال کر سکتا ہے! کیونکہ مسیحیت میں حرام اور حلال کی کوئی تمیز نہیں۔ بقول مرقس باب ۷ فقرہ ۱۸-۱۹ "کوئی چیز جو باہر سے آدمی کے اندر جاتی ہے اسے ناپاک نہیں کر سکتی۔ اس لیئے کہ وہ اس کے دل میں نہیں بلکہ پیٹ میں جاتی ہے۔ اور "مزبلہ" میں نکل جاتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے تمام کھانے کی چیزوں کو پاک ٹھہرایا۔

جیمز ایلارڈ "صحرا کی زیارت" کے ۱۲۰ پہ کہتے ہیں "شروع کی مذہبی پنچائیتیں عملاً پُر تشدد ہوتی تھیں" (مصنف کا مطلب ان کونسلوں سے ہے جن میں مسیحی ایمان و عقیدے کی بنیادی باتیں طے کی جاتی تھیں۔ ۴۵۱ میں چالسڈن (CHALCEDON) کے مقام پر ہونے والی ایک ایسی ہی کونسل یا پنچائیت میں حضرت مسیح کی خصوصیات (NATURE) کے بارے میں قوی اختلاف کے باوجود بعض عقائد حکماً طے کئے گئے اور حکم دیا گیا کہ انہیں مسلط کرنے کے لئے خون بھی بہانا پڑے تو دریغ نہ کیا جائے۔ چنانچہ خون بہا اور بہت سے مخالف راہبوں نے یروشلم پر قبضہ کر کے نہ صرف قتل، لوٹ مار اور آتشزنی سے تباہی مچائی بلکہ حضرت یسوع مسیح کے مقدس مزار (HOLY SEPULCHRE) کی بھی بے حرمتی کی۔

اہم مذہبی معاملات میں جہاں رومن حکمرانوں نے پادریوں کے پورے تعاون سے نہ صرف جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، پے در پے اپنی مرضی کی بنیادی ترامیم کیں بلکہ یہ حکم بھی دیا کہ لاطینی زبان کو مسیحیت کی متبرک زبان تسلیم کیا جائے۔ جس کا نہ تو بانیٔ مذہب سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہی ان کے حواریوں سے۔ چنانچہ ابتداء میں یونانی اور دوسری مقامی زبانوں میں لکھی جانے والی اناجیل کا اس وقت کی کم مایہ لاطینی زبان میں

ترجمہ کر کے تمام عبادات اور رومن کیتھولک کلیسا کی واحد سرکاری زبان مقرر کیا گیا۔

گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کی رنگارنگ مثالوں سے مسیحیت کی تاریخ کثرت سے بھری پڑی ہے۔ جون آف آرک پادریوں کی آشیر باد سے میدانِ جنگ میں کودی لیکن دو سال بعد ۱۴۱۳ء میں اس پر جادوگرنی کا الزام لگا کر زندہ جلادیا۔ پھر پانچ صدیوں بعد کلیسا پر انکشاف ہوا کہ وہ تو برگزیدہ ولی (SAINT) تھی۔ چنانچہ ۹ مئی ۱۹۲۰ء کو وہ جادوگرنی سے ولی بنادی گئی۔ ۱۹۰۳ - ۱۵۰۰ کے درمیان اسی طرح ترقی پانے والے ولیوں کی فہرست ایک سو تین تک پہنچتی ہے۔ ایسی اور بہت سی محیر العقل مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً "ہلال زیرِ سایہ" (CRESCENT UNDER SHADOW) میں گبنز (GIBBS) لکھتے ہیں، ملکہ الزبتھ اوّل ۱۶۰۳-۱۵۳۳ء نے اس پیغام کے ساتھ ترکی کے سلطان مراد اوّل کے پاس اپنا سفیر بھیجا تھا کہ "ہم دونوں کا مفاد مشترکہ ہے کیوں کہ ہم دونوں کافروں سے نبرد آزما ہیں"۔

("SAYING. WE BOTH HAVE A COMMON CAUSE, BECAUSE BOTH ARE FIGHTING AGAINST INFIDEL")

اس کا یہ مطلب ہوا پروٹسٹنٹ الزبتھ کے نزدیک رومن کیتھولک کافر تھے۔ وہی کیتھولک مذہب جو پندرہ صدیوں تک مسیحیت کی جڑ بنیاد رہا ہے۔

ایلی قدوری (ELIE KADOURI) اپنی کتاب (CHATHAM HOUSE VERSION) کے صفحہ ۳۲۲ پر کہتے ہیں کہ پادری کلیسا کی اطاعت، غربت اور عصمت (OBDIENCE, POVERTY AND CHASTITY) تینوں کی قسمیں کھانے کے بعد خفیہ طور پر چوتھی قسم اس بات کی کھاتے ہیں کہ وہ کسی قسم (VOW) کے پابند نہ ہوں گے۔

اے ۔ ملر (A.MILLER) اپنی کتاب "چرچ ہسٹری" کے صفحہ ۲۸۸ پر لکھتے ہیں آٹھویں صدی میں ہونے والی دوسری نقایا کی کونسل کے فیصلے کے مطابق، صلیب یسوع مسیح، حضرت مریم، فرشتوں اور ولیوں کے بُت اور تبرکات (RELICS) پرستش کے لئے گرجاؤں میں رکھے گئے۔ یہی مصنف صفحہ ۳۵۶ پر لکھتا ہے کہ پوپ اربن دوم (URBAN II) نے تمام صلیبیوں (CRUSADERS) کے ہاتھوں قتل وغارتگری، زنا، زنا بالجبر، ڈاکہ زنی اور آتشزنی کے مسلمانوں کے خلاف کئے جانے والے گناہ پیشگی معاف کر دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۰۹۹ء میں یروشلم پر قبضے کے موقع پر عام معافی (AMNESTY) کے معاہدے کے باوجود ستر ہزار مسلمان بوڑھے، عورتیں، اور بچے نہایت بہیمانہ طور پر قتل کئے گئے۔

شراب :- شراب کے بارے میں کسی فلسفی کا قول ہے کہ "دنیا میں آدھے سے زیادہ جرائم شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں"۔ لیکن مسیحی دنیا میں شراب کو تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ گرجاؤں میں یسوع مسیح کا خون سمجھ کر پی جاتی ہے۔ گھروں بازاروں، شراب خانوں اور کلبوں میں کثرت سے پی جاتی ہے اور پینے والوں میں نوجوان، بڑے بوڑھے، مرد، عورت سب ہی شامل ہیں جو بغیر کسی عار کے بلا جھجک بطور روزمرّہ کے مشروب کے طور پر پیتے ہیں۔ ۱۹۷۲ء کے اعداد و شمار کے مطابق اکیلے برطانیہ میں ایک سال میں پینسٹھ کروڑ پونڈ کی شراب پی گئی۔ اس سے ڈھائی صدی پہلے یعنی ۱۷۴۲ء میں دو کروڑ گیلن شراب پی گئی۔ ۱۹۵۲ء میں شراب سے ٹیکسوں کی مد میں حکومت برطانیہ کو تقریباً ساڑھے پچیس کروڑ پونڈ کی آمدنی ہوئی۔ اور یہ صرف ایک ملک کا حال ہے۔ بہت سی برائیوں کی جڑ ہونے کے باوجود شراب بنانے کا زیادہ تر کاروبار انیسویں صدی تک مسیحی راہبوں کے ہاتھ میں تھا۔ جو بعد میں بڑی بڑی تھوک فروش کمپنیوں کے ہاتھ آیا۔ تمام مسیحی ممالک میں قدم قدم پر شراب خانے (PUBS)

پائے جاتے ہیں۔ جہاں سر شام سے لے کر رات گئے تک جو کچھ ہوتا ہے، وہ شرافت کے کسی معیار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ناچ گھران پر مستزاد ہیں جو کثرت سے پائے جاتے ہیں اور جہاں شراب کے اَدوار اور موسیقی کے شور کے ساتھ ساتھ چند منٹوں کے وقفے سے جوڑے نئے نئے اجنبی چہروں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر سینے سے سینہ گال سے گال اور کانوں سے منہ ملا کر یوں الگ ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی مخرب الاخلاق بات ہی نہ ہو اور جو بات بن جائے تو آگے کا حال محتاج بیان نہیں، ورنہ تو نہیں اور سہی کا عمل مواقع کی فراوانی کی وجہ سے تیز رفتاری سے جاری رہتا ہے۔ اس کثرت کے باوجود شراب خانوں اور ناچ گھروں میں بے پناہ ہجوم رہتا ہے جو ان اقوام کے بودے سماجی مزاج کا آئینہ دار ہے۔ یہاں" انہوں نے یورپ میں ایسا ہوتے دیکھا" (THEY SAW IT HAPPEN IN EUROPE) کی مصنفہ روتھ (RUTH) کے ۲۹۶ تا ۲۹۸ صفحات کے بعض اقتباس مع ماخذ کے دلچسپی کے باعث ہوں گے۔ وہ لکھتی ہیں "مسیحیوں کے بارے میں ترکوں کا نظریہ ہے کہ یہ لوگ کاہل الوجود، نشئی، زود رنج، بیکار، پیٹو، مغرور، خود پسند اور گندے ہوتے ہیں۔ یہ شراب پئے بغیر مشاورت نہیں کر سکتے، یہ آپس میں مسلسل لڑتے رہتے ہیں۔ یہ سرکش اور اپنے بڑوں سے گستاخی سے پیش آنے والے ہوتے ہیں۔ اور ان کے اندر کوئی تنظیم نہیں ہوتی جس پر ہر چیز کا دارومدار ہے۔ ترکوں کے ہاں اچھی عمارتیں بنانے کا رواج نہیں، وہ تو دنیا کو سرائے سمجھتے ہیں جہاں انسان چند روزہ قیام کے لئے آیا ہو۔ اسی لئے ان میں غرور و تکبر نام کو نہیں۔ ان کے ہاں عزت و وقار ہر شخص کے ذاتی کردار پر منحصر ہے۔ اسی لئے ان کے ہاں اگر اہل ہو تو آج کا گڈریا کل کا وزیر ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہمارے ہاں ہر چیز کا معیار پیدائش ہے جو ترقی کے لئے واحد کلید ہے۔ یعنی تعلق صرف طبقۂ امراء سے ہو۔"

(SOURCE C.T. FORSTER AND F.H.B DANIEL IN 1555)

LETTER TO FRIENDS IN 1555).

جُوا :- ایک تسلیم شدہ سماجی برائی ہونے کے باوجود شراب کی طرح جُوا بھی عام مسیحی لوگوں کی عادت کا جزوِ لاینفک ہے۔ بات بات پر شرط بدتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ایک مقررہ رقم کی حد تک گرجاؤں کے اندر بھی جُوا کھیلنے کی اجازت ہے۔ اس بُری عادت کی بعض اقسام میں لاٹری، گھوڑ دوڑ، کتوں کی دوڑ، فٹ بال پول، بنگو، تین پتی وغیرہ شامل ہیں۔ اور شرط بدنے کی دکانیں جابجا موجود ہیں جو BETTING SHOPS کہلاتی ہیں۔ اس عادت کے فروغ کی وسعت کا اندازہ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کے اعداد و شمار سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جن کے مطابق ۱۹۵۳ء میں اکسٹھ کروڑ پونڈ سے زیادہ اور ۱۹۵۴ء میں تقریباً چھپن کروڑ پونڈ یا بالترتیب بارہ ارب بیس کروڑ اور گیارہ ارب بیس کروڑ روپے کا جوا کیلے برطانیہ میں کھیلا گیا۔ گنس ریکارڈ بک کے مطابق سال ۱۹۷۶ء میں امریکہ کی صرف ایک ریاست نواڈا میں ۱۰۹۰۰۰۰۰ یعنی ایک ارب ایک سو نوّے کروڑ ڈالر کا جُوا کھیلا گیا۔ اندازہ کریں سارے ملک کا مجموعہ کیا ہو گا۔ اور امریکہ سمیت دوسری تمام مسیحی استعماری حکومتوں نے اپنی اقوام کی ایسی ہی دوسری عادتوں کے علاوہ اس "پسندیدہ" عادت کی ضرورت کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے جہاں سے بھی ہو جیسے بھی ہو۔

کلیساؤں کی سرپرستی میں عصمت فروشی

اس میں چونکا دینے والی کوئی بات نہیں، یہ تو اس قدر کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اکثر انسائیکلوپیڈیا بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ بشپ یا لاٹ پادریوں کے قائم کردہ قحبہ خانے یورپ بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ جن سے کلیساؤں کو بھاری آمدنی ہوتی تھی جس کا کچھ حصہ پوپ یا بقول کیتھولک مسیحی عقیدے کے "خدا کے زمین پر نمائندے" (VICAR OF CHRIST(HENCE CCC) کو بھی پہنچتا تھا۔ لندن کے ساؤتھ آرک

اسٹیو (SOUTHWARK STEWS) کے قحبہ خانے ونچسٹر (WINCHESTER) کے بشپ کی ملکیت تھے۔ صدیوں تک کم وبیش یہی حال پورے یورپ، کا تھا۔ سولہویں صدی میں تجدید (RENISSANCE) کے آغاز اور پادریوں، سے آزادی کے باوجود "لندن کے منحرفین" (LONDON HERETICS) کا مصنف صفحہ ۱۲ پر ۱۸۷۰ء سے ۱۹۱۴ء کے دور کے لندن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے، کہ ایک محقق نے پینتیس گھروں کی ایک گلی میں تینتیس قحبہ خانے پائے۔ جن میں عصمت فروش لڑکیوں، کی عمریں بارہ سال سے زیادہ نہ تھیں۔ اور کہ ایک سرسری اندازے کے مطابق لندن کی ہر دس ہزار آبادی کے مقابلے میں (جس میں ظاہر ہے عورتیں اور بچے بھی شامل ہوں گے) چار سو عصمت فروش عورتیں موجود ہیں جس کا اندازاً یہ مطلب ہوا کہ ہر پانچ یا چھ اہل مردوں کے لئے ایک طوائف تھی۔ اس سے اس شرمناک اور قابلِ نفرین بدچلنی کی وسعت اور گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ ۲۹ مئی ۱۹۷۳ء کا لندن کا اخبار ایوننگ سٹینڈرڈ رقمطراز ہے کہ مستند و معلوم اعداد و شمار کے مطابق دو صدیاں پہلے کے لندن میں اندازاً ہر بیس لندن باسیوں کے مقابلہ میں ایک طوائف تھی اور ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں ہر چالیس کے مقابلے میں ایک تھی۔ آج کل ہر دو ہزار کے مقابلے میں ایک ہے۔ اور کہ انیسویں صدی کے آخیر تک پولیس کو، دو ہزار قحبہ خانے معلوم تھے جن میں ہزاروں کافی ہاؤس شامل نہیں جن کے اوپر نیچے بیٹھی لڑکیوں کے لئے کمرے موجود ہوتے تھے انگریزی نقل ملاحظہ ہو۔

(LONDON'S EVENING STANDARD. DATED 29TH MAY 1973. "ON THE BEST AVAILABLE FIGURES LONDON 200 YEARS AGO MAINTAINEDROUGHLY ONE PROSTITUTE TO EVERY 20 LONDONERS. A CENTURY LATER IN QUEEN VICTORIAS REIGN IT WAS ESTIMATED ONE TO EVERY 40 CITIZENS. TODAY THERE IS ONE TO 2000 CITIZENS. BY THE END

OF 19TH CENTURY MORE THAN 2000 BROTHELS WERE KNOWN TO THE POLICE. BUT, THIS DID NOT INCLUDE THOUSANDS OF ORDINARY COFFEE SHOPS WHOSE UPSTAIR ROOMS WERE AVAILABLE TO THE GIRLS SITTING BELOW)

یہی حال دیگر یورپین ممالک کا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ جنس (SEX.) کے معاملے میں پادریوں کے بے لگام خیالات ابھی تک نہیں بدلے۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۲ء کا مذہبی اخبار "چرچ ٹائم" پادری فریڈ ملسن (REV: FRED MILSON) کو نقل کرتے ہوئے جو ویسٹ ہل ایجوکیشن کالج کے پرنسپل ہیں، واضح تائید کے ساتھ لکھتا ہے کہ "خدا شہوت پرست لوگوں کو پسند کرتا ہے" ظاہر ہے وہ اپنا یہ عقیدہ اپنے زیرِ تعلیم استادوں تک ضرور پہنچاتے ہوں گے۔ اور استاد شاگردوں تک جس گوشے سے احتیاط اور حیا کی تلقین ہو سکتی ہو اگر وہیں سے اُلٹی طرف کی حوصلہ افزائی ہو تو نتیجے کے لئے کسی نجومی کی حاجت کیا معنیٰ؟ قارئین، در آنحالیکہ کلیسا اور اس کی قائم کردہ آزاد مذہبی عدالتیں (ECCLESIASTICAL COURTS) عوام کی روزمرہ کی زندگی پر باریک حد تک نگرانی اور موت کی حد تک سزا دینے کا مکمل اختیار رکھتی تھیں۔ اس کے باوجود مسیحی یورپ میں مسلسل اخلاقی انحطاط کی اطلاعات اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ پادری کبھی اگر براہِ راست خود ملوث نہیں تھے، تو اغماض کے عوض اس شرمناک کاروبار کو آمدنی کا ذریعہ بناتے تھے۔ کیونکہ پوپ جو خود حکمرانِ وقت کو ٹیکس ادا کر کے پوپ کی گدی پر بیٹھتا تھا۔ قدرتی طور پر اپنے تمام ماتحت پادریوں سے توقع رکھتا تھا کہ اس کو اپنے اپنے عہدوں کے مطابق رقم فراہم کریں۔ ورنہ ایسی وبائی بدچلنی کی موجودگی کا اور کوئی منطقی جواز نہیں۔

ڈینیل روپس کی کتاب "کلیسا کا تاریک دور" کے صفحہ نمبر ۳۵۱ کے مطابق "ساتویں صدی کے آخر میں بلائی جانے والی کیولا کی کونسل میں جاری کئے جانے والے احکامات

اس وقت کی اخلاقی حالت پر روشنی ڈالتے ہیں جن کے مطابق اہلِ کلیسا کو ہدایت کی گئی کہ ان کے لئے قحبہ خانوں کے مالک بننا ٹھیک نہیں، اور کہ گرجاؤں کے اندر جنسی اختلاط سے خدا کا گھر ناپاک ہو جاتا ہے۔ گندی تصویریں بیچنے والوں اور اسقاطِ حمل کرنے والے ڈاکٹروں اور دائیوں کے خلاف سزائیں تجویز کی گئیں۔" مصنف آگے لکھتا ہے کہ "اس بیمار معاشرے کے اندر پایا جانے والا ایک اور وصف سزاؤں میں کیا جانے والا ظلم تھا۔ جو نہ صرف عام قانون کے تحت مجرم ثابت ہونے پر کیا جاتا تھا بلکہ سیاسی اور مذہبی اختلاف رکھنے والوں پر بھی کیا جاتا تھا۔ ناک، کان، زبان کاٹنا، اندھا کر دینا اور بہت سے گرے ہوئے طریقوں سے مسخ کر دینا عام معمول تھا۔" مصنف مزید لکھتا ہے "قدیم بت پرستوں کی مختلف عادات پھر سے لوٹ آئیں اور بدچلنی کا طوفان اُمڈ پڑا۔ جادوگری اور دوسروں کی سادگی سے فائدہ اُٹھانا پہلے وقتوں سے بھی زیادہ پھیل گیا۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس معاشرے پر مسیحیت کی چھ صدیوں کا اثر کیسا تھا۔ بعض دفعہ بے قابو ہجوم یونہی تفریحاً سینکڑوں کی تعداد میں قتل کر دیتے تھے۔ ۷۱۰ء میں جب عربوں نے پیرگامم (PERGAMUM) نامی قدیم بازنطینی شہر کا محاصرہ کیا تو محصور مسیحیوں نے اس مشکل وقت سے بچنے کے لئے ایک حاملہ عورت کو قتل کر کے اس کا خون اپنے بدنوں پر مَلا۔" مندرجہ بالا مصنف صفحہ ۵۴۲ پر لکھتا ہے کہ یہ کہنا شاید ضروری نہیں کہ بدچلنی کے اس بحران میں عام لوگوں کے ساتھ پادری بھی برابر ملوث تھے۔ ۹۰۹ء میں ہونے والی ٹروسلے کی کونسل پادریوں کی داشتاؤں پر برس پڑی۔ ۹۵۲ء میں آگس برگ کی کونسل نے حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو پکڑ کر دُرّے لگائے جائیں۔ اور سر مونڈ دیئے جائیں۔ آنزے (ANZE) کی کونسل نے ۹۹۴ء میں اور پائی ٹیئرز (POITIERS) کی کونسل نے ۱۰۰۰ء میں ان فیصلوں کو دُہرایا۔ پاویا (PAVIA) کی کونسل ۱۰۲۳ء میں پوپ بینی ڈکٹ ہشتم (BENEDIC VIII) نے خود پادریوں کے چال چلن کی ملامت کی اور حکمنامہ

جاری کیا کہ پادریوں اور راہبوں کے تمام بچوں کو سرف (غلامی کی ایک قسم) بنا لیا جائے۔

قارئین، ان بیانات پڑھنے سے قاری کو جو افسوس ناک پہلو کھٹکتا ہے وہ یہ ہے کہ خود بد معاش پادریوں یا راہبوں کے لئے کہیں کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی۔ شاید اس لئے کہ سزا دینے والے خود بھی بدچلن تھے۔ مثلاً محولہ بالا مصنف صفحہ ۵۲۶ پر لکھتا ہے کہ "پوپ بینی ڈکٹ نہم کو ۱۰۳۳ء میں صرف بارہ سال کی عمر میں پوپ بنایا گیا۔ جو اس عمر میں بھی بدچلنی (IMMORAL) کی زندگی گزار رہا تھا۔

کچھ اہم اقتباسات و متفرقات

کتاب "کلیسا کا تاریک دور" صفحہ ۳۹۶، فٹ نوٹ (حاشیہ) ان سنگین واقعات کے نتیجے میں ۷۹۶ء میں ہونے والی لیٹرن کونسل (LATERN COUNCIL) نے غیر متعلقہ آدمیوں کو پوپ کے تخت کے اُمیدوار کے طور پر پیش کرنے سے منع کر دیا۔ گو یہ فیصلہ محض رائے تک محدود رہا۔ کیونکہ اس زمانے میں اس پر عمل ممکن نہ تھا۔ نئے (پوپ) کانسٹنٹائن کا غضب خوفناک نتیجے پر ختم ہوا۔ برخاست شدہ پوپ کی آنکھیں نکال دی گئیں اور اس کے بہت سے حمایتیوں کی زبانیں کاٹ دی گئیں یا اندھا کر دیا گیا۔ پھر کچھ عرصے بعد ان ہونا کیوں کے ذمہ داروں کے ساتھ بھی بدلے میں ایسا ہی ہوا۔ انگریزی الفاظ یہ ہیں۔

"AS A RESULT OF THESE SERIOUS INCIDENTS THE LATERN COUNCIL OF 796 FORBADE ANY LAYMAN TO PUT HIMSELF FORWARD AS A CANDIDATE FOR PAPLE THRONE. A DECISION, WHICH WAS, HOWEVER. A THEORETICAL ONE WHICH WAS DIFFICULT TO REALIZE IN PRACTICE AT THE TIME. CONSTANTINE'S USURPATION ENDED IN A

FRIGHTFUL FASHION. THE DEPOSED POPE HAD HIS EYES PUT OUT. AND SEVERAL OF HIS SUPPORTERS HAD THEIR TONGUES CUT OFF OR WERE BLINDED. THEN, SOMETIME LATER, THOSE RESPONSIBLE FOR THESE HORRORS SUFFERED LIKEWISE, IN THEIR TURN".

صفحہ ۵۱۰ "گیارھویں صدی عیسوی کے نصف کے لگ بھگ پوپ جان یازدہم نے نے تھیوفلیکٹ (THEOPHYLACT) کو جو بازنطینی شہنشاہ رومنس لکاپنس (ROMMANUS LECAPENUS) کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ قسطنطنیہ کا اسقف مقرر کیا۔ اس سے پہلے اسے دس سال کی عمر میں ڈیکن نامی پادری کے عہدے پر فائز کیا گیا تھا اور پندرہ سال کی عمر میں لاٹ پادری (BISHOP) بنا دیا گیا۔"

صفحہ ۵۲۶ فٹ نوٹ "بازنطینی سلطنت میں نوخیز لڑکوں کو خصی کرنے کا بڑا رواج تھا اور اکثر سرکاری ملازمین ہیجڑے ہوتے تھے۔"

"THE CUSTOM OF CASTRATING YOUNG BOYS AND BECOME VERY COMMON IN BYZANTIUM. A MAJORITY OF HIGHER CIVIL SERVANTS WERE ENUCHS"(CHURCH IN DARK AGES BY DANIEL ROPS)

اس بات کا بھی امکان ہے کہ حکمرانوں کو اپنی عورتوں پر اعتبار نہ ہو۔ اس لئے واضح مصلحت کو چھپانے کے لئے مذہبی رنگ بھی دے دیا گیا ہو۔ کیونکہ بعض بشپ بھی جو حاکم وقت کی منظوری سے مقرر کیے جاتے تھے۔ آختہ شدہ ہوتے تھے۔ رابرٹ پین اپنی کتاب "مسیحیت کی صدیاں" کے صفحہ ۳۰۹ پر لکھتے ہیں کہ "رومن شہنشاہ کنسٹنٹائن کے وقت سے لے کر قرونِ اولیٰ کے کلیسا کا نکاح دنیاوی شان وشوکت اور قوت سے

ہوگیا تھا اور وہ ایک موروثی سیاسی مذہبیت (HIERARCHY) میں بدل کر وسیع منقولہ وغیر منقولہ جائیدادوں کا مالک بن گیا تھا۔ ۱۲۷۴ء میں لائنز (LYONS) کے مقام پر ہونے والی کونسل میں الزام لگایا گیا کہ انگلستان کے کلیسا کی آمدنی سول حکومت کی آمدنی سے سے زیادہ ہے۔

شرک یا انحراف :- کہتے ہیں (HERESY) یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں (CHOOSING OF CHOICE) یعنی "مرضی کا انتخاب" ناخدایان مسیحیت کے ہاں اس کی ہرگز اجازت نہ تھی۔ اور اس کی تاریخ میں یہ لفظ سنگین جرم کی علامت بنا رہا۔ جس کی پاداش میں محتاط اندازے کے مطابق کروڑوں انسان آگ اور سولی کی نذر کئے گئے۔ دھوکہ دینے کے لئے یہ خود کو امن کے شہزادے (PRINCE OF PEACE) کا نمائندہ بتاتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے اعمال کی دو ہزار سالہ تاریخ مسلسل ظلم و تشدد کے گھناؤنے واقعات سے اس کثرت سے پٹی پڑی ہے کہ اقوام عالم میں اور کہیں اس کی معمولی سی نظیر بھی نہیں ملتی۔ ان کے ہاں رعایا کے مذہب کا تعین حکمران اور پادری کرتے ہیں۔ جس سے جیتے جی روگردانی ممکن نہ تھی۔ تلوار سے پھیلائے جانے کا الزام اسلام پر لگایا جاتا ہے۔ بلکہ قارئین شاید حیران ہوں کہ یورپ میں جاریہ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک تاریخ اسلام کا عملاً بائیکاٹ کیا گیا۔ تاکہ لوگ اس معجزانہ خصائل کے حامل دینِ حق سے مسیحیت کا موازنہ کرتے ہوئے مسیحیت کا جوا نہ اُتار پھینکیں۔ گو کہ کلیسا کی آہنی گرفت کی موجودگی میں ایسی سکت کا پیدا ہونا انتہائی مشکل بات تھی۔ تاہم احتیاطی پیش بندی کے طور پر اسلام کے بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کا جھوٹ گھڑا گیا۔ جس کا ہرگز کوئی جواز نہ تھا۔

چارلس بگز اپنی کتاب "مسیحیت کا آغاز" (CHARLES BIGGS-ORIGIN OF CHRISTIANITY) کے صفحہ نمبر ۹ پر لکھتے ہیں کہ "نیرو کے دورِ حکومت میں

رومن خداؤں کو بھی کھلم کھلا ملامت کرتے اور گالیاں دیتے تھے جس کی وجہ سے ان کو زیر تعزیر لایا گیا۔ اور چوتھی صدی میں کانسٹنٹائن سے پہلے اکثر رومن بادشاہ مذہب کے معاملے میں بے حد رواداری تھے۔ اسی کے دورِ حکومت سے یہودیوں اور غیر مسیحیوں پر ظلم شروع ہو کر حالیہ بیسویں صدی تک یورپ اور دوسرے ملکوں میں جاری رہا۔" صفحہ ۲۴ اور ۲۸ پر یہی مصنف لکھتا ہے "نیرو کے زمانے میں مسیحیوں کو رومن خداؤں کے مندروں کو آگ لگانے کا ملزم ٹھہرایا گیا تھا۔ اور یہ کہ غیر مسیحی (GENTILE) اہل کاروں کے نزدیک مسیحیت کوئی مشرقی فرقہ تھا جو خفیہ رسوم ادا کرتا تھا۔ رومن خداؤں کے مندروں میں نہیں جاتا تھا اور جو انتہائی گھٹیا بدچلنی مثلاً جادو، بچوں کے قتل، بلا امتیاز اور بے لگام جنسی ہوس کی علامت تھا۔" صفحہ ۲۵۶ پر پیرا XX میں لکھتے ہیں کہ "یہ بڑی اہم بات ہے کہ اس نکتے کی طرف توجہ دی جائے کہ تیسری صدی کے آغاز یا رومن بادشاہ ٹراجن (TRAJAN) کے دورِ حکومت تک مسیحیت کی کہانی میں افسوسناک خلاء پائے جاتے ہیں جن کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اور اگر دی بھی گئی تو سرسری طور پر اور بڑی اہمیت کے حامل نکات کے متعلق محض قیاس سے کام لیا گیا۔"

"ہائیڈروجن بم کے خلاف ہجوم کی آوازیں" از برٹرینڈ رسل ("VOICE OF THE CROWD AGAINST HYDROGEN BOMB")
BY BERTRAND RUSSEL

کے صفحہ ۷۶ پر مصنف لکھتا ہے کہ "یہ پُر امن مخالفت کی ایک صورت ہے جس کی ظلم زبردستی اور دوسری سماجی برائیوں کے خلاف دنیا کو زندگی کی ہر سطح پر اشد ضرورت ہے لیکن ٹھیک یہی وہ نکتہ ہے جہاں مسیحیت کی اصل روح کو اس طرح مسلسل مسخ کیا گیا کہ تاریخ میں متشددانہ تعصب کی مختلف صورتیں پیدا ہوتی رہیں۔ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

THIS IS THE FORM OF NON-VIOLENT. RESISTENCE TO OPPRESSION AND OTHER SOCIAL EVILS OF WHICH THE

WORLD STANDS DESPERATELY IN NEED AT EVERY LEVEL OF LIFE. BUT IT IS PRECISELY HERE THAT THE INNER SECRET OF THE CHRISTS RELIGION HAS BEEN CORRUPTED AND DISTORTED THROUGHOUT HISTORY INTO VARYING FORMS OF INTOLERANCCE.

بی بی سی اور آئی ٹی وی کے ۱۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کے ایک پروگرام کے مطابق ۶۵ - ۱۹۶۲ء میں روم میں منعقدہ کلیساؤں کی عالمی کونسل کے اطالوی اور ہسپانوی مندوبین نے مذہبی آزادی کی ایک تجویز کی یہ کہہ کر مخالفت کی کہ اس سے رومن کیتھولک کلیسا کمزور ہو جائے گا۔

جیفری پیرنڈر اپنی کتاب "مذہبی تقابل (GEOFFREY PARRINDER IN"COMPARATIVE RELIGION") صفحہ ۳۵ پر لکھتا ہے" شروع میں مسیحیت پر زیادتی ہوئی تو بعد میں وہ خود دوسروں کو عذاب دینے والی بن گئی۔ حاسد خدا کے تصور کے ساتھ ساتھ محبت کے پرچار سے جو تضاد پیدا ہوا وہ ان کے کردار کے ایسے دوغلے پن کی صورت میں ظاہر ہوا جسے کبھی سلجھایا نہیں جاسکتا۔ حاسد خدا کے "منتخب" لوگ آسانی سے متعصب ایذاء رساں بن جاتے ہیں" صفحہ ۳۶ "تعصب بھی ایسا جو کسی اور نے نہ برتا ہو بلکہ ایسا جس نے مسیحیت کی صدیوں کی تاریخ میں سیاہ داغ چھوڑے ہیں۔ بُت شکنی، صلیبی جنگیں، تطہیر، سینٹ بارتھولومیوں کا قتل عام، سمتھ فیلڈ کی آتش زنی وغیرہ نے ایسا نشان چھوڑا ہے جو بھلایا نہیں جاسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کے کسی مذہبی فرقے نے ایسے خونریزی اور خوفناک تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا جیسا کہ یورپین عیسائیوں نے کیا۔ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

CHRISTIANITY HAVING BEEN PERSECUTED AT FIRST THEN CAME TO PERSECUTE OTHERS. CHRISTIAN LOVE WITH NOTION OF JEALOUS GOD HAS PRODUCED A CONTRADICTION, REFLECTED IN DUALITY OF CONDUCT. WHICH HAS NEVER BEEN RESOLVED. THE JEALOUS GOD'S CHOSEN PEOPLE EASILY FALL INTO BECOMING INTOLERENT PERSECUTORS. INTOLERENCE IS NOT SOMETHING THAT OTHER PEOPLE PRACTICED. IT HAS LEFT DARK STAINS ACROSS CENTURIES OF CHRISTIAN HISTORY. THE AGRESSIVE CRUSADES, THE INQUISITION, THE MASACRE OF ST. BARTHOLOMEO, THE FIRES OF SMITHFIELD, THESE HAVE LEFT A DARK MARK AND ARE STILL NOT FORGOTTON. IT HAS BEEN SAID THAT NO MAJOR RELIGIOUS COMMUNITY ON EARTH HAS SHOWN FIERCER/ INTOLERENCE THAN HAS THE EUROPEAN CHRISTIAN.

دوسرے ملکوں میں مسیحی پادریوں پہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے مذہب کی تبدیلی کے لئے ترغیب مادی انعام واکرام کی رشوت سے دی یہ ایسے نو عیسائی تھے جن کے لیئے کشش کی بات خوراک، تعلیم اور مادی ترقی کی اُمید تھی۔ جو کلیسا کے لئے اچھے اشتہار نہیں ہیں (صفحہ ۳۹) فرانکو کے سپین میں پراٹسٹنٹوں کے سکول بند کر دیئے گئے ہیں اور انجیل کے کسی (حصّے) کی تشہیر منع ہے۔ کولمبیا کے بارے میں اطلاع ہے کہ ۱۹۵۹ء تک کے دس سالوں میں مذہبی تعصّب کی ایک سو سولہ پروٹسٹنٹ ہلاک کئے گئے۔ رومن کیتھولک اب بھی ایتھنز کے عقیدے پہ ایمان رکھتے ہیں جو یہ ہے کہ جب تک کسی کا مذہب کیتھولک نہ ہو وہ ہمیشہ

کے لئے جہنم میں جائے گا۔ اس کا یہ مطلب ہُوا کہ دوسرے نہ ماننے والوں کی طرح پروٹسٹنٹ مسیحی بھی جہنم میں جائیں گے (صفحہ ۴۴) مسیحیت کے الہام کے بارے میں کسی سوال کی گنجائش نہیں، کیونکہ ایسا کرنا گناہ آلود تکبّر کی بات ہوگی اور خدا کا منکشف پیغام قبول کر لینا چاہیئے اگر یہ پوچھا جائے کہ خدا کے الہام کی پہچان کیا ہے؟ تو یہ جواب ملے گا کہ کوئی اس کی تمیز نہیں کر سکتا، کیونکہ انسان مکمل طور پر خراب ہے (تو پھر کسی زمانے کے کسی بھی انسان کو اسے الہامی کہنے کا حق کیونکر ہے؟ مصنّف) یہ بھونڈی دلیل ہے جو جدید انسان کو اپیل نہیں کر سکتی۔ وہ تو مسیحیت کو اس کے معیار کے مطابق پرکھے گا اور اگر مسیحیت کے اعمال اس کے قول کے مطابق نہیں ہونگے تو جھوٹا سمجھ کر اسے رد کر دے گا۔ (انگریزی متن یہ ہے)

PAGE 37. IN OTHER LANDS CHRISTIAN MISSIONERIES HAVE BEEN ACCUSED OF GAINING CONVERTS BY BRIBES OF MATERIAL REWARDS. SUCH NEW CHRISTIANS ATTRACTED SOLELY BY HOPE OF FOOD, EDUCTION AND MATERIAL ADVANCEMENT, ARE NOT THE BEST ADVERTISEMENT OF CHURCH METHODS.

PAGE 39. IN FRANCO'S SPAIN PROTESTANT SCHOOLS ARE CLOSED AND NO PORTION OF THE BIBLE MAY BE CIRCULATED. IN COLUMBIA IN 1959 IT WAS REPORTED THAT 116 PROTESTANTS HAD BEEN KILLED IN LAST 10 YEARS BECAUSE OF RELIGIOUS INTOLERENCE.

PAGE 44.45 THE ATHENSIAN CREED STATES THAT"UNLESS EVERY ONE KEEPS THE CATHOLIC FAITH. WHOLE AND UNDEFILED. WITHOUT DOUBT HE SHALL PERISH EVERLASTINGLY. THE ROMAN CATHOLIC CHURCH HAS HELD FORMALLY TO THIS OLD POSITION.(WHICH MEAN)

ALL UNBELIEVERS AND THAT INCLUDE PROTESTANTS MUST GO TO HELL. (GEOFFREY PARRINDAR IN COMPARATIVE RELIGION)

اے ملر" کلیسا کی تاریخ" ("CHURCH HISTORY" BY A. MILLER)
میں لکھتے ہیں۔ پال نے یسوع مسیح کے مصلوب ہونے کے قریبًا پندرہ سال بعد اپنے
القا کا اعلان کیا۔ جس میں پہلی دفعہ اس نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہا۔ ان کی زندگی میں
وہ حضرت یسوع مسیح سے کبھی نہیں ملا تھا۔ اور انجیل میں وہ خود اقرار کرتا ہے کہ مذہب
کے بارے میں وہ بارہ سے الگ ہے۔ واضح الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ بارہ کا
یا دوسرے لفظوں میں حضرت مسیح کا مشن صرف یہودیوں تک محدود تھا۔ اس سے
صاف ظاہر ہے کہ مسیحیت کے نام اور بڑی حد تک موجودہ شکل وصورت کا بانی صرف
پال ہے۔ گو کہ بعد میں کانسٹنٹائن سے لے کر بہت سی کونسلوں میں اس میں مزید ردوبدل
کیا جاتا رہا۔ بارہ حواریوں کے بارے میں عام خیال ہے کہ وہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔
یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ وہ بارہ سے کٹ کر اپنے خود ساختہ عقائد کی تبلیغ کا آغاز
اصلی مرکز یروشلم سے نہیں بلکہ سینکڑوں میل دور بُت پرستوں کے شہر انطاکیہ
(ANTIOCH) سے کرتا ہے اور حضرت یسوع مسیح کو ایک نئے ڈھنگ سے پیش
کرتے ہوئے صرف ان پر ایمان لانے کو نجات کے لیئے کافی ہونے کا اعلان کرتا ہے۔
یعنی بغیر عمل کے (JUSTIFICATION BY FAITH ALONE (IN JESUS)
صفحہ ۹۶۲ پر عقیدے کے بارے میں لکھتے ہیں " میں اقرار کرتا ہوں کہ عشائے ربانی
(EUCHARIST) کے دوران ملنے والی روٹی کے ٹکڑے اور شراب کے
قطروں میں یسوع مسیح پورے کے پورے موجود ہوتے ہیں (جو کھائے اور پیئے جاتے
ہیں) ۲- میرا مسلسل عقیدہ ہے کہ عالم برزخ ہے۔ جس کے عذاب سے ارواح کی رہائی

وفاداروں (پادریوں) کی شفاعت سے ممکن ہے۔ (۳) حضرت مسیح کے ہمراہ حکمرانی کرنے والے ولیوں (SAINTS) سے عاجزی کے ساتھ امداد کی درخواست اور ان کے تبرکات (RELICS) کی عزت کرنا ہے (۴) میں نہایت سختی سے اقرار کرتا ہوں کہ یسوع مسیح اور خدا کی ماں دائمی کنواری کے اور دوسرے ولیوں کے بت بھی حاصل کرنا ہے، رکھنا ہے اور انہیں عاجزی سے عزت دینا ہے۔ (۵) میں اقرار کرتا ہوں کہ معافی ناموں INDULGENCES: کی قوت اور افادیت یسوع مسیح نے کلیسا کو ودیعت کی تھی اور کہ ان کا استعمال مسیحی لوگوں کے لئے بہت کارآمد ہے۔ (۶) میں قبول کرتا ہوں کہ متبرک کیتھولک اور حواریوں کا رومن کلیسا تمام کلیساؤں کی ماں اور (MISTRESS) ہے۔ اور میں رومن بشپ کی تابعداری کی قسم کھاتا ہوں جو حواریوں کے شہزادے سینٹ پیٹر (پطرس) کا وارث ہے اور وہ حضرت مسیح کا۔ (۷) میں یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ اس ٹرینٹ کی کونسل (COUNCIL OF TRENT) کی طرح دوسری کونسلوں میں طے پانے والے اعلان اور وضاحتیں درست ہیں اور ان کے خلاف دوسری سب باتوں کو کفر (HERESY) سمجھتے ہوئے رد (CONDEMN) کرتا ہوں"۔ یہ تھا ۱۵۶۲ء میں ہونے والی کونسل آف ٹرینٹ کا اعلان۔

برٹرینڈرسل اپنی کتاب "برٹرینڈرسل اور مسیحیت" (BURTREND RUSSEL AND CHRISTIANITY) کے صفحہ ۹-۱۰ پر لکھتے ہیں کہ "تشدد اور جنسی جرائم مایوس کن حد تک بڑھ گئے ہیں۔ ذہنی مریضوں کے ادارے اُبلے پڑ رہے ہیں۔ باوجود اس کے کہ فلاحی ریاست کے باسیوں کا عام معیار زندگی اچھا خاصا بلند ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اس پریشان کن صورتِ حال کی تہہ میں مادی کی بجائے اصل محرکات کچھ اور ہیں۔ کیونکہ انسانوں کو زندہ رہنے کے لئے صرف روٹی ہی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اخلاق کی اہمیت کی دنیا ہے جس کے بغیر انسان کا روحانی وجود زوال پذیر ہو سکتا ہے۔ اور عبادت کے بغیر اس کی زندگی کا عمیق ترین حصہ روحانی بھوک کی وجہ سے غیر مطمئن

رہ جاتا ہے"۔ رسل (RUSSEL) مزید لکھتے ہیں کہ "پرایوی کونسل کے فیصلے کے مطابق مسیحیوں کے لیئے اب دوزخ ضروری نہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک میں مذہبی معاملات بھی پارلیمنٹ کے قوانین سے طے پاتے ہیں۔ اگرچہ اس ایکٹ کی یارک اور کنٹربری کے لاٹ پادریوں نے مخالفت کی۔ لیکن پرایوی کونسل ان عزت مآب پادریوں پر حاوی رہی اور آئندہ کے لئے دوزخ ضروری نہ رہی"۔ صفحہ نمبر ۴۷ پر لکھتے ہیں کہ "تاریخ کے اعتبار سے مسیح کے وجود کی بات بالکل مشکوک ہے، کہ وہ کبھی ہوئے تھے اور اگر کبھی ہوئے تھے تو بھی ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے"۔ صفحہ ۴۹ کے مطابق کہتے ہیں "اگر انجیل کے بیان کو لیں جیسا کہ وہ ہے تو مثال کے طور پر حضرت یسوع کہتے ہیں "تم اسرائیل کے شہروں میں نہ پھر سکو گے کہ اتنے میں ابن آدم (یسوع مسیح) واپس لوٹ آئے گا" پھر وہ کہتے ہیں" یہاں بعض اس وقت کھڑے ہیں جو اس وقت تک موت کا مزہ نہ چکھیں گے۔ جب تک ابن آدم اپنی بادشاہی کے ساتھ واپس نہیں آجائے گا"۔ کئی اور جگہوں کے بیانات سے بھی یہ بات بالکل صاف معلوم ہوتی ہے کہ انہیں (حضرت مسیح کو) یقین تھا کہ وہ بعض اس وقت موجود لوگوں کی زندگی میں ہی دوبارہ وارد ہوں گے" صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں "میرے خیال میں لوگ دلیل سے مسیحی مذہب قبول نہیں کرتے، بلکہ صرف جذباتی وجہ سے کرتے ہیں"۔ صفحہ ۶۵ پر کہتے ہیں "کیتھولک مسیحی عورت کسی آتشک جیسے موذی مرض میں مبتلا کسی مرد سے بیاہی جائے اور معلوم ہونے پر طلاق نہ لے سکے، اس لئے کہ اس کی قطعاً اجازت نہیں۔ تو یہ انتہائی شیطانی صفت ظلم (FIENDISH CRUELTY) کی بات ہوگی کہ وہ زندگی بھر اسی مریض کے عقد میں رہ کر آتشک زدہ بچے جنتے"۔

صفحہ نمبر ۶۸ پر لکھتے ہیں کہ "میرے خیال میں مسیحی مذہب کی بنیاد زیادہ تر خوف پر رکھی گئی ہے۔ جزوی طور پر یہ نامعلوم (UNKNOWN) کی دہشت ہے اور سب باتوں کی بنیاد خوف ہی ہے۔ دہشت چونکہ ظلم کو جنم دیتی ہے۔ اس لئے یہ تعجب کی بات نہیں کہ

مسیحی مذہب اور ظلم کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے" پھر صفحہ ۶۹ پر لکھتے ہیں کہ مسیحی مذہب، مسیحی کلیسا اور قدیم مسیحی عقائد کے مقابلے میں سائنس نے اپنا مقام آہستہ آہستہ بنایا ہے۔ سائنس ہمیں ذلیل کرنے والے خوف سے نجات دلا سکتی ہے جس میں مسیحی انسان اتنے طویل عرصے تک مبتلا رہا ہے۔"

پندرھویں صدی عیسوی کا آخری حصہ ہے جبکہ پوپ انوسنٹ ہشتم (INNOCENT VIII) اپنے ایک حکم (BULL) کے ذریعے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جادوگری ایک بیماری ہے جو مسیحی یورپ میں سے مٹا دی جائے۔ خراب موسم کی وجہ سے فصلیں خراب ہو جائیں تو اسے بھی جادوگری کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔

دولت کے عوض پوپ مشرکوں (HERETICS) اور سنئے مسیحی کو مذہبی الزامات کی سزا سے بچنے کے لئے عارضی معافی بھی دیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ دولت کے یہ سوتے خشک نہ ہو جائیں۔ محدود معافی دی جاتی تھی جس کی میعاد ختم ہوتے ہی مزید مہلت کے لیئے اور رقم وصول کی جاتی تھی اور استطاعت رکھنے والوں سے جان بخشی کا یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ (ماخوذ از :- (SPANISH INQUISITION BY H. KAMEN

امریکہ کی اٹھارہویں صدی کی تھامس گیج (THOMAS GAGE) نامی مشہور شخصیت کے بارے میں اسی نام کی ایک کتاب THOMAS GAGE IN SPANISH AMERICA کے صفحہ نمبر ۱۱۹ اور ۱۲۱ پر مصنف نارمن نیوٹن NORMAN NEWTON لکھتے ہیں۔

"بعض لوگ امریکن انڈینوں کو تفریحاً دُرّے مارتے تھے۔ بعض تلواروں سے زخمی کرتے تھے۔ بعض ان کی بیویوں کو خراب کرتے تھے اور بعض جان بوجھ کر جھگڑا کھڑا کرتے تھے، تاکہ ان کی محنت کی مزدوری نہ دینا پڑے۔ گیج تین سال تک گواٹے مالا GUATEMALA آرٹس کالج میں زیرِ تعلیم رہا۔ جوں جوں وہ رومن کیتھولک مسیحیت کا مطالعہ کرتا جاتا تھا توں توں اسے یقین ہوتا جاتا تھا کہ یہ عقیدہ جھوٹ، غلط مفروضوں اور توہم پرستی سے

بھرا ہوا ہے وہ اپنے وقت کے عام بحران سے گزر رہا تھا لیکن اس زمانے کے میکسیکو (MEXTCO) میں بھی پروٹسٹنٹ بنا یا ہونا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ہو سکتا تھا اسے زندہ جلا دیا جاتا"۔

۴۴۹ء میں ایفیسس (EPHESUS) کے مقام پر ہونے والی کونسل "ڈاکوؤں کی کونسل" (COUNCIL OF ROBBERS) کہلائی جس میں سپاہیوں نے راہبوں کو مارا پیٹا۔ لاٹ پادری (BISHOPS) لاٹ پادریوں سے دست وگریباں ہوئے اور سکندریہ کے پوپ نے اپنے ہم مرتبہ بشپ یوسیبئس (EUSEBIUS) کو لاتوں اور گھونسوں سے نوازا اور ایسے مسئلے کی وجہ سے قتلِ عام پر منتج ہوا جو مشرقی دھڑے کے نزدیک صحیح اور مغربی کلیسا (روم) کی نظر میں شرک (HERESY) قرار پایا لہٰذا واجب القتل ٹھہرا۔ کیونکہ سکندریہ والے روم کے خدائی صفات کے دعوے کے برعکس حضرت مسیح میں صرف انسانی صفات کے قائل تھے۔

ایک مسیحی فرقے کے مطابق حضرت مسیح خدا کے متبنٰے بیٹے تھے۔ اسی لئے یہ تاریخ میں (ADOPTIONISM) کہلایا۔ جیمس ایلارڈ "صحرا کی زیارت" کے صفحہ ۵۷ پر لکھتے ہیں کہ اناجیل کا چناؤ عجیب طریقے سے کیا گیا۔ سب کو ایک میز پر رکھ کر دعا کی کہ جو الہامی ہیں وہ اوپر رہیں جو نہیں وہ نیچے گر جائیں۔ یہ عجیب طریقہ تھا جس پر گر جانے والیوں کے حامیوں نے اعتراض کیا۔ صفحہ ۵۸ پر لکھتے ہیں۔ سکندریہ، انطاکیہ یا روم کو کتابیں تلف کرنے کا کیا حق تھا؟ موت کی سزا کے خوف کے تحت نیک دل آرئیس (ARIUS) کی کتابوں کو جلا دیا گیا جو خوش قسمت نکلا کہ خود جلائے جانے سے بچ گیا۔

۴۹۴ عیسوی میں پوپ گلیسئس (GELASIUS) نے ایک فرمان کے ذریعے اکسٹھ کتابوں چھتیس مصنفوں اور ان کے بھی خواہوں پر پابندی لگاتے ہوئے انہیں ہمیشہ کے لیے مردود اور لعنتی قرار دیا۔ صفحہ ۶۰-۵۹ پر لکھتے ہیں گلیسئس کے فرمان سے شروع کر

کے کلیسا نے اپنے اختیارات کا زور امتناعی عمل (CENSORSHIP) پر صرف کیا۔ یعنی یہی نہیں کہ لوگ کیا پڑھ سکتے ہیں، بلکہ یہ بھی کہ انہیں کیا سوچنے اور منہ سے کہنے کی اجازت ہے۔ منظور شدہ اناجیل کی تشریح یا ترجمے کی اجارہ داری صرف کٹر پادریوں کے ہاتھ میں تھی۔ مصر اور لیبیا کے مسیحی روم کے جبر و تشدد کی پہنچ سے باہر ہونے کی وجہ سے متروک بلکہ مردود ٹھہرائی گئی۔ اناجیل پر قائم رہتے ہوئے انہیں پر عمل کرتے رہے ایک معقول مفروضہ یہ ہے کہ یہودا اسکروطی سمیت سبھی بارہ حواریوں نے اپنی اپنی انجیل لکھی ہوگی جو پہلی اور دوسری صدی میں مستعمل رہیں۔ ان حواریوں کی دوسری ممنوعہ تحریروں کے ساتھ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں ان تمام کتابوں کو تلف کر دیا گیا تاہم حادثاتی طور پر ان متروک کتابوں کے بعض ٹکڑے بچ گئے جن کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کبھی یہ مسیحی کلیساؤں میں پڑھی جاتی تھیں۔ مثلاً پطرس کی انجیل بلاشبہ دوسری صدی تک عام استعمال میں تھی (جو ایک فرانسیسی آثار قدیمہ کے مشن کو ۱۸۹۲ء میں ملی تھی) کچھ متعلقہ انگریزی اقتباس ملاحظہ ہوں۔

FROM "DESERT PILGRIMAGE" BY JAMES ALLARD.

PAGE 43. AT THE SO CALLED"ROBBERS COUNCIL" OF EPHESUS (HELD 449), SOLDIERS ATTACKED MONKS, BISHOPS PUMELLED BISHOPS, THE POPE OF ALEXANDRIA KICKED AND TRAMPLED HIS FELLOW PRIEST BISHOP EUSEBIUS AND MASSACRE RESULTED OVER A THEORY WHICH THE EASTERN CHURCH ACCEPTED AS OTHODOXY AND THE WESTERN REJECTED AS HERESY.

PAGE 45. EMPEROR HADRIAN (76-138) SPOKE OF CHRISTIANS AS SEDITIOUS, VAIN AND SPITEFUL. OUTRIGHT HATRED OF THE CHRISTIANS TOWARDS THE

PAGANS LED TO RELIGIOUS PERSECUTION, THE WORLD HAD NOT KNOWN SUCH BIGOTRY UNTIL THEN.

PAGE 56. CHRISTIANS OF EGYPT DIFFER IN BASIC BELIEF BECAUSE THEIR KNOWLEDGE ABOUT JESUE CHRIST IS BASED ON CANNONICAL AS WELL AS BIBLES/ WHICH ARE NOW LOST. THESE GOSPELS WERE SUPPRESSED BY THE WESTERN CHURCH.

PAGE 57. WE HAVE A CLUE IN THE PROCEEDINGS OF THE FIRST COUNCIL OF NICAEA IN 325 AT WHICH THE FATHERS DECIDED WHAT BOOKS WERE ACCEPTABLE AND WHAT WERE NOT. THE RESULTANT BRAWLING WHICH WENT ON IN THE BITHYNI AN TOWN WAS ACTUALLY A BATTLE OF THE BOOKS. THEY PUT ALL THE BOOKS REFERRED TO THE COUNCIL ON A TABLE IN CHURCH AND PRAYED THAT INSPIRED ONES SHOULD REMAIN ON THE TABLE. THIS WAS CERTAINLY NOVEL WAY OF CENSORING BOOKS. THE SUPPORTERS OF THOSE FALLEN OBJECTED TO AUTHENTICITY OF THOSE WHICH DEFIED THE LAWS OF GRAVITY.

PAGE 58. THE RIGHT OF ALEXANDRIA, ANTIOH OR ROME TO DESTROY AUTHORS AND THEIR BOOKS IS QUESTION - ABLE. THUS ALL THE WORKS OF PIOUS ARIUS WERE BURNT UNDER PAIN OF DEATH,WHO WAS PERHAPSE LUCKY NOT TO BE BURNT WITH THEM.

PAGE 59. FROM DECREE OF GELASIUS ONWARDS THE FULL

WEIGHT OF CHURCH AUTHORITY WAS BEHIND CENSORSHIP, NOT ONLY OF WHAT MEN COULD READ BUT THEY COULD THINK AND SAY. TO TAKE INTERPRETATION OF THE BIBLES AUTHORITY WAS THE EXCLUSIVE RIGHT OF THE ORTHODOX CHURCH. THE DESERT CHRISTIANS OF EGYPT AND LIBYA CONTINUED TO BELIEVE AND PRACTICE THE BANNED BOOKS, THEY BEING BEYOND THE REACH OF THE HAND OF INQUISITION OF ROME.

PAGE 60. ALL WE CAN SAY OF THESE (LOST) GOSPELS IS THAT ONCE THEY WERE READ IN CHRISTIAN CHURCHES. THE GOSPEL OF PETER FOR EXAMPLE WAS UNDOUBTEDLY IN GENERAL USE IN 2ND CONTURY (FOUND BY FRENCH ARCHAELOGICAL MISSION IN 1892.

صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں کہ اذیت دینا اور جھیلنا بڑی خوبی سمجھی جاتی تھی جس کی وجہ سے اس قسم کے ناقابلِ یقین قصے گھڑے گئے، مثلاً سینٹ کلیمنٹ (ST. CLEMENT) کے بارے میں مشہور تھا کہ اسے شہتیر سے لٹکایا گیا۔ پھر لوہے کی کنڈیوں سے اس کا گوشت نوچ کر ایک پہیے کے ساتھ باندھ کر ڈنڈوں کے ساتھ پیٹا گیا۔ پھر چاقو مار مار کر مسخ کیا گیا۔ دانت نکالے گئے، پاؤں توڑے گئے، بیل کی کھال کے دُرّے سے مارا گیا۔ جلتی ہوئی مشعلوں سے جلایا گیا جنگلی درندوں کے سامنے ڈالا گیا۔ اس کے ناخنوں کے نیچے سرخ گرم لوہے کی سلاخیں چبھوئی گئیں۔ ایک بھٹی میں ڈالا گیا جہاں وہ پورا ایک دن اور رات جلتا رہا پھر بھی زندہ بلکہ شائد کودکڑے بھر رہا تھا کہ باہر نکال کر لوہے کی کنڈیوں (HOOKS) کے ساتھ پیٹ کر لوہے کے کانٹوں (SPIKES) پر پھینک کر سر پر پگھلا ہوا سیسہ ڈالا گیا۔ کان سوئیوں، سے چھیدے گئے۔ فولاد کے پچاس ڈنڈے روزانہ کئی دن تک لگاتار مارے گئے اور

آخر کار قتل کر دیا گیا۔ (نہ جانے قتل کیسے ممکن ہوا ہو گا! مصنف)

ایلی کدوری "چیتھم ہاؤس کی کہانی"

(ELIE KADOURI-CHATHAM HOUSE VERSION AND MIDDLE EASTERN STORY.)

کے صفحہ ۳۴۷ اور ۳۴۹ پر لکھتے ہیں' وہ (یورپین مسیحی)، ہم پر گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑے گویا ہم لوٹ کا مال تھے۔ جو بے مالک جانوروں کی طرح ان کے حوالے کر دیئے گئے۔ ان کے یورپ سے بھیجے ہوئے پادریوں کے دل اور روحیں ان کی کالی وردیوں کی طرح کالے ہوتے ہیں۔ وہ مسیحیت کی تبلیغ کے پردے میں فلسطینی مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان نسلی تعصب اور منافرت کے بیج بوتے ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۵۰ پر لکھتے ہیں مغربی (سفید فام) پادری اس قدر ناقابل برداشت ہو گئے کہ ناذارتھ (NAZARETH) کے عرب مسیحیوں نے ان سے قطع تعلق کر کے اپنا الگ عرب سربراہ پادری مقرر کر لیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان سے الگ ہو کر پُرسکون باعزت زندگی گزارنا ان کی جہنم کی آگ میں جلنے سے بہتر ہے۔

آٹھویں صدی عیسوی کے آخری نصف میں شاہ شارلمین نے اکثر مغربی یورپین قبائل کو طاقت کے زور سے مسیحی بنایا اور ہزارہا کو ناحق قتل کیا۔ وہ مسیحیت کو اپنے ماتحت ایک ایک (مذہبی) تنظیم سمجھتا تھا۔ وہ لاٹ پادریوں (BISHOP) کو اپنے گماشتے (OFFICIALS) اور پوپ کو ان کا سرکردہ (CHIEF) سمجھتا تھا۔ اسی لئے پیپن (PEPIN) نام کے کئی بادشاہ اور شارلمین، آزادی سے کلیساؤں (SEES OR CATHEDRALS) اور راہب خانوں (ABBEYS) کا لین دین کرتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی جگہ خالی ہونے کی صورت میں عام آدمی کے حوالے کر دیتے تھے جو بادشاہ کے حوالے سے ان کا انتظام چلاتے اور ٹیکس وصول کرتے تھے۔

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا (CANON LAW) کے تحت بتایا جاتا ہے کہ انگلستان میں بادشاہ

کے بعد سب سے بڑا عہدہ (CHANCELLOR) کا تھا۔ جس کا سربراہ پادری ہوتا تھا۔ اسی کے پاس حکومت کی چابی (KEY OF KINGDOM) ہوتی تھی۔ اور باقی سب محکمے مثلاً وزارتِ داخلہ، وزارتِ خارجہ، عدل وغیرہ اس کے ماتحت ہوتے تھے۔ اور ان سب چھوٹے بڑے عہدوں پر پادری صاحبان کا تسلط تھا، جو تشکیلِ نو یا اصلاحات (REFORMATION) کے زمانے یعنی سولہویں صدی تک قائم رہا۔

ہنری ٹریس (HENRY TREECE) اپنی کتاب "صلیبی جنگیں" (CRUSADES) کے صفحہ نمبر ۶۶ پر لکھتے ہیں، "ڈیوک ولیم فاتح انگلستان کے حالات قابلِ غور ہیں۔ کیونکہ یہ گیارہویں اور بارہویں صدی کے بادشاہوں کا مثالی نمونہ پیش کرتے ہیں کہ وہ کیسے تھے۔ وہ اس قدر سخت گیر اور ظالم تھا کہ کوئی بھی اس کی مرضی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ہر آدمی اپنی زمین یا زندگی کے ساتھ تابعداری پر مجبور تھا۔ اس کی اس سفاکی کا کچھ حصہ غالباً اس کی ایسی ولدیت کی وجہ سے ہو جو اس وقت عام بات تھی یعنی وہ نارمنڈی کے ڈیوک شیطان رابرٹ (ROBERT THE DEVIL) اور فلائیسے کے ایک چمڑہ رنگنے والے کی لڑکی آرلیٹے سے پیدا حرامی لڑکا تھا۔ اسے بلوغت کے آغاز تک "حرامی" کا نام برداشت کرنا پڑا۔ وہ ایسی متشددانہ طبیعت کا مالک تھا۔ جو انسانوں کے حقوق اور فلاح سے سروکار نہیں رکھتی تھی۔ اسی لئے ولیم ہر بغاوت کے بعد اپنے جاگیرداروں جن کی پیدائش خود اُسی کی طرح "نجیب الطرفین" ہوتی تھی، کے اختیارات کم کرنے میں لگ جاتا تھا۔ صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں۔ "تاریخی اعتبار سے کلیسا ہمیشہ سے فوجی طاقت رہا ہے یا فوجی نوعیت کا حامل رہا ہے اور یہ کہ پوپ اربن (URBAN) کے بشپوں، پادریوں اور دوسرے سپاہیوں کو ۱۰۹۵ء میں مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ شروع کرنے کا حکم دینے سے بہت پہلے کلیسا فوجی طاقت بن چکا تھا۔ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

HENERY TREECE IN "CRUSADES"

PAGE 66. IT IS WORTH CONSIDERING THE NATURE OF DUKE WILLIAM. SINCE HE SERVES AS A PROTOTYPE OF WHAT AN 11TH AND EVEN 12TH CENTURY KING WAS LIKE.- SO HARSH AND CRUEL HE WAS THAT NO BODY WITHSTOOD HIS WILL. ALL MEN WERE OBLIGED TO BE OBEDIENT. IF THEY HAD LAND OR EVEN LIFE. SOME OF THIS RUTHELESSNESS MAY HAVE COME TO HIM FROM A PARENTAGE TYPICAL OF THIS TIME. HE WAS THE ILLEGITIMATE SON OF ROBBERT THE DEVIL, DUKE OF NORMANDY AND ARLETTE DAUGHTER OF A TANNER OF FALAISE. THROUGH HIS YOUTH AND EARLY MANHOOD WILLIAM HAD TO PUT UP WITH NICK NAME BASTARD. A MAN OF VIOLENT TEMPER, HE WAS NOT THE SORT OF MAN WHO CONCERN HIMSELF WITH RIGHTS OR WELL BEING OF COMMON MAN AND, IT IS JUST AS OBVIOUS THAT AFTER ANY EXPERIENCE OF REBELLION WILLIAM WOULD SET HIS MIND TO TASK OF LIMITING POWERS OF HIS OWN BARONS. MOST OF WHOM WERE AS WELL BORN AS HE.

PAGE 71. HISTORICALLY, CHURCH HAD ALWAYS BEEN A MILITARY POWER, OR POSSESSED IMPLIED MILITARY CANNOTATIONS. LONG BEFORE POPE URBAN COMMANDED THE BISHOPS AND PRIESTS TO JOIN WITH THE WARRIORS AND GO CRUSADING AGAINST THE SARCEN "INFIDEL" IN 1095.

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کے مطابق پندرہویں صدی تک حکومت کلیسا کی آمدنی میں سے

اپنے ملازمین کی تنخواہیں ادا کیا کرتی تھی اور لاٹ پادری (BISHOP) یا سیاستدان (STATESMAN) ایک ہی عہدے کے دو نام تھے۔ سولہویں صدی میں کلیسا کے خلاف بھڑک اُٹھنے والے بعض اعتراض جو کم و بیش اب بھی ہیں، اسی وجہ سے تھے۔ جبکہ بشپ کی تعیناتی چوتھی صدی کے وسط سے لے کر تمام یورپ میں سول حکومت کی منظوری سے ہوتی تھی اور اس حق کو حکومت اپنے مقاصد کے لئے کئی طرح سے استعمال کیا کرتی تھی سترھویں صدی کے حالات پر محیط، کرسٹوفر ہل اپنی کتاب " انقلاب کی صدی "

(CHRISTOPHER HILL IN" CENTURY OF REVOLUTION")

کے صفحہ ۷۶ - ۷۵ پر لکھتا ہے۔ سترھویں صدی کے گرجا کو انگریزوں کی زندگی میں بڑا دخل تھا۔ ہر ایک کے لئے لازمی تھا کہ وہ ہر اتوار کو اپنے مقامی گرجا میں حاضری دے جس کی خلاف ورزی قابل گرفت تھی۔ اسے اپنی پیداوار یا آمدنی کا دسواں حصہ ایسے پادری کو ادا کرنا پڑتا تھا جسے پسند یا ناپسند کرنے کا اسے کوئی اختیار نہ تھا۔ خواہ وہ اس پادری سے نفرت ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ وہ گرجا، کلیسا کی عدالت کے دائرۂ اختیار میں تھا جو اسے نہ صرف مذہبی اختلاف کرنے پر بلکہ گرجا کے اوقات سے غیر حاضری، جنسی بدچلنی اور آمدنی کا دسواں حصہ ادا کرنے کے جرائم کی سزا دے سکتی تھی۔ بلکہ کبھی اتوار یا بزرگوں ولیوں (SAINTS) کے دن کام کرنے کے "جرم" میں بھی پکڑ سکتی تھی۔ بہت زیادہ غریبوں کے سوا مقامی گرجا لوگوں کے لئے سماجی زندگی اور تفریح گاہ ہونے کے علاوہ انتظامیہ اور ٹیکس لگانے کا مرکز بھی تھا۔ گرجا کے صحن میں فوجی پریڈ ہوتی تھی۔ فوجی سٹور اور جائیدادوں کے متعلق دستاویزات بھی رکھی جاتی تھیں۔ گرجا کی سٹیج حکومت کے اعلانات کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی اور حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً پادریوں کو ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ وعظ کا رُخ کس طرف رکھیں۔

"MINISTERS (PADRIES) WERE FREQUENTLY INSTRUCTED

BY THE GOVT. TO PREACH SERMONS SLANTED IN A PARTICULAR WAY".)

مثلاً ۱۶۲۶ء میں پادریوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے وعظ میں یہ کہیں کہ بادشاہ کی مالی امداد نہ کرنا گناہ ہے۔ پادریوں کی اس اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس زمانے میں اخبار، ریڈیو یا ٹیلی ویژن نہیں ہوتے تھے رائے عامہ کو کسی خاص سیاسی، اقتصادی یا اخلاقی مقصد کے لیئے متاثر کرنے کا دارومدار پادریوں ہی پر تھا۔ کتابیں سختی سے سنسر (CENSOR) کی جاتی تھیں جس کا اختیار لاٹ پادریوں (BISHOPS) کے ہاتھ میں تھا۔ تعلیم پر پادریوں کی اجارہ داری تھی اور بہت معمولی استثنا کے ساتھ کیمبرج اور آکسفورڈ کی اعلٰے تعلیم اہلِ کلیسا (CLERICS) کے لیئے مخصوص تھی، ۱۶۳۰ء کے زمانے میں کنٹربری کا لاٹ پادری لاڈ (LAUD) یونیورسٹیوں میں سوچ پر بھی گرفت کو اور مضبوط کر رہا تھا۔ (IN 1630's LAUD WAS TIGHTENING THOUGHT CONTROL IN THE UNIVERSITIES)

کسی فرد کو کسی سکول یا گھر میں اس وقت تک پڑھانے کی اجازت نہ تھی جب تک کہ وہ لاٹ پادری (BISHOP) سے لائسنس نہ لے لے۔ صفحہ ۲۹۳ انگلستان میں ۱۶۸۹ء کی مذہبی آزادی (TOLERATION ACT) کے باوجود اختلاف کرنے والوں (DISSENTERS) کو انیسویں صدی تک یونیورسٹیوں اور فریشتوں کے رائل کالج میں میں داخلہ نہیں ملتا تھا۔ اسی لئے اختلاف رکھنے والے اعلٰے تعلیمی ادارے ۱۶۸۹ء کے بعد پھیل گئے۔ جب اٹھارہویں صدی کا سائنسی دور شروع ہوا تو اسے تقویت اور تیزی ایسے ہی مخالف تعلیمی اداروں اور انفرادی کاریگروں سے ملی۔ نہ کہ یونیورسٹیوں اور رائل کالجوں سے (جو کلیسا کے کنٹرول میں ہونے کی وجہ سے سائنسی علوم کے خلاف تھے)۔ یاد رہے کہ جدید سائنسی ایجادات مثلاً ریلوے، گیس، لائٹ وغیرہ کے استعمال

کی اجازت پوپ پائیس نہم (۱۸۴۶ - ۷۸) (POPE PIOUS IX) نے انہیں ناپاک (UNHOLY) جدید ایجادات بکتے ہوئے طوعاً وکرہاً دی تھی۔

لندن کے ۱۵ اگست ۱۹۷۳ء کے اخبار "ایوننگ سٹینڈرڈ" کے مطابق مسیحی امریکہ نے دس سال کے عرصے میں جزیرہ نما ہند چینی پر صرف ۶۶ لاکھ ٹن وزنی بم گرائے جن کو لے جانے والا بی۔باون (B-52) بمبار ہوائی جہاز بارہ گھنٹے کی اڑان میں ۴۰،۶۱۵ گیلن پٹرول جلاتا تھا۔ یہ جنگ مضحکہ خیز جھوٹے الزامات کے بہانے شروع کی گئی تھی۔ جس میں لاکھوں کی تعداد میں انسانی جانیں تلف ہوئیں۔

مسیحیوں کے مارمن (MARMONS) نامی فرقے کا بانی جوزف سمتھ لاتعداد شادیوں کا مبلغ تھا۔ اسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ۱۸۴۴ء میں گولی مار دی گئی۔ اس کا جانشین ینگ (YOUNG) ۱۸۷۷ء میں اپنے پیچھے سترہ بیویاں انچاس بچے اور بہت بڑی دولت چھوڑ کر مرا۔ ایسی ہی ذہنی آوارگی کی ایک اور حالیہ مثال جمی جونز (JIMMY JONES) کی ہے جو اپنے مخرب الاخلاق عقائد کی تبلیغ و ترویج کے لیے اپنے سینکڑوں مرد و زن مریدوں کو لے کر گی آنا کے جنگلوں میں جا بسا تھا۔ لیکن چند ہی سالوں میں اپنی اور سینکڑوں مریدوں کی اجتماعی خودکشی کا باعث بنا۔ کہتے ہیں بظاہر اس تارک الدنیا فرقے کے پاس نہ جانے اتنی دولت کہاں سے آئی تھی۔

منظور اور متروک (CANONIZED AND REJECTED) دونوں طرح کی اناجیل میں عورت کا ذکر ایسے طریقے سے کیا گیا ہے گویا حضرت یسوع مسیح کو من حیث الجنس عورت، ماں اور کنبے وغیرہ سے نفرت ہو۔ جیمز ایلارڈ کی "صحرا کی زیارت"

(JAMES ALLARD IN"DES RT PILGRIMAGE".)

کے صفحہ نمبر ۲۷ پر تحریر ہے کہ "معنی خیز طور پر بالائی مصر میں پائی جانے والی ایک راہب کی قبر سے ملنے والی انجیل میں بقول تھامس (BIBLE ACCORDING TO THOMAS)

جو قبطی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ ہمیں حضرت مسیح کا یہ بیان ملتا ہے۔ سائمن پیٹر نے ان سے کہا کہ ہمارے درمیان سے مریم چلی جائے۔ مسیح نے کہا میں اسے لے جا کر تم مردوں کی کی طرح مرد بنا دوں گا، تاکہ تمہاری طرح یہ بھی ایک زندہ روح بن جائے۔ کیونکہ وہی عورت جو کہ اپنے آپ کو مرد بنا لے گی جنّت میں جائے گی۔ ایسے ہی اقوال کا نتیجہ ہے کہ یہ راہب (مصری قبطی)، اپنی ماؤں بہنوں سے بھی بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی مصنّف صفحہ ۷۷ پر لکھتا ہے کہ مسیح کی موت کے بعد شروع کی ایک صدی تک تمام رومن سلطنت سے مسیحیت کی تعلیم کے حصول کے لیئے لوگ ان ہی صحراؤں کا رُخ کیا کرتے تھے جسے چوتھی صدی میں حکماً گمراہ کن قرار دے کر رد کر دیا گیا۔

جب ہم جانتے تھے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بہت سے پوپ زر، زور اور مکر و فریب کے حربوں سے پاپائیت کے تخت تک پہنچتے تھے اور ان لوگوں کا ذکر تاریخ میں پوپ دشمن (ANTI POPES) بلکہ شیطان تک کے غیر مہذب لفظ کی صورت میں بھی محفوظ ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ الہام کرسی یا تخت کے ذریعے ہوتا ہو گا جس پر جو بھی اور جیسے بھی بیٹھ گیا وہی با الہام اور برگزیدہ بن گیا۔ اس حد تک کہ خدا کی حیثیت نعوذ باللہ صرف اس کے احکام کے تعمیل کنندہ کی ہو کر رہ گئی۔ جب کہ ایک طرف خدا دوسری طرف عوام اور بیچ میں مہیب اختیارات کا مالک پوپ چھوٹے بڑے پادریوں کی فوج کے ساتھ ہاتھ میں عصا لیئے موجود ہو تو قارئین تصوّر کر سکتے ہیں کہ ڈیڑھ ہزار برس تک یورپ کے عام انسان پر مسلسل کیا کیا بجلیاں نہ گری ہوں گی۔ ایک سے بڑھ کر ایک مظالم کا جو سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا اس کی صدائے بازگشت اب بھی کہیں کہیں سنائی دے جاتی ہے۔ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایسے سنگدلانہ مظالم کئے گئے جن کی نظیر تو کجا معمولی سا حصہ بھی تاریخِ عالم میں اور کہیں نہیں ملتا۔ یہ ایسے دردناک مظالم کی کہانی ہے جو تاریخ میں محاسبے یا عدالتی

تحقیق (INQUISITION) کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ یہ مظالم نہایت منظم طریقے اور عالمگیر سطح پر مذہب کے نام سے کیئے گئے۔ ملک بادشاہ کا اور حکم پوپ کا، یہ صورت حال قریب قریب تمام یورپ میں کم و بیش اٹھارہویں صدی کے آغاز تک رہی۔ ان بے حد و حساب اختیارات سے پیدا ہونے والے برے اثرات و نتائج کے مختصر جائزے کے آخری کڑی یعنی عدالتی تفتیش یا محاسبے کا ذکر آگے ملاحظہ کریں۔

محاسبہ (INQUISITION)

بااختیار لوگوں کی نیت خراب ہو تو ظلم کو حق بجانب قرار دینے کے لیئے کیسے کیسے بہانے ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال مسیحیت میں محاسبے کے عمل کا قیام ہے جو صدیوں تک جاری رہا۔ اس "محاسبے" کے جواز کے لیئے تاویل اور عذر کرنے والے یہ کہنے کی جسارت بھی کرتے ہیں کہ مذہب کے معاملے میں سب سے پہلا محاسب خود خدا ہے اور جب خدا نے آدم کی لغزش سے اسے جنت سے نکال کر آنے والے مذہب کے اجارہ داروں کے لیئے گویا ایک مثال قائم کردی کہ بس چلے تو جسے دل چاہے درستیٔ ایمان کے امتحان کی کسوٹی پر کس کر سولی چڑھا دیا جائے تو پھر سچی یا فرضی کوتاہی کی پاداش میں لوٹ لینے یا ذلیل ہونے کے لئے چھوڑ دینے یا لا محدود عرصے کے لئے زنداں میں ڈال دینے یا زندہ جلا دینے جانے میں کونسا امر مانع ہو سکتا تھا؟ کیا چشم فلک نے کسی اور مذہب کے پیشواؤں کے ہاتھ میں ایسے خوفناک اور مکمل اختیارات دیکھے ہیں جیسے مسیحیوں کے ہاں رہے ہیں؟ جنہیں طرح طرح کے مظالم کے لیئے بے دریغ استعمال کیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ انسانی جان و مال پر پادریوں کے مکمل اختیار کی سند خود انجیل کے اندر موجود ہے۔ (اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے

گا۔ اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔ متی باب ۱۶ فقرہ ۱۹)

جب ہم جانتے ہیں کہ پادریوں کے مختلف طبقوں کے عہدے دار عموماً امراء سے لئے جاتے تھے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان درجات تک پہنچنے کے لئے پارسائی اور علم ضروری عناصر نہ تھے۔ اس حقیقت کا اقرار اکثر مورخین اور محققین نے کیا ہے کہ قرون وسطیٰ تک کے اکثر پادری اکھڑ اور جاہل ہوتے تھے۔ ایک طرف تو صورت حال یہ تھی اور دوسری طرف عقیدے اور تعلیمات کا مکمل تعین کہیں ۴۵۱ عیسوی میں چالسڈن کی کونسل (COUNCIL OF CHALCEDON) میں ممکن ہوا۔ وہ بھی رومن بادشاہ مارسیان (MARCIAN) کے حکم سے کیونکہ سابق کی طرح فساد کرتے ہوئے پادری متفق نہیں ہو رہے تھے اس لئے حکم دیا گیا کہ "مقرر کردہ" عقیدے کو تسلیم کرانے کے لئے خون بھی بہانا پڑے تو دریغ نہ کیا جائے۔

تاریخ مسیحیت کے شروع کے پچاس ساٹھ سالوں کو تاریک دھبے کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یعنی کچھ معلوم نہیں کہ اس عرصے میں کیا ہوتا رہا! جب کہ منطقی اور متوقع طور پر مرکز یوروشلم میں عیسائیت کے یہ ابتدائی سال سب سے زیادہ روشن اور مثالی ہونے چاہئیں تھے۔ لوگ سوال کرتے رہے کہ مسیحی عقیدہ ہے کیا؟ اس کی تعلیمات کیا ہیں؟ اس کا حدود اربعہ کیا ہے؟ گویا ساڑھے چار صدیوں تک مسیحیت محض تجرباتی دور سے گزرتی اور موقع پرستوں کے ہاتھوں کھلونا بنی رہی۔ یہ سنجیدگی اور دیانتداری سے سوچنے کی بات ہے کہ ایسی افراتفری کے حالات میں بالآخر جو مذہب پیدا ہوا کیا وہ الہامی اور منجانب یسوع مسیح ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ یہ صورت حال شاید اس لئے بھی پیدا ہوئی کہ مروجہ مغربی مسیحیت کے بانی جناب پال کے بقول، عقیدے کی موجودگی میں اعمال کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ وہ عقیدے کی کوئی توضیح یا تشریح نہیں کرتا کہ عقیدے سے اس کی کیا مراد ہے؟ تو قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان چلاتے ہوئے پریشان کن تاریخی حقائق کی موجودگی میں مذہبی ابہام پیدا کرنا قدرتی بات تھی جس کا حل یہ سوچا گیا کہ جیسے بھی ممکن ہو طاقت کے کرشموں

یعنی پادری اور حکمران طبقے کی ملی بھگت سے مسیحیت کی تشکیل ان کی مصلحتوں کے مطابق کر کے عوام پر مذہب کے نام سے مسلط کر کے مشترکہ حکمرانی کی جائے۔ اسی لئے کہتے ہیں یورپ کی قرونِ اولیٰ سے قرونِ وسطےٰ تک کی تاریخ مسیحیت کی تاریخ بھی ہے۔ چنانچہ طاقت کے بل پر حکم ہوا کہ مذہب کے بارے میں مرضی کا انتخاب سنگین جرم ہے۔ اس طرح زبردستی تھوپے گئے مذہب کو مزید موثر بنانے کے لئے مذہب کے بارے میں بولنے اور سوچنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ دوسرے علوم کے فروغ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ممکنہ شکوک و شبہات سے بچنے کے لئے تمام علوم پر پابندی لگا دی گئی اور عام آدمی کے لئے کسی قسم کی کتاب کا رکھنا بھی جرم قرار پایا۔ انجیل کے بارے میں بھی یہی احکام تھے کہ اس کا رکھنا، پڑھنا، مطلب بیان کرنا صرف پادری صاحبان کا حق ہے۔ کلیسا نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اعترافِ گناہ کے نام سے ایک نئے رکن کا اضافہ کر کے ہر فرد کو اعترافِ گناہ (CONFESSION) کی ترغیب دی۔ گناہوں کی فہرست جیسا کہ پہلے بیان کی جا چکی ہے اتنی جامع اور مکمل تھی کہ اس کڑی آزمائش یعنی اعترافِ گناہ سے بچ نکلنا صرف اور صرف پادری صاحب کی مہربانی ہی سے ممکن تھا اور یہی کلیسا کی مرضی تھی کہ ہر آدمی اس سے خوفزدہ اور ممنونِ احسان رہتے ہوتے فقط اپنی خیر کی خوش فہمی ہی میں مگن رہے۔ یہاں یہ یاد کرانا شاید بے سود نہ ہو گا کہ کلیسا سے مراد مسیحی مذہب کی تنظیم سے منسلک تمام چھوٹے بڑے عہدیداران ہیں۔ عقل اور سوچ پر لگائی گئی ان تہہ در تہہ پابندیوں سے بھی اطمینان نہ ہوا تو گھر گھر میں جاسوس چھوڑ دیئے۔ وہ اس طرح کہ میاں بیوی کو ہدایت کی گئی کہ مذہب اور کلیسا کے بارے میں اگر دونوں میں سے کسی کے منہ سے کوئی بات سہواً بھی نکل جائے جو شک کا پہلو لئے ہو تو دوسرے فریق یعنی میاں یا بیوی کا فرض تھا کہ وہ فوراً اپنے مقررہ پادری صاحب (CONFESSOR) کو اس "جرم" کے سرزد ہونے کی اطلاع دے ورنہ پادری صاحب کے علم میں وہ بات کسی اور ذریعے سے پہنچ جانے کی صورت میں نہ بتانے والا بھی برابر کا "مجرم" ٹھہرایا جاتا تھا۔ ماں باپ کا فرض تھا کہ وہ سات سال کی

عمر سے اوپر کے اپنے بچوں کی مذہبی زندگی میں پائی جانے والی مشکوک باتوں سے بھی پادری صاحب کو آگاہ کریں۔ کیونکہ پادری صاحبان کے نزدیک مذہبی شعور کی بلوغت اور سزا کے لیئے سات سال کی عمر کافی تھی۔ اس سے ماں باپ کو اولاد کی فکر اور قدرتی خوف و ہراس میں مبتلا رکھ کر مزید اطاعت پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔ قارئین کو دنیا بھر کے مذاہب کی مذہبی اور سماجی زندگی کی تاریخ میں آپ کو اس قسم کے منظم، مسلسل، شرمناک، بھیانک اور ہمہ گیر ظلم کی مثال مسیحیت کے علاوہ اور کہیں نہیں ملے گی۔ ماں سے یہ توقع کرنا کہ وہ اپنی اولاد، چاہے وہ سات سالہ بچہ ہی کیوں نہ ہو، کے خلاف ایسے با اختیار ادارے میں جا کر مخبری کرے جو اسے موت کی نیند بھی سلا سکتا تھا۔ غایت درجے کے ظلم اور ماں کی سی مقدس ہستی کو ممتا جیسی بیش قیمت فطرت کو مسخ کرنے کے مترادف تھا۔ اور مسیحی دنیا میں ایسے واقعات انیسویں صدی یعنی حالیہ زمانے تک بھی ہوئے۔ ممکن ہے رومن کیتھولک ممالک جنوبی امریکہ میں اب بھی یہ مظالم کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوں۔ معاشرے کے دوسرے طبقوں سے ایسی ہی مخبری کی توقعات حکماً کی جاتی تھیں اور محاسبے کے بلیے ہاتھوں سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔ زیادہ گہرائی میں جائے بغیر ہی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مذہب کے ان اجارہ داروں کو اپنی اور عوام کی روحانی زندگی کی فکر سے زیادہ اپنے عیش و عشرت کی فکر اور دولت کی ہوس تھی۔ ورنہ بندے اور خدا کے درمیان معاملات میں کسی دوسرے کو زبردستی دخل اندازی کا کیا حق ہے؟ لیکن مسیحیت میں آگسٹائن جیسے برگزیدہ (SAINT) کلیسا کو راہ سجھاتے ہیں کہ جب "ہم" کہتے ہیں کہ یہ چیز (مسیحیت) اچھی ہے تو کسی کو اسے قبول کرنے سے انکار کی مجال کیوں ہو۔ لہٰذا "ہمارا" یہ حق ہے کہ بس چلنے پر اس "اچھائی" کو زبردستی سب کے گلے سے نیچے اُتار دیں یہ "ہم" کون ہیں؟ اور انہیں یہ اختیار اور سند کہاں سے ملی؟ ان سب باتوں کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ڈنڈے کے زور سے اور پراپیگنڈہ یہ کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ قارئین دیکھ چکے ہیں کہ اس پس منظر میں یورپ اور بعض دوسرے ممالک میں

ظلم وستم کی جو آندھیاں صدیوں تک مسلسل چلیں ان میں بہت سی مثالیں ایسی بھی ہیں کہ مُردوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ یوں بھی مسیحیت میں عوام کو بھیڑوں کے گلے اور پادری صاحبان کو گلہ بان یا گڈریے (SHEEP AND SHEPHERD) سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ یعنی ایک بے ضرر اور بے حقوق جانور کی مثل اور دوسرا اس کا مکمل مالک اور مختار - جو بلاخوف وخطر اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ اس کی اون اُتارے، کھال اُدھیڑ دے یا کسی بہانے جان بھی لے لے، کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ یہ صورتِ حال کم وبیش اٹھارہویں صدی تک باقی رہی۔ کیونکہ مارٹن لوتھر بھی سولہویں صدی میں پوپ کے خلاف بغاوت کرنے کے باوجود اختلاف کرنے والے مسیحیوں کی ایذا۔ رسانی کے حق میں تھا۔ مثلاً ایس چانڈلر (S.CHANDLER) اپنی کتاب "ایذا رسانی کی تاریخ" (HISTORY OF PERSECUTION) کے صفحہ ۲۸۷ پر لکھتے ہیں "ایذا رسانی کے بارے میں مارٹن لوتھر کا نظریہ یہ تھا کہ منحرفین کو ملک بدر (BANISH) کر دیا جائے۔ اور دوسری جگہ کہتے ہیں۔ انہیں طاقت سے زبردستی چپ کرایا جائے، خاص طور پر اس بات کے انکار سے کہ یسوع مسیح خدا ہے۔ ایک اور جگہ وہ اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے کہ منحرفین کو واقعی قتل تو نہیں کرنا چاہیئے۔ یہودیوں کے بارے میں وہ کہتا ہے۔ ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہیئے۔ ان کی عبادت گاہیں مسمار کر دینی چاہئیں اور ان کی انجیل اور تلوار ان سے چھین لینی چاہیئے"۔

سی آر این روتھ (C.R.N. ROUTH) اپنی کتاب "انہوں نے یورپ میں ایسا ہوتے دیکھا" (THEY SAW IT HAPPEN IN EUROPE) کے صفحہ نمبر ۲۵۲ پر لکھتی ہیں "شروع میں لوتھر انابا پٹسٹ (ANABAPTISTS) مسیحیوں کے بارے میں رواداری تھا۔ لیکن ۱۵۳۰ء میں اس بات سے متفق ہو گیا کہ انہیں قتل کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ ۱۵۳۶ء میں یہ پوچھے جانے پر کہ کیا مسیحی حکمران کو چاہیئے کہ وہ انا باپٹسٹ مسیحیوں (ANABAPTISTS) کو قتل کر دے؟ جواب میں دوسروں کے ساتھ اس نے بھی

"ہاں" کہہ کر دستخط کر دیئے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ یورپ بھر میں اس بدقسمت عیسائی فرقے کے لوگ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں قتل کئے گئے۔ اور جب کاشتکاروں (PEASANTS) نے حکمرانوں PRINCES کے ظلم، زبردستی اور لوٹ مار کے خلاف بغاوت کی تو لوتھر نے اپنا پورا وزن حکمرانوں کے پلڑے میں ڈال دیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ ان "قاتلوں اور چوروں" کے گروہوں کو کچل کے رکھ دیں۔ اس سلسلے میں اس نے ایک سخت پمفلٹ بھی مشتہر کیا۔ یہ تھے اختلاف کرنے والے (HERETICS) مسیحیوں پر ظلم روا رکھنے سے اتفاق کرنے کے بارے میں "مصلح" (REFORMER) مارٹن لوتھر کے خیالات۔

انجیل کے حصہ ۱ کرنتھیوں باب ۶ کے فقرہ ۳ اس طرح ہے کہ "کیا تم نہیں جانتے کہ ہم فرشتوں کا انصاف کریں گے۔ تو کیا ہم دینی معاملے فیصل نہ کریں؟" کس ڈھٹائی سے پہلے فرشتوں کو اور پھر اسی نسبت سے انسانوں کو پادری صاحبان نے اپنی عدالتوں کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنے کے حق کی سند اور جواز پیدا کیا ہے! اگر انجیل میں اپنی قسم کا صرف یہی فقرہ ہوتا تو شاید اس کے برعکس عذر خواہی کی گنجائش نکال لی جاتی۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ جنت اور دوزخ تک کی کنجیاں رکھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ جس کا عملی ثبوت صدیوں تک کثرت سے دیا جاتا رہا، تو اس کے مقابلے میں فرشتوں کے محاسبے کا دعویٰ اتنی بڑی بات معلوم نہیں ہوتی۔ بقول مؤرخ فلپ لمبورخ (PHILLIP LIMBORCH) ملزموں کے قول و فعل کے علاوہ سوچ اور نیت بھی ان کے خلاف فیصلوں کی بنیاد بنتی تھی۔

ہنری چارلس لی اپنی کتاب "قرونِ وسطیٰ کا محاسبہ" (HENRY CHARLES LEA-THE INQUISITION OF THE MIDDLE AGES.) کے صفحہ ۱ اور ۲ پر لکھتے ہیں کہ "لاٹ پادری (BISHOP) زیادہ تر اپنے حد سے بڑھے ہوئے دنیاوی کاموں میں ڈوبے رہتے تھے اور جب کبھی عام افواہ کی بنیاد پر کسی منحرف (HERETIC) کو پکڑا جاتا تھا تو اس کے بظاہر پکا مسیحی ہونے کے خلاف اس کے

اپنے منہ سے ثبوت اگلوانا مشکل تھا۔ اس لئے وقت کی بچت کے لئے بے گناہی کے امتحان کا طریقہ اپنایا جاتا تھا۔ کیوں کہ اس وقت تک اذیت کے استعمال کی باقاعدہ[۹] "قانونی" اجازت نہ تھی۔ جب کہ صلیبی جنگوں کی وجہ سے لوگوں کی معلومات میں وسعت آجانے کی وجہ سے انحراف پھیلتا جاتا تھا۔ ۱۱۵۷ء میں ریمس (REIMS) کی کونسل کے موقع پر منحرفین سے نمٹنے کے لئے امتحان (ORDEAL) کے طریقے کی ہدایت کی گئی۔ جس کی صورت یہ تھی کہ ملزم کو آگ میں ڈال دیا جائے اگر وہ بے گناہ ہو گا تو خدا اسے جلنے سے بچا لے گا، لیکن بعض قدرے "روشن خیال پادریوں کے نزدیک یہ طریقہ کلیتاً" صحیح نہیں تھا۔ مثلاً ایک غریب عورت پر کتھاری (CATHARI) ہونے کے الزام میں اسے بھوک سے مرنے کے لئے قید کیا گیا تھا جس پر اس نے پادری سے شکایت کی تو پادری نے گرم لوہے سے آزمانے کا حکم دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ جل گئی اور بعد میں قتل گاہ (STAKE) پر جلا دی گئی۔ ایک کٹر کیتھولک کو جس کے خلاف سوائے اس کی غریبی اور بیماری کے اور کوئی شہادت نہ تھی۔ اسے لاٹ پادریوں کے ایک گروہ نے اسی آزمائش میں سے گزرنے کو کہا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے بڑے پادری صاحبان اس بات کا ثبوت دیں کہ ایسا کرنا، خود خدا کو آزمانے جیسا گناہ کبیرہ تو نہ ہو گا؟ اس کے ضمیر کی اس نحیف سی آواز کا یہ جواب دیا گیا کہ بغیر کسی مزید غور کے اسے جلدی سے زندہ جلا دیا گیا۔ جاہل پادریوں کے لئے اس کے بغیر ایسے "ملزموں" کے فیصلے کرنا پریشانی کی بات تھی، جو اس مثال سے ظاہر ہوتی ہے۔ جب کہ ۱۱۷۰ء میں بسانکن (BESANGON) کے لاٹ پادری نے اپنے ایک پادری کو حکم دیا کہ وہ پیش کیئے جانے والے (ملزموں) کے بارے میں شیطان کی روح سے رجوع کر کے یہ معلوم کرے کہ وہ لوگ برگزیدہ ہیں یا منحرف (HERETIC) جس کے بعد پادریوں نے ان کے جسم پر بندھے ہوئے تعویذ اتار لیئے، اور یہ کہتے ہوئے انہیں آگ کے حوالے کر دیا کہ انہیں بتایا گیا ہے کہ یہ سب شیطان کے پیروکار ہیں۔

ولیم پریس کوٹ اپنی کتاب "فرڈی نینڈ اور ازابیلا کے دورِ حکومت کی تاریخ"

(WILLIAM H. PRESCOTT IN HISTORY OF THE REIGN OF FERDINEND AND ISABELLA".)

کے صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں کہ "قدیم احتساب کا عمل (ANCIENT INQUISITION) جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ جدید کی طرح ہی اپنے اندر عجیب ظالمانہ پہلو لئے ہوتا تھا۔ کارروائی کے اندر وہی ناقابلِ نفوذ اخفا، وہی پرفریب طریقِ الزامات، اسی طرح کے اذیت ناک عذاب کا استعمال اور "مجرموں" کو اسی طرح کی سزائیں (جس میں زندہ جلانا بھی شامل تھا) دی جاتی تھیں"۔ انگریزی اقتباس ملاحظہ ہو۔

THE ANCIENT INQUISITION AS IT IS TERMED. BORE THE SAME ODIOUS PECULIARITIES IN ITS LEADING FEATURES AS THE MODERN, THE SAME IMPENETRABLE SECRECY IN ITS PROCEEDINGS. THE SAME INSIDIOUS MODES OF ACCUSATION. A SIMILAR USE OF TORTURE, AND SIMILAR PENALTIES FOR THE OFFENDER.

اسی صفحہ پر لکھتے ہیں "تعصب کا عمل مسیحی مذہب کے رومن سلطنت میں جڑ پکڑتے ہی کارفرما نظر آتا ہے۔ لیکن ایک منظم طرزِ عمل کے طور پر اس نے پاپائے روم کے اختیار کے ساتھ زور پکڑا۔ کیونکہ پوپ جو اپنے آپ کو تمام مسیحی دنیا کی وفاداری کا حقدار سمجھتے تھے۔ کسی اختلاف (HERESY) کو اپنے خلاف غداری قرار دیتے تھے اور اس وجہ سے وہ تمام سزائیں دینے کا اختیار رکھتے تھے جو حکمران ایسے جرم (غداری) کی صورت میں دے سکتا تھا"

چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اپنی گوناگوں دنیاوی دلچسپیوں کی وجہ سے پادری بے حد مصروف رہتے تھے۔ اور دوسری طرف انحراف کی مثالیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ لہٰذا کثرتِ کار سے نمٹنے کے لئے پوپ اور لاٹ پادریوں کے دائرۂ اختیار

کے اندر ایک اور" متبرک محکمہ" (HOLY OFFICE) عدالتی نظام (HOLY INQUISITION) یا" متبرک احتسابی عدالت" کے نام سے کھول دیا گیا۔ چنانچہ پادری زنگینو (ZANGHINO) حدود کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں" کوئی شخص سود خور، کفر گو، اور زانی ہونے کے باوجود منحرف (HERETIC) نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس پر مستزاد یہ ہے کہ اگر وہ مقررہ اوقات پر گرجا نہیں جاتا، برکات وصول نہیں کرتا (اس کا مطلب برکات کی قیمت ادا کر کے وصول کرنا ہے)۔ روزے نہیں رکھتا، اور کلیسا کے" دوسرے احکامات" کی پابندی نہیں کرتا، تو مذہب کی توہین کا مرتکب اور مشتبہ منحرف (SUSPECTED HERETIC) ہونے کی وجہ سے محتسب (INQUISITION) کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔

انیسویں صدی عیسوی کی دنیائے عیسائیت کی معتبر شخصیت جیا سنڈ اچیلی جو کیتھولک" حکومت" (HIERARCHY) میں پوپ کے بعد دوسرے درجے کا عہدیدار تھا۔ کی کتاب" پاپائے روم کے احتساب اور اس کے پادریوں اور حواریوں کے بارے میں اہم انکشاف" میں سے بعض اور اقتباس ملاحظہ ہوں۔

صفحہ ۵ تا ۵۴" روم کا کلیسا جو شیطان کا کلیسا بن چکا ہے۔ مسلسل اس بات کی ڈینگ مارتا ہے کہ وہی حضرت عیسٰیؑ کا واحد کلیسا ہے اور اپنے لیے عالمگیر اور حواریوں کے وارث کا لقب اختیار کرتا ہے اور اپنی پرانی جھوٹ بولنے کی عادت کے مطابق دنیا پر زور دیتا ہے کہ روم کے رہنے والے (یعنی کلیسا سے متعلق لوگ اس کے عقائد میں اس قدر جذب ہو چکے تھے، اور اس کی رسوم کے ایسے عادی تھے کہ رومن کی اصطلاح کا مطلب پاپائیت سمجھنا چاہیئے اور اس جھوٹ کا بھانڈا پھوٹنے کی پیش بندی کے طور پر ناپاک عدالتیں قائم کی ہیں جن میں رومنوں (یعنی پادریوں) کو سکھایا جاتا تھا کہ روم کے نقطۂ نظر کے فروغ میں انسانی دلیل یا خدائی اثرات کو حائل نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ اور اگر وہ ان کے بتائے ہوئے نظام کے وفادار ہیں تو نہ صرف ان کے ہر قسم کے گناہ

معاف ہیں بلکہ انہیں عیش و عشرت کی زندگی گزارنے سے بھی نہیں روکا جائے گا۔ لیکن اگر وہ پادریوں کے اس طبقے کے خلاف کسی رائے کا اظہار کریں گے تو ان کے سروں پر بددعاؤں کی بوچھاڑ کر دی جائے گی۔ انہیں قید میں ڈال دیا جائے گا۔ اذیتیں دی جائیں گی، بلکہ قتل تک کر دیا جائے گا اور ان کے خاندانوں کو غربت اور جلاوطنی کی نذر کر دیا جائے گا۔ اور ان کے نام بدنامی اور لعنت سے لاد دیتے جائیں گے۔"

"احتسابی عدالتیں (INQUISITION) سچ مچ ان پادریوں کی ایجاد کردہ دوزخ ہیں۔ جس آگ کو بے نقاب کر کے ختم کرنا میری اپنی قید کے بیان سے مطلوب ہے۔ ہیں نے پوپ کے مذہب (رومن کیتھولک) کے خاتمے کے لئے عبادت میں اضافہ کر دیا۔ جو اخلاقی غلامی کی بہت فاسد اور بگڑی ہوئی ایسی تنظیم ہے کہ انسان کی اختراع و ایجاد کی اپنی مثال آپ ہے۔ آیئے ہم دعا کریں کہ یسوع مسیح کا پاک نام جو لوگوں کے ایک طبقے (کیتھولک پوپ اور پادریوں) نے غلط استعمال اور غصب کر رکھا ہے وہ اسے مزید باطل اور ناپاک نہ کریں۔ یہ حقیقت ہے کہ پاپائیت اور قرونِ وسطےٰ سے لے کر یعنی عروج پکڑتے ہی یکساں وحشی و ظالم رہی ہے۔ مثلاً گریگری ہشتم، پال چہارم، پائیس پنجم کے وقت ظالم ٹھنڈی اور بے حس تھی۔ اور ہمیشہ اپنا رشتہ حکمرانوں سے جوڑنے کی کوشش میں رہی۔ پاپائیت کی روح اور اصول ہمیشہ سے ایک ہی رہے۔ اس لیئے (میری کوشش، پاپائیت پر سے پردہ اُٹھا کر اسے ظاہر کرنے کی ہے۔ جیسا کہ یہ آجکل (انیسویں صدی کے وسط) میں بھی ہے رومن کیتھولک پادری اس قدر ڈھیٹ ہیں کہ دنیا بھر کی شکایات اور احتجاج کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا کہ وہ اپنا طرزِ عمل بدل لیں یا شرم محسوس کریں۔ وہ طویل عرصے سے جور و ظلم کے اس قدر عادی ہیں کہ شرم و حیا۔ کی اہلیت سے محروم ہو چکے ہیں۔ یہ ان کی بُری خصلت ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے فرائض سے مسلسل اغماض اور دوسروں کے حقوق پر مستقل حملوں سے اپنے ضمیر کی ذراسی کسک بھی محسوس نہیں کرتے۔ ہمیں چاہیئے

کہ ہم آئندہ نسلوں کے لئے مذہب کے ضمن میں آج کل ہونے والے واقعات کا ریکارڈ چھوڑ جائیں۔ پوپ اگر میرا اپنا بھائی ہوتا تو اس کے کمینہ پن کی وجہ سے میں اسے کمینہ ہی کہتا۔ میں یہ ثابت کروں گا، ورنہ میں خود مجرم ہوں گا۔ لیکن اگر میں اپنا دعویٰ سچا ثابت کروں تو میں یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں گا کہ پوپ اور اس پیروؤں کو جھوٹے اور ملعون قرار دیا جائے میری طرح کے اور کتنے ہی ہیں جنہوں نے ان برائیوں کو تھوڑی کر کے ظاہر کرنے کی کوشش کی اور اپنی جانیں قربان کر بیٹھے۔ قبل اس کے کہ وہ مکمل طور پر نقاب اُٹھاتے۔ میرا ایسی زمانہ سازی کا کوئی ارادہ نہیں۔ میں بغیر کسی تحفظ کے، بیک وقت بغیر کسی لگی لپٹی کے مکمل طور پہ ظاہر کروں گا۔ نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے۔ میری قید کی کہانی احتسابی (INQUISITION) عدالتوں کی تاریخ میں ایک نئے پہلو کا اضافہ کرے گی۔ سینکڑوں میری تقدیر کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ میں نے اس یقینِ کامل کے ساتھ ان کی گمراہ کن تنظیم (مذہب) سے توبہ کر لی تھی کیونکہ وہ جھوٹا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ میں نے دس برس تک ان کے مذہب کا، رات دن مطالعہ کیا ہے۔ مجھ پہ الزام لگانے والے ایک کارڈینل نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ذاتی طور پر مجھے پادری (FATHER) اچھیلی کے خلاف کوئی شکایت نہیں لیکن، پوپ کی طرف سے مجھے کہا گیا ہے کہ عقیدے کے بارے میں متذبذب ہونے کی وجہ سے وہ اسے ایک خطرناک شخص سمجھتا ہے۔ بہتر ہو گا کہ ہم اسے (ہم خیال) دوست بنالیں یا پھر (تنزلی کر کے) اُسے بشپ بنا دیں یا احتسابی (INQUISITION) جیل میں بند کر دیں۔ وہ اس بات کے مبلغ (دعویدار) ہیں کہ قطع تعلق یا حقہ پانی بند کرنے اور گناہ معاف کرنے (EX-COMMUNICATION AND ABSOLUTION) کے اختیارات یسوع مسیح نے پطرس (ST.PETER) کو دیئے تھے۔ جو اب اس کے وارث یعنی پاپائے روم کو حاصل ہیں۔ میرے خیال میں (خدا نے) حضرت مسیح کا جسم کھائے جانے کے لیئے نہیں بنایا تھا نہ ہی ان کا خون پیئے جانے کے لیئے بنا تھا۔ بلکہ

ان کا وجود صرف ایک بار قربان کئے جانے کے لیئے بنا تھا۔

چنانچہ بغیر کسی شک و شبہے کے سینٹ تھامس ایکوی ناس (ST. THOMAS. ACQUINAS) کے مقرر کردہ عقیدے یعنی کفارے کی قربانی، برکات کی تعداد تعویزوں (INDULGENCES) کی وقعت، عالم برزخ کے عذاب جیسے مقررہ عقائد کی بار بار خلاف ورزی کرنے کا ملزم ٹھہرایا گیا۔ الزام کی نسبت سے میں ہر لحاظ سے منحرف (HERETIC) تھا۔ اس لیئے از بس زندہ جلائے جانے کا مستوجب تھا۔

وہ ظلم کے مبلغ سینٹ ایکوی ناس کو بڑا اونچا مقام دیتے اور اس پر صفات و کرامات کی بارش کرتے تھے کہ وہ فرشتہ صفت، عقل کی علامت اور اپنے سینے میں چمکتا سورج اور کانوں میں فاختہ لئے تھا۔ جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ روح القدس لسے سچائی کی بشارت دیتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ مذہب کا بگاڑنا، جو زندگی اور روح کا سرچشمہ ہے جعلی سکہ سازی سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ جس کا ارتکاب جسم کی راحت کے لیئے کیا جاتا ہے لہٰذا اگر جعلسازوں اور دوسرے جرائم پیشہ لوگوں کو سول حکومت کی طرف سے جائز طور پر موت کی سزا دی جاتی ہے تو اس سے کہیں زیادہ سزا کے مستحق منحرفین (HERETICS) ہیں جن سے نہ صرف قطع تعلق کر لینا چاہیئے بلکہ جائز طور پر انہیں موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیئے۔ مثلاً قارئین اگر آپ اس بات پر شک کا اظہار کریں، کہ ان پر چند لفظ پڑھ دینے سے روٹی اور شراب واقعی یسوع مسیح کا گوشت اور خون بن جاتے ہیں، تو کلیسا روم کے احکامات کے مطابق "عزت مآب" محتسب (INQUISITOR) کا فرض ہے کہ آپ کو پکڑ کر خدا کی عظمت کی خاطر موت کے گھاٹ اتار دے۔ کارڈینل اچیلی مزید کہتے ہیں کہ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ بہت سے بشپ اور کارڈینل میری عزت کرتے تھے اور پوپ گریگری چہار دہم اور اس سے پہلے لیو دوازدہم مجھ پر بہت مہربان تھے۔ اور انہوں نے ۱۸۲۷ء میں "متبرک محل" (HOLY PALACE) میں مجھے ڈپٹی ماسٹر کے عہدے کی پیشکش

کی تھی۔

وہ کہتے ہیں" جیسے ہی مجھے اپنی (پادری کی) تعلیم کی دھوکہ بازی کا احساس ہوا، تو میں رنج اور غصّے سے بھر گیا۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ میں خود کلیسا کے جھوٹے عقائد کی تبلیغ کا خطا کار تھا تاہم میں نے اپنے (مخالفانہ) خیالات کو اپنے سینے میں چھپا رکھا تا وقتیکہ ۱۸۴۲ء میں کارفو (CORFU) میں موقع پاتے ہی میں نے بغاوت کر دی۔ جب کہ مجھ پر برگزیدوں (SAINTS) کی عبادت کرنے کے خلاف بولنے کا الزام لگایا گیا۔ لیکن یہ کوئی سیدھی سادھی بات نہ تھی جو دنیا کی عام عدالتوں کا طریق کار ہے کہ ملزم کو بتایا جاتا ہے کہ اس نے فلاں فلاں گواہوں کی موجودگی میں فلاں مقام پر فلاں جرم کا ارتکاب کیا۔ لیکن پاپائی احتساب کی عدالتوں کے انوکھے طریق کار کے مطابق مجھے اس مکان اور اس کے گرد و پیش کے دوسرے مکانات کی تفصیلات بتانے اور ان کے مکینوں کے بارے میں بتانے کو کہا گیا اور متعلقہ الزام کو بہت سی دوسری غیر متعلقہ باتوں کے ساتھ خلط ملط کر کے سوالات پوچھے گئے۔ تاکہ مجھے غلط فہمی اور گمراہی میں مبتلا کر کے گواہوں اور اس فردِ جرم کے بارے میں لاعلمی میں رکھا جائے جس کا مجھ پر الزام لگایا گیا تھا (روم کے قریب والی ٹربو (VITERBO) نامی مشہور مقام کا رہنے والا عزت مآب کارڈینل جیاسنٹو اچیلی خوش قسمت تھا کہ وہ ایسے مقام اور لوگوں کے درمیان کا پروردہ تھا۔ جہاں رومن کیتھولک مذہب کی اہم شخصیتیں رہا کرتی تھیں۔ اور وقتاً فوقتاً پوپ کا چناؤ کرنے والی مجالس (CONCLAVES) جیسی اہمیت کے حامل فیصلے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ یہی اونچے درجے کے تعلقات اس کے احتسابی عدالت کے جیل سے فرار میں ممد ہوئے اور وہ بھاگ کر انگلستان جا پہنچا۔ جو ان دنوں ایسی ظالمانہ عدالتوں کی دستبرد سے باہر تھا اور مندرجہ بالا باطل شکن کتاب کی تصنیف کا باعث بنا)

سول حکومت اگر کلیسا کی اتحادی تھی، تو کلیسا سول حکومت کا دست و بازو تھا۔

تو پھر ڈر کس بات کا ظلم کا ریکارڈ بھی لبرو نیکرو (LIBRO NECRO) یعنی "کالی کتاب" میں رکھا جاتا تھا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ کتاب کالی جلد کی وجہ سے کالی کہلاتی تھی۔ جب کہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ سیاہ کارناموں کی وجہ سے کالی کے نام سے موسوم کی جاتی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یونانی زبان میں اس کا مطلب "مُردوں کی کتاب" (BOOK OF DEAD) ہے جو شائد زیادہ موزوں ہے۔ اس میں تمام ممکنہ جرائم اور سزاؤں کا ضابطہ کارروائی (TRIAL) کا طریقہ، جرم کا اقبال کرانے کے طریقے اور ملزم حاصل کرنے کے طریقے درج ہیں"۔

کارڈینل اچھیلی کہتے ہیں "ایک دفعہ یہ کتاب میرے ہاتھ آئی تو میں نے اس میں بعض دنگ کر دینے والی باتیں دیکھیں۔ مثلاً بٹ مورڈاچیا کا ذکر ہے، جو لکڑی اور لوہے کے بنے دو سلنڈروں کے اذیت دینے والے آلے کا نام ہے جس کے درمیان ملزم کی زبان کو دے کر دبایا جاتا تھا۔ خیال یہ تھا کہ اس کی شدید تکلیف سے ملزم جلدی اپنے جرم کا اقبال کر لیتا ہے۔ بعض اوقات زبان اتنی سوج جاتی تھی کہ ملزم سانس گھٹنے سے مر جاتا تھا عام طور پر یہ اذیت ان ملزموں کو دی جاتی تھی جن پر خدا (یسوع مسیح) کنواری مریم، برگزیدوں یا پوپ کی توہین (BALASPHEMY) کا الزام ہوتا تھا۔ کیونکہ پوپ خواہ کیسا بھی ہو اسے حقیر سمجھنا خود خدا کے خلاف کفر بولنے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

انیسویں صدی کے وسط تک اذیت دینے کے لئے طرح طرح کے آلات کا استعمال ہوتا تھا۔ اور اس بات کا ذکر شائد بے سود نہ ہو کہ پوپ گریگری شانزدہم XVI کے زمانے میں ایسے آلات کی نمائش اٹلی کے علاقہ رومانہ (ROMAGNA) میں ہوئی۔ اس کے علاوہ محاسب جج انکرانی (INQUISITOR ANCARAMI) نے علاقہ امبیریا (UMBRIA) اور سٹیفینلی (STEFANELLI) نے سالوا (SALVA) وغیرہ میں ایسی ہی نمائشیں لگائیں۔ اس بارے میں موجودہ پوپ کے بھتیجے کارڈینل فریٹی

(CARDINAL FERETTI) کے ذوق وشوق کا ذکر مناسب ہو گا۔ جو اس نے اپنے ریٹی اور فرمو (RIETI AND FERMO) کا بشپ ہونے کے زمانے میں کثرت سے ظلم کے آلات استعمال کرنے میں دکھایا تھا۔

ایک جگہ اچھیلی لکھتے ہیں "اس وقت ہم انیسویں صدی کے نصف میں ہیں اور اب بھی احتساب کا محکمہ (INQUISITION) واقعی عملاً موجود ہے۔ یہ ننگِ انسانیت جس کی تمام تاریخ ان ظالمانہ جرائم کا انبار ہے جو کلیسائے روم کے پادریوں نے خدا اور اس کے مسیح کے نام پر کیئے اور جس کا جانشین اور نمائندہ ہونے کا دعویدار پوپ ہے جو اس قابلِ نفرت تنظیم "احتساب" (INQUISITION) کا سرگروہ ہے، جو اب بھی روم اور رومن ریاستوں کے اندر موجود ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ برطانیہ عظمٰی کے اندر بعض رومن کیتھولک پادریوں نے میری جیل سے رہائی کے موقعے پر تمام اہم شہروں میں منائی جانے والی خوشی کے وقت یہ افواہ پھیلانے کی ناکام گھٹیا کوشش کی کہ مجھے تو کبھی قید میں ڈالا ہی نہیں گیا تھا اور کہ اس وقت روم میں ایسی کوئی احتسابی تنظیم موجود نہیں۔ ان کی مثال تو ایسے ہے جیسے روزِ روشن میں کوئی کہے کہ سورج کا تو کوئی وجود ہی نہیں"۔

"اپریل کے مہینے میں جب میں ڈبلن میں تھا تو لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے میرے حق میں ہونے والے اجتماعات میں حصہ لیا۔ تاکہ وہ مجھے دیکھ اور سُن کر اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کریں۔ اس موقع پر وہاں موجود کیتھولک پادری بہت برافروختہ تھے۔ اور دوسرا کوئی طریقہ نہ سوجھنے پر ان کے دماغوں نے یہ اختراع گھڑ کر پھیلائی کہ اصلی اچھیلی نہیں ہوں جسے جیل میں ڈالا گیا تھا۔ بلکہ کوئی اور دھوکے باز ہوں اور محض اس کا نام استعمال کر رہا ہوں۔ چونکہ میرے لیئے اپنی شناخت کرانا آسان تھا اس لئے ان کی یہ سفلی حرکت کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی طرح اگر کوئی روم میں احتساب کے ہونے کا انکار کرے، تو اسے تضحیک کے ساتھ فوراً رد کیا جا سکتا ہے اور اگر میں روم میں اس کا ہونا ثابت کر دوں تو

کوئی روم کے کلیسا کے اس کی اجازت دینے کے طرزِ عمل کو حق بجانب قرار دینے کی جرأت کر سکتا ہے ؟

مزید میں اس قابلِ ذکر لکھنے والی کی ڈھٹائی کے بارے میں کیا سمجھوں۔ جس نے کچھ ہی عرصہ پہلے ۱۸۵۰ء کے "ڈبلن ریویو" (DUBLIN REVIEW) میں احتساب (INQUISITION) کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس کا مقصد دنیا پر یہ ثابت کرنا تھا کہ بالآخر یہ احتساب جس کے بارے میں ناحق اتنا شور مچایا جا رہا تھا کے اندر سوائے اس کے اور کچھ نہیں، جس کی کہ دیانت داری سے اس وقت کے بگڑے ہوئے معاشرے اور مذہب کی خاطر ضرورت ہے۔ مضمون میں مزید کہا گیا کہ دنیا کا ہر مذہب متعصب INTOLERANT رہا ہے ۔ اور ہمارے بارے میں آج جسے تعصب کہا جا رہا ہے یہودی مذہب کی روح میں داخل ہوا تھا۔ تحقیق پر فاضل مضمون نگار ایک کارڈینل نکلا۔ اور وہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ ایک انگریز۔ جس نے پڑھنے والوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ خود خدا نے' جو یہودی مذہب کا بانی ہے تعصب کے خد و خال مقرر کیئے تھے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ تمام دنیا پانچ بڑے مذاہب' یونانی' رومن' مصری' فارسی اور ہندوستانی پر مشتمل ہے۔ جن میں سے کوئی ایک بھی تعصب کے الزام سے خالی ہونے کا دعوی نہیں کر سکتا (نوٹ :- مسیحیت کے کارڈینل جیسے اونچے ستون کی مذاہب عالم کے بارے میں معلومات قابلِ غور ہیں ! جن سے مسیحیوں کو یا تو قصداً بے بہرہ رکھا جاتا تھا' یا جان بوجھ کر ایسا تاثر دینا مقصود معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سب مذاہب بے وقعت اور کسی غور یا معلومات رکھنے کے مستحق نہیں۔ کیونکہ قابلِ ذکر حد تک غیر اہم ہیں) بہرحال مذاہب کے ذکر سے کارڈینل مذکور کا مطلب یہ تاثر دینے کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مسیحیت متعصب (INTOLERANT) ہے۔ کیوں کہ دوسرے مذاہب بھی تو متعصب ہیں مضمون نگار کے مطابق مذکورہ مذاہب کی طرح مسیحیت کم و بیش ہمیشہ سے متعصب

تھی۔ جہاں تک پاپائیت کا تعلق ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ عملاً کبھی کم کبھی زیادہ متعصب رہی ہے لیکن قولاً وہ ہمیشہ متعصب (INTOLERANT) رہی ہے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے کارڈینل جیاسنٹو اچیلی کی محولہ بالا کتاب سے بعض اوپر دیئے گئے اقتباسات کا انگریزی متن اس طرح ہے۔

PAGE 5.6" THE CHURCH OF ROME WHICH HAS BECOME THE CHURCH OF SATAN. INC ESSANTLY BOAST ITSELF AS SOLE CHURCH OF CHRIST, UNDER THE TITLE OF CATHOLIC AND APOSTOLIC AND ACCORDING TO ITS OLD PRACTICE OF LYING. IT HAS ENDEAVOURED TO PERSUADE THE WORLD THAT, WE THE PEOPLE OF ROME ARE SO PENETRATED BY ITS DOCTORINES AND SO ATTACHED TO ITS RITES, THAT DENOMINATION "ROMAN" MAY BE CONSIDERED SYNONYMOUS WITH THAT OF "PAPIST" AND IN ORDER **THAT IT NAY NOT** BELIE ITSELF, IT HAS ESTABLISHED A SACRILIGIOUS TRIBUNAL, WHEREIN THE ROMANS ARE TAUGHT THAT NEITHER HUMAN REASON NOR DIVINE AUTHORITY OUGHT TO STAND IN THEIR WAY OF PROMOTING ITS VIEWS, AND THAT, IF THEY ARE BUT FAITHFUL TO THE SYSTEM.(THE SYSTEM) IT HAS FRAMED, ALL IMAGINABLE SINS ARE PARDONED THEM, NOR WILL THE LIFE OF PLEASURE BE WITHHELD, BUT ON THE CONTRARY, IF THEY EXPRESS AN OPINION ADVERSE TO THIS PRIESTLY SECT, EVERY SPECIES OF MALEDICTION WILL BE SHOWERED ON THEIR HEADS, THEY WILL BE IMPRISONED PERSECUTED AND EVEN PUT TO DEATH, THEIR FAMILIES CONSIGNED TO

WANT OR EXILE, AND THEIR VERY NAMES WILL BE LOADED WITH INFAMY AND HELD IN EXECRATION.

P.7. THE INQUISITION IS TRULY A HELL INVENTED BY PRIESTS. TO UNMASK AND TO DESTROY THEIR INFERNAL WORK IS THEN THE MAIN OBJECT, I HAVE BEFORE ME, IN WRITING THIS ACCOUNT OF MY IMPRISONMENT.

P.9. I ADDED APRAYER FOR THE OVERTHROW OF THE POPISH (R.C) RELIGION. THE MOST PERNICIOUS AND CORRUPT SYSTEM OF MORAL SLAVERY THAT HAS EVER BEEN INVENTED BY INGENUITY OF MAN.

P.10. LET US PRAY THAT THE HOLY NAME OF JESUS CHRIST MAY BE NO LONGER PROFANED AND BLASPHEMED BY A CLASS OF PEOPLE WHO HAVE UNWORTHILY USURPED IT, AND AS IT WERE, SLOLEY TO ABUSE IT.

P.14-15. IT IS A FACT, THEN THAT POPERY IS ALWAYS THE SAME BARBAROUS, AS IN MIDDLE AGES, IN WHICH IT TOOK ITS RISE, FEROCIOUS AS IN THE TIME OF GREGORY THE VIII, PAUL IV, PIOUS V, STOLID, AS SINCE THE RESTORATION IN 1815, ALWAYS SEEKING TO CONNECT ITSELF WITH KINGS.

P.17. SO HABITUATED ARE THE R.C. CLERGY TO ACT IN THIS MANNER, THAT THE COMPLAINTS AND REMONSTRANCES OF THE WHOLE WORLD HAVE NO INFLUENCE

WHATEVER UPON THEM, EITHER IN CHANGING THEIR CONDUCT, OR IN RENDERING THEM ASHAMED OF IT. SO MANY YEARS HAVE THEY PRACTICED THEIR INEQUITY, THAT, THEY HAVE LOST THE POWER OF BLUSHING, AND SUCH IS THE EVIL CONSEQUENCE OF THEIR HABITS, THAT THEY NO LONGER FEEL THE LEAST PANG OF CONSCIENCE, EITHER AT CONTINUAL NEGLECT OF THEIR OWN DUTIES, OR THEIR PERPETUAL INVASION OF THE RIGHTS OF OTHERS.

P.21. IT IS FOR US TO TRANSMIT TO POSTERITY THE RECORD OF WHAT HAS PASSED IN OUR OWN TIMES. I CALL HIM (POPE) THE BASE WHO COMMITS A BASE ACTION, WERE HE M Y OWN BROTHER.

P.23. I MUST PROVE IT OR I AM MUSELF THE CULPRIT. BUT SHOULD I ESTABLISH THE TRUTH OF MY ASSERTION, I HAVE THEN RIGHT TO DEMAND THAT THE POPES AND THEIR ADHERENTS SHOULD BE STIGMATISED AS FALSE, ACCORDINGLY.

P.24. HOW MANY OTHERS, THROUGH DECLARING IT LITTLE BY LITTLE HAVE HAD THEIR LIVES SACRIFICED BEFORE THEY HAD CONCLUDED. NO SUCH TEMPORISING WILL BE MINE, I AM RESOLVED TO DECLARE IT ENTIRELY, AT ONCE, AND WITHOUT RESERVE OR DISGUISE, WHATEVER MAY BE THE RESULT.

P.25. THE STORY OF MY IMPRISONMENT PRESENTS A NEW FEATURE IN THE ANN ALS OF INQUISITION.

HUNDREDS WERE INQUIRING AS TO MY FATE.

P.27. THEY KNEW THAT HE HAD ADJURED THEIR SYSTEM IN CONSEQUENCE OF A THROUGH CONVICTION OF ITS FALSITY. THEY KNEW FOR TEN YEARS, I HAD STUDIED THE SUBJECT NIGHT AND DAY.

P.36. THE OTHER CARDINAL WHO ACCUSED ME, EXPRESSED HIMSELF AS FOLLOWS. I HAVE NOTHING TO SAY AGAINST FATHER ACHHILLI MYSELF, BUT MY VICAR HAS TOLD ME THAT HE IS UNSTABLE IN FAITH, I THINK HIM DANGEROUS CHARACTER, IT WOULD BE BEST TO MAKE A FRIEND OF HIM OR WE MUST EITHER MAKE HIM A BISHOP OR SHUT HIM UP IN THE INQUISITION.

THEY PREACH. JESUS CONFERRED ON PETER THE KEYS BY WHICH IS UNDERSTOOD THE POWER OF EXCOMMUNICATION AND ABSOLUTION AND THAT POWER IS STILL POSSESSED BY HEIRS OF ST. PETER, THE POPES OF ROME.

P.42. HENCE THE PRECEPT OF EAT AND DRINK IF YOU EAT NOT OF THIS BREAD AND DRINK NOT OF THIS CUP, YE HAVE NO LIFE IN YOU. I UNDERSTAND THAT THE BODY OF CHRIST WAS NOT MADE TO BE EATEN. NOR HIS BLOOD TO BE DRUNK, THE NATURAL BODY OF CHRIST WAS OFFERED IN SACRIFICE ONCE ONLY.

P.44. DOUBTLESS THE OPPORTUNITY WAS NOT LOST OF ACCUSING ME OF FREQUENTLY CONTROVERTING THE DOCTORINES OF THOMAS AQUINAS RESPECTING THE PRETENDED PROPITIATORY SACRIFICE OF THE MASS, THE NUMBER OF SACRAMENTS, THE VALUE OF INDULGENCES, THE TORMENT OF PURGATORY AND OTHER SIMILAR DOCTORINES OF THAT TIME, HANDED DOWN TO US AS DOGMAS OF RELIGION.

P.45. ACCORDING TO THE ACCUSATIONS I WAS HERETIC IN EVERY SENSES OF THE WORD AND, RICHLY MERITED TO BE CONSIGNED TO FLAMES. THEY HOLD THOMA ACQUINAS THE PREACHER OF RELIGIOUS PERSECUTION IN HIGH ESTEEM, LAVISHING ON HIM EVERY PRAISE AND TITLE OF ANGEL, IN EAR TO INDICATE THE PRESENCE OF THE HOLY SPIRIT REVEALING TO HIM THE TRUTH.

P.48. MANY BISHOPS HAD REGARD FOR ME, SEVERAL CARDINALS AND POPE GREGORY XVI LOOKED UPON ME WITH A FAVOURABLE EYE AND RECOMMENDED ME TO THE GENERAL OF OUR ORDER AND HIS PREDECESSOR' LEO XII HAD OFFERED ME THE POST OF THE DEPUTY MASTER OF THE SACRED HOLY PALACE IN THE YEAR 1827.

P. 54. I WAS FULL OF WRATH AGAINST THE CHURCH OF PRIESTS EVER SINCE I HAVE BEEN AWARE OF THE DECEIT IN WHICH I HAVE BEEN EDUCATED, AND STILL MORE SO, ON ACCOUNT OF HAVING MYSELF

BEING INSTRUMENTAL IN PRAPOGATING ITS DOCTORINES AND HER ERRORS. THIS WRATH I HAVE BEEN HITHERTO OBLIGED TO RESTRAIN WITHIN MY OWN BREAST BUT, WHEN I ARRIVED IN CORFU IN THE YEAR 1842, I FOUND AN OPPORTUNITY FOR GIVING WAY TO IT, OF WHICH I QUICKLY AVAILED MYSELF.

WE ARE NOW IN THE MIDDLE OF THE NINETEENTH CENTURY, AND STILL THE INQUISITION IS ACTUALLY AND POTENTIALLY IN EXISTANCE. THIS DISGRACE TO HUMANITY, WHOSE ENTIRE HISTORY IS A MASS OF ATROCIOUS CRIMES, COMMITTED BY PRIESTS OF THE CHURCH OF ROME, IN THE NAME OF GOD AND OF HIS CHIST, WHOSE VICAR AND REPRESENTATIVE, THE POPE, THE HEAD OF INQUISITION, DECLARES HIMSELF TO BE. THIS ABOMINABLE INSTITUTION IS STILL IN EXISTENCE IN ROME AND ROMAN STATES. I HAVE HEARD OF SOME EVOWED OR CONCEALED PAPISTS BELONG TO GREAT BRITAIN, WHO, ON OCCASION OF THE PUBLIC DEMONSTERATIONS THAT TOOK PLACE IN THE PRINCIPAL CITIES OF THE KINGDOM, ON ACCOUNT OF MY LIBERATION, HAD THE BOLDNESS TO DENY THAT I HAD EVER BEEN IN-CARCERATED IN THE INQUISITION AT ALL, OR THAT SUCH AN ESTABLISHMENT EXISTED IN ROME AT THE PRESENT PERIOD. I SHALL NOT TAKE MY OWN TIME, OR THAT OF MY READERS, IN ARGUEING WITH THESE PERSONS, ANY MORE THAN I SHOULD WITH THOSE WHO MIGHT

DENY THAT IT WAS DAY WHEN THE SUN WAS IN ITS ZENITH.

IN THE MONTH OF APRIL LAST, DURING MY STAY IN DUBLIN , AN IMMENSE NUMBER OF PEOPLE, OF ALL RANKS AND CLASSES, ATTENDED THE MEETINGS THAT WERE HELD IN MY FAVOUR, TO EXPRESS THEIR JOY IN SEEING ME, AND THE SATISFACTION THEY EXPERIENCED IN HEARING ME. THE WHOLE BODY OF PPRIESTS WWERE CONSIDERABLY ANNOYED ON THE OCCA SION AND NOT KNOWING IN WHAT MANNER TO PUT A STOP TO THE PROCEEDINGS, SOME OF THEM TOOK IN TO THEIR HEADS TO SPREAD A REPORT THROUGH THE CITY, AFFIRMING THAT I WAS NOT THE INDENTICAL DR.ACHHILLI IMPRISONED BY THE INQUISITION, BUT AN IMPOSTER, WHO ASSUMED HIS NAME. THIS POOR INVENTION, HOWEVER, WAS NOT LIKELY TO SERVE THEM, SO IT WOULD HAVE BEEN EASY FOR ME TO PROVE MY IDENTITY. IN LIKE MANNER ANY ONE WHO SHOULD PERSIST IN DENYING THE PRESENT EXISTENCE OF INQUISITION IN ROME, WOULD SOON FIND HIS STATEMENT REFUTED AND HELD UP TO RIDICULE. AND THIS BEING GRANTED, CAN ANY ONE ATTEMPT TO JUSTIFY THE CONDUCT OF THE CHURCH OF ROME IN PERMITTING IT.

I DO NOT KNOW WHAT TO THINK OF THE IMPUDENCE

OF A CERTAIN WRITER, UNQUESTIONABLY NOT AN ORDINARY PERSONAGE, WHO A SHORT TIME AGO, PUBLISHED AN ARTICLE IN THE "DUBLIN REVIEW" OF JULY 1850, ENTITLED. THE INQUISITION, THE OBJECT OF WHICH WAS TO PERSUADE THE WORLD THAT AFTER ALL, THIS INQUISITION, RESPECTING WHICH SO MUCH UNJUST CLAMOUR HAD BEEN RAISED, CONTAINED NOTHING BUT, WHAT MIGHT HONESTLY BE CONSIDERED NECESSARY FOR THE PRESENT STATE OF SOCIETY AND THE INTERESTS OF THE RELIGION. EVERY RELIGION IT WAS STATED, HAD BEEN INTOLERANT. WHAT BY US, IN THE PRESENT DAY, IS DENOMINATED INTOLERENCE," ENTERED INTO THE VERY SPIRIT OF THE JEWISH RELIGION ".

P. 423. THE LEARNED WRITER, WHO BY THE WAY, WE VERIFLY BELIEVE TO BE AT THIS PRESENT TIME A CARDINAL, AND, TO HIS SAME, AN ENGLISHMAN, LEADS THE READER TO THE CONCLUSION THAT THE ALMIGHTY HIMSELF, THE TRUE FOUNDER OF THE JEWISH RELIGION, HAS COUNTANANCED INTOLERANCE. HE THEN PROCEEDS TO OBSERVE " OF THE FIVE GREAT RELIGIONS WHICH DIVIDED THE GENTILE WORLD, THE GREEK, THE ROMAN, THE EGYPTIAN, THE PERSIAN, THE INDIAN, THERE IS NOT ONE WHICH CAN CLAIM EXEMPTION FROM THE CHARGE". HIS INFERENCE THEREFORE, IS THAT IT IS NO WONDER THAT CHRISTIANITY ALSO IS IN SIMILAR STATE: AND THIS

INVOLVES THE FURTHER CONCLUSION THAT CHRISTIANITY ITSELF IN THIS RESPECT, IS A SYSTEM OF RELIGION SIMILAR TO THESE FIVE GREAT RELIGIOUS DOCTORINES HELD OUT TO US BY A CARDINAL ARCH BISHOP.

حقیقت یہ ہے کہ مسیحیت کے اجارہ دار اپنے پیروکاروں کو تمام دوسرے مذاہب کے متعلق معلومات سے جبراً الگ تھلگ رکھتے تھے، تاکہ موازنے کی صورت میں مسیحیت کی کمزور بنیادیں ظاہر ہو کر پادریوں کی حکمرانی کے لئے خطرے کا موجب نہ بنیں۔

تو قارئین یہ تھیں احتسابی INQUISITORIAL مذہبی عدالتیں جنہیں کلیسا کے ارباب حل و عقد نے کثرتِ کار کی وجہ سے ایک الگ ذیلی محکمے کے طور پر بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی سے لے کر تمام یورپ میں ان اختیارات کے ساتھ پھیلا دیا کہ وہ عام مسیحیوں کے ایمان کی پڑتال کیا کریں اور جہاں کہیں شک ہو تو متعلقہ مرد، عورت یا بچے کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال کر محاسبے کے عمل کی نذر کر دیا کریں۔ گرفتار کرنے والا عملہ (پولیس) کلیسا کا اپنا، قانون اپنا، جج اپنے، اذیت خانے (تھانے) اپنے، اذیت دینے کے لئے کلیسا کے ایجاد کردہ آلات اپنے، جیلیں اپنی، اسے کہتے ہیں وہی قاتل وہی شاہد وہی منصف ان حالات میں پناہ ملے تو کہاں؟ سول حکام اگر کوئی ہوں (کیونکہ اکثر سول کام بھی اہلِ کلیسا ہی کرتے تھے) کا تو صرف اتنا کام تھا کہ بوقتِ ضرورت اس "کارِ خیر" میں کلیسا کی بھرپور مدد کریں۔ جب کہ عملے کی کمی ڈومینکن (DOMINICAN) وغیرہ نام کی راہبوں کی تنظیم نے پوری کی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اپنے فکر اور عمل کے لحاظ سے یہ کوئی نیا اقدام نہ تھا۔ بلکہ بقول کسے صرف جال نیا اور زیادہ مؤثر تھا۔ انداز اور شکاری وہی پرانے تھے۔

احتسابی "عدالتوں" کا طریقِ کار

احتسابی عدالتوں" HOLY TRIBUNALS" کے پادری اور راہب وغیرہ

بڑے عہدیداروں کے علاوہ بہت سے نچلے درجے کے کارندے مثلاً پیامبر (MESSENGERS) خوفزدہ کرنے والے (APPARITORS) جاسوس (SPIES) اور غنڈے (BRAVOS) بھی ہوتے تھے جو محرم راز (FAMILIAR) کے عام نام سے جانے جاتے تھے۔ کلیسا کی ملازمت میں ہونے کی وجہ سے یہ بھی عام سول قانون سے مستثنےٰ ہوتے تھے۔ ان کے خوف اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں دیکھتے ہی اچھوں اچھوں کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔ پوپ کی طرف سے ان کے کام میں مزاحمت' انحراف (HERESY) کے مترادف سمجھی جاتی تھی۔ کلی اختیارات سے مسلح ہونے کی وجہ سے یہ اپنی طبع کے مطابق جہاں چاہیں دہشت گردی کا بازار گرم کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ تصور کرنا بعید از حقیقت نہیں کہ یہ بلاخوف وخطر عام لوگوں کو گرفتاری کا خوف دلا کر زبردستی رقوم اور دوسری مراعات حاصل کرتے تھے۔ کیونکہ احتسابی عدالتوں کے ہتھے چڑھ جانا پرلے درجے کی بدقسمتی کی بات ہوتی تھی۔ جس سے بچنے کے لیئے لوگ مجبوراً رشوت دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ان عدالتوں کو تمام کٹر عقیدہ آبادی اور پادریوں کی غیر مشروط امداد بھی حاصل ہوتی تھی۔ ہر ایک کا یہ فرض تھا کہ وہ ان کے علم میں آنے والے تمام منحرفین کے بارے میں اطلاع دیں۔ ورنہ ان پر ایسے لوگوں کی سرپرستی کرنے کا برابر کا پُرخطر الزام لگایا جاتا تھا۔

۱۲۴۶ء میں بیزئر کی کونسل (COUNCIL OF BEZIER) میں مقامی ہمہ گیر پولیس کا سسٹم پرانے مجلسی گواہوں (SYNODAL WITINESSES) کے نمونے پر تشکیل دیا گیا۔ جن کا کام گھروں کے اندر باہر خفیہ ٹھکانوں پر منحرفین کو ڈھونڈنا تھا۔ اس کے علاوہ وہ سزایافتہ لوگوں کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ حقیقت میں ملک کے تمام وسائل، چاہے وہ نجی ہوں یا سرکاری، اس "متبرک محکمے" (HOLY OFFICE) کے دائرۂ اختیار میں ہوتے تھے تا آنکہ انحراف (HERESY) کا نام و نشان مٹانے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ اس تنظیم (INQUISITION) کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ "برائے نام" تو سرا کئی ججوں کی مشاورت

سے دی جاتی تھی، لیکن بہت سی دوسری باتوں کی طرح محتسب اس ظاہر داری کو بھی حقارت سے نظر انداز کر دیا کرتا تھا اور مشکوک (مشکوک) ایمان والے کو عدالت میں لایا جاتا تھا۔

ہنری چارلس لی اپنی کتاب قرونِ وسطیٰ کا احتساب (HENRY CHARLES LEA IN INQUISITION OF MIDDLE AGES) کے صفحہ ۱۰۹-۱۰۷ میں ملزم اور محتسب کے درمیان مکالمہ محتسب کی زبانی اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب کوئی منحرف یا مشکوک ملزم میرے سامنے پہلے پہل لایا جاتا ہے۔ تو وہ اپنے اندر بے گناہی کی ہوا لئے ہوتا ہے۔

میں :۔ اس سے سوال کرتا ہوں۔ کیا اُسے معلوم ہے وہ کیوں میرے سامنے پیش کیا گیا ہے؟

ملزم : نہایت ادب سے مسکراتے ہوئے جواب دیتا ہے۔ جناب آپ فرمائیں؟

میں :۔ تم پر شرک یا منحرف ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔ اور یہ کہ تمہارا ایمان اور کلام وہ نہیں جو کلیسا سکھاتا ہے۔

ملزم :۔ آسمان کی طرف آنکھیں کر کے۔ خدایا تو جانتا ہے۔ کہ میں اس الزام کے بارے میں بے قصور ہوں اور کہ میں نے کبھی کلیسا کی تعلیم سے ہٹ کر سچی مسیحیت کے علاوہ اور کوئی عقیدہ نہیں رکھا۔

میں :۔ تو کیا تم اپنے عقیدے کو مسیحی اور ہمارے عقیدے کو غلط اور مشرکانہ کہتے ہو جبکہ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم نے کبھی کلیسا کی تعلیم کے علاوہ بھی کسی اور بات کی سچائی پر یقین کیا ہے۔

ملزم :۔ میرا عقیدہ وہی ہے جو کلیسا روم اپنی تعلیمات میں کھلم کھلا سکھاتا ہے۔

میں :۔ معلوم ہوتا ہے روم میں تمہارا کوئی اور فرقہ بھی ہے۔ کیونکہ تم کلیسا روم کی بات کرتے ہو۔

ملزم :۔ میں اُن سب باتوں پر یقین رکھتا ہوں جو کسی مسیحی کو رکھنا چاہیئے۔

میں :۔ میں اس ہیرا پھیری کو سمجھتا ہوں۔ سیدھی طرح بات کرو کیا تم باپ خدا۔ بیٹے خدا اور روح القدس پر یقین رکھتے ہو؟

ملزم : رکھتا ہوں۔

میں: کیا تم حضرت یسوع مسیح کا کنواری (مریم) سے پیدا ہونے۔ دکھ سہنے۔ مر کر جی اٹھنے اور آسمان پر اٹھائے جانے پر یقین رکھتے ہو؟

ملزم:۔ (بڑی تیزی اور جذبے سے) رکھتا ہوں۔

میں:۔ کیا تم یقین رکھتے ہو کہ عبادت کے دوران روٹی اور شراب ان پر مخصوص کلمات پڑھنے کے بعد واقعی یسوع مسیح کے گوشت اور خون میں بدل جاتے ہیں؟

ملزم: کیا مجھے اس پر ایمان نہیں رکھنا چاہیے؟

میں:۔ میں نے چاہیے نہیں پوچھا بلکہ یہ کہ تمہارا ایمان ہے کہ نہیں؟

ملزم:۔ میں ہر اس بات پر یقین رکھتا ہوں جو آپ اور دوسرے اچھے ماہر بتاتے ہیں۔

میں:۔ تو وہ اچھے ماہر تمہارے فرقے کے آقا ہیں۔ اگر میری تعلیم ان سے ملتی ہو تو یقین رکھتے ہو ورنہ نہیں۔

ملزم:۔ میں خوشی سے آپ کی تعلیم اگر میرے لئے اچھی ہو تو اس پر یقین رکھتا ہوں۔

میں:۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ میری تعلیم تمہارے آقاؤں کے مطابق ہو تو یقین کرتے ہو۔ بولو کیا ہمارے آقا یسوع مسیح کا وجود قربان گاہ (ALTER) میں موجود ہوتا ہے؟

ملزم (جلدی سے) ہوتا ہے۔

میں: میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہاں پر موجود وجود یسوع مسیح کا ہوتا ہے جو کنواری سے پیدا ہوا۔ صلیب پر چڑھایا گیا۔ مردوں میں جی اٹھا۔ اور آسمان پر اٹھایا گیا وغیرہ وغیرہ؟

ملزم:۔ جناب کیا آپ کا ایمان یہ نہیں۔؟

میں:۔ میرا اس پر مکمل ایمان ہے۔

ملزم:۔ اسی طرح میرا بھی ہے۔

میں:۔ میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ میرا عقیدہ کیا ہے کہ تم بتاؤ تمہارا کیا ہے؟

ملزم :- اگر آپ واضح اور صاف کے علاوہ کوئی اور مطلب نکالتے ہیں تو مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کیا کہنا چاہیئے ؟ میں سیدھا سادہ بے علم آدمی ہوں ۔ خدا کے لئے مجھے میری باتوں سے نہ پکڑیئے ۔

مَیں :- اگر تم سیدھے سادے ہو تو ٹال مٹول نہ کرو سیدھے جواب دو ۔

ملزم :- خوشی سے دوں گا ۔

مَیں :- کیا تم قسم کھاتے ہو کہ تمہیں کسی ایسی بات کا علم نہیں جو ہمارے عقیدے کے خلاف ہو جسے ہم سچا کہیئے ۔

ملزم :- (زرد رُو ہوتے ہوئے) اگر مجھے قسم کھانا چاہیئے تو میں قسم کھاؤں گا ۔

مَیں :- میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ تمہیں کیا کہنا چاہیئے بلکہ یہ کہ تم قسم کھاتے ہو ؟

ملزم :- اگر آپ مجھے حکم دیتے ہیں تو میں قسم کھاتا ہوں ۔

مَیں :- میں تم پر زور نہیں دیتا ۔ لیکن اگر تم قسم کھاؤ گے تو میں سُن لوں گا ۔

ملزم :- آپ کے حکم کے بغیر مجھے قسم کھانے کی ضرورت کیا ہے ؟

مَیں :- تاکہ تم منحرف ہونے کا شک دُور کرو ۔

ملزم :- جناب مجھے کچھ معلوم نہیں جب تک آپ مجھے سکھائیں نہیں ۔

مَیں :- اگر مجھے قسم کھانا پڑے تو میں اپنا ہاتھ اُٹھا کر اُنگلیاں پھیلا کر کہوں گا ۔ خدایا میری مدد کرو مجھے شرک (HERESY) کے بارے میں کچھ معلوم نہیں اور میں نے سچے عقیدے کے برعکس کوئی اور ایمان نہیں رکھتا ۔ جواب میں ملزم الفاظ دُہرانے میں ذرا سی لغزش پر کانپنے لگے گا اور کچھ سختی پر یہ کہہ دے گا ۔ جناب اگر مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہو تو میں توبہ کرتا ہوں ۔ میری مدد کیجئے ۔ مجھے بدنامی سے بچایئے ۔ میں بے قصور ہوں ۔ مجھ پر دشمنی سے الزام لگایا گیا ہے لیکن مضبوط محتسب ایسی باتوں کا کوئی اثر نہیں لے گا اور ایسے لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنی "غلطی" کا اقرار کریں ۔ اور کم از کم اعلانیہ اپنے

شرک سے توبہ کریں، تاکہ بعد میں پتہ چلنے پر کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی تھی بغیر کسی مزید شنوائی کے موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ قارئین یہ تو ایک ایسے ملزم کی محض کتابی مثال ہے جو کسی حد تک با اثر ہو۔ ورنہ تو گرفتاروں کی وجہ بتائے بغیر لامحدود عرصے کے لیئے "متبرک جیلوں" کی کال کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جاتا تھا، جو سرد اور اندھیری ہوتی تھیں۔ سونے کے لیئے قیدی کو صرف پرالی یا گھاس دی جاتی تھی، جسے غیر معین عرصے کے لیئے فقط روٹی اور پانی پر زندہ رکھا جاتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ "تفتیش" سے پہلے ہی قیدی کی قوت عزم کو ختم یا اس قدر کمزور کر دیا جائے کہ وہ جلدی سے اپنے "جرم" کا اقرار کرتے ہوئے توبہ اور معافی کا خواستگار ہو جائے ایسے طالبانِ معافی کو وقتاً فوقتاً گرجاؤں کے اندر عارضی طور پر بنائے گئے چبوترے پر سے جا کر عوام الناس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے پر محتسب (INQUISITOR) کی صوابدید کے مطابق کوئی سزا دی جاتی تھی۔ اقرارِ گناہ اور توبہ کی پاداش میں دی جانے والی سزا کو سزا نہیں بلکہ یہ کہا جاتا تھا کہ یہ تو "مجرم" کی گناہ آلود روح کی بہتری کے لیئے دوا کریں، تاکہ اس کے گناہ دُھل جائیں۔ چنانچہ قید کی صورت میں مفروضہ یہ تھا کہ توبہ کرنے والا رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو قید میں ڈال کر صرف پانی اور روٹی پر گزارہ کر کے کفارہ ادا کر رہا ہے۔ جیل توڑ کر دوسروں کی حدود میں چلے جانے والے کو واپس لانے کے احکام میں لکھا جاتا تھا کہ "فراری نے پاگل پن سے صحت مندی کی دوا کو رد کیا ہے۔ جو اس کے علاج کے لیئے دی گئی تھی اور کہ اس نے اپنے زخموں کو بھرنے والے تیل اور شراب (یعنی مرہم) سے گریز کیا ہے۔" مقابلتہً نرم سزاؤں میں "دعائیں پڑھنا" دُور دراز گرجاؤں کی زیارت کو جانا۔ نقد جرمانے ادا کرنا شامل تھا جو معمولی نوعیت کے منحرفین (HERETICS) کے اقبال اور توبہ کرنے پر دی جاتی تھیں۔ ذلیل کرنے والی سزاؤں میں لباس کے اوپر نارنجی رنگ کی صلیب پہننے کی اذیت ناک سزا تھی۔ جس کا کچھ ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مزید مندرجہ ذیل معلومات چارلس لی کی کتاب "قرونِ وسطےٰ کا احتساب" (CHARLSE LEA IN INQUISITION OF MIDDLE AGES)

سے ماخوذ ہیں۔ مجرم کے موٹے لباس پر چھاتی اور پشت دونوں طرف اڑھائی انگشت چوڑی نارنجی رنگ کی پٹی کی اڑھائی بالشت لمبی اور دو بالشت چوڑی صلیبیں ([illegible]USSES) سی دی جاتی تھیں۔ اگر مقدمے کی کارروائی کے دوران میں مجرم نے جھوٹ بولا ہو تو صلیب کے اوپر کی طرف ایک اور ترچھے بازو کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ اور اگر مجرم کی سزا ختم ہونے کے قریب ہو تو اوپر کے سرے پر ایک زائد بازو سی دیا جاتا تھا۔ سزا سے عارضی ضمانت یا رہائی پر مجرموں کے لباس پر ہتھوڑے کا نشان سی دیا جاتا تھا۔ جھوٹ بولنے والوں کے لباس پر سرخ زبانیں بھی سی جاتی تھیں۔ یہ بات محتسب کی مرضی پر منحصر تھی کہ وہ کونسی علامت کا حکم دیتا ہے۔ ایسی ذلالت اور ندامت کے لباس کو گھر کے اندر یا باہر کسی وقت جسم سے الگ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ سزا کے طوالت کے نتیجے میں اگر علامتیں گھس کر مدھم پڑ جائیں، تو ملزم کا فرض تھا کہ ان کی تجدید کرے۔

اس منظم اور ہمہ گیر احتسابی عمل کے شروع میں یہ سزا ایک سے لے کر سات آٹھ سال کے عرصے کے لئے دی جاتی تھی، لیکن بعد کے زمانے میں یہ حد بڑھا کر تمام عمر بھی کر دی جاتی تھی تاہم یہ محتسب کی صوابدید پر تھا کہ اگر وہ چاہے تو "اچھے چال چلن" کے عوض معاف کر دے۔ مثال کے طور پر ایک برنرڈ گوئی (BERNARD GUI) نامی محتسب نے اٹینیئے گوٹ (ETIENNE GOT) نامی شخص کی بیوی ریمونڈے (RAYMONDE) کو صلیبیں اتارنے کی اجازت دے دی تھی، جو چالیس سال سے یہ سزا بھگت رہی تھی۔

۱۲۲۹ء میں ناربونے (NARBONNE) کی کونسل میں یہ حکم دیا گیا کہ منحرف اپنی سابقہ غلطیوں سے توبہ کر کے رضا کارانہ طور پر اپنی آئندہ نیک چلنی کے ثبوت کے طور پر صلیبیں پہنا کریں اور بعد میں فرار یا نظر انداز کرنے والوں کے خلاف بے رحمی سے ناقابل برداشت سزائیں دینے کے عزم کا اعادہ کیا گیا، اور کہ جو پوری طرح عمل نہ کریں انہیں توبہ نہ کرنے والے جیل سے فراری تصور کرتے ہوئے سنگین سزا دی جائے۔ جس کا مطلب تھا

زندہ جلا دیا جائے۔

لی (LEA) اپنی کتاب کے صفحہ ۵۹ پر بطور نمونہ ایک صلیب پہننے والے مجرم کی سزا کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، تین اتوار شہر کے دروازے پر پیٹنے کے لئے ہاتھ میں ڈنڈا لئے کمر تک ننگا حاضر ہو۔ جہاں سے گرجا کے دروازے تک سر بازار پادری اُسے پیٹتے ہوئے لے کر جائے گا۔ سوائے چند تیوہاروں کے اسے ہمیشہ کے لئے گوشت، انڈے اور پنیر چھوڑنا ہوگا۔ سال میں دو مرتبہ چالیس چالیس دن کے لئے اسے مچھلی کھانے کی بھی ممانعت ہوگی۔ علاوہ ازیں ہر ہفتے کے تین دن مچھلی، شراب اور تیل استعمال نہیں کرے گا۔ خاص خاص عبادتیں کرے گا۔ باعصمت رہے گا اور ہر مہینے اپنے کاغذات بڑی توجہ سے نگرانی کرنے والے اپنے پادری کے سامنے پیش کرے گا زندگی کا یہ معمول اس وقت تک جاری رہے گا جب تک پادری (LEGATE) اس میں تبدیلی کرنا مناسب نہ سمجھے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو عوام سے بطور دوبارہ منحرف (RELAPSED HERETIC) کے الگ کر دیا جاتا تھا۔ اگرچہ صلیب پہننے کی سزا قید کے مقابلے میں نرم سمجھی جاتی تھی، لیکن اسے برداشت کرنا بڑا عذاب تھا۔ پادری پائیر اسیلا (PIERRA CELLA) یہ سزا تنگ کرنے کے لئے ایک سے پانچ سال تک کے لئے دیا کرتا تھا، جو بعد میں عام اور لامحدود کر دی گئی۔ یہ بدقسمت صلیب پہننے والا، ہر سامنے آنے والے کے طعن و تشنیع، تھوک اور نفرت کا نشانہ بنتا تھا اور اسے روزی کمانے کے لئے سخت مشکلات کا سامنا ہوتا تھا۔ بعض اوقات نقد جرمانے کی سزا دی جاتی تھی جو واضح لالچ کی وجہ سے وبائی شکل اختیار کر گئی اور صدیوں تک مقدس احتسابی محکمے (HOLY INQUISITION) کے اخراجات کے نام سے جاری رہی۔ اس کے علاوہ بعض دوسری سزاؤں کو نقد رقم کے عوض تبدیل کر دینے کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری رہا۔ اس لوٹ کھسوٹ کو یہ کہہ کر جائز قرار دیا گیا کہ یہ نیک مقاصد پر خرچ کرنے کے لئے ہے اور اس کا مستحق ان سے زیادہ اور

کون ہو سکتا ہے جو اس "نیک کام" میں لگے ہوئے ہیں۔ اس عذر اور آمدنی میں روم یعنی پوپ برابر کا شریک تھا۔ بظاہر تو جرمانوں کی رقوم گرجوں، پلوں، جیلوں اور خود "متبرک محکمے" پر خرچ کرنے کے لیے تھیں لیکن اکثر یہ دولت انہیں کے ذاتی تصرف میں آتی تھی جو اسے جبراً وصول کرنے کا اختیار بھی رکھتے تھے۔

مُردوں کو بھی سزائیں

یورپ بھر میں اس ظالم مسیحی تنظیم (INQUISITION) کے ہاتھوں قبروں کے اندر مُردے بھی محفوظ نہ تھے۔ خاص طور پر مرحوم اگر کچھ جائیداد چھوڑ گیا ہو تو اس کی زندگی کے دوران میں سرزد ہونے والی "غلطیوں" کے "گواہ" پیدا کر کے سب جائیداد ضبط کر لی جاتی تھی۔ مرحوم کی قبر کھدوا کر ہڈیاں جلا دی جاتی تھیں اور اگر اس کے مکان کی خود اس محکمے کو ضرورت نہ ہو تو اسے گرا کر گندگی ڈالنے کی جگہ (FILTH DEPOT) میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ اس بہیمانہ سزا کے نتیجے میں مرحوم کے معصوم وارثین عملاً بھکاری بنا دیئے جاتے تھے۔ یہ "نیکی کا نظام" ان بدقسمت لوگوں کو بھی معاف نہیں کرتا تھا جو سزا کے دوران میں مر جاتے تھے۔ مثال کے طور پر کارکسونے (CARCASSONE) کی عدالت نے ۱۳۲۹ء میں سات ایسے آدمیوں کی لاشیں جلا دینے کا حکم دیا جن کے متعلق یہ فیصلہ دیا گیا تھا کہ وہ انحراف کی حالت میں مرے تھے ان کا مال و اسباب ضبط کر کے ان کی اولاد کو حوادث کے حوالے کر دیا گیا۔

ہم عصر (CONTEMPORARY) دستور العمل میں درج ہے کہ ہر مرنے والے کے ایمان اور جائیداد کے بارے میں مناسب تسلی کر لی جایا کرے۔ مثال کے طور پر جین وڈل (JEAN VIDAL) نامی مجرم سزا پوری ہونے سے پہلے مر گیا۔ یہ ۲۱ مارچ ۱۲۵۲ء کی بات ہے کہ اس کے وارثین نے حلفیہ یقین دلایا کہ مرحوم کی کُل جائیداد کی قیمت ۲۰ لورس (LIVERS) سکہ رائج الوقت سے زیادہ نہیں، اور ضمانت

دی کہ اس کے بارے میں جو بھی حکم ہو گا۔ وہ تعمیل کریں گے۔ چند ماہ بعد اگست میں حکم ہوا کہ تمام جائیداد ضبط کر لی جائے۔ اسی طرح ریمونڈے باربیر (RAYMONDE BARBAIRA) نامی ایک عورت سزا کے دوران میں مر گئی۔ اس کی جائیداد کی فہرست میں بستر، کچھ پہننے کے کپڑے ایک صندوق، چند جانور اور بقدر چار ساؤ (SOUS) نقد رقم تھی۔ جو اس کے قریبی رشتہ داروں کے درمیان تقسیم ہوئی تھی۔ جس کے عوض محاسب نے چالیس ساؤ (SOUS) کا مطالبہ کیا۔ فوری ادائیگی کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے وارثین کو ضمانت دینا پڑی۔ یہ مارچ ۱۲۵۶ء کا واقعہ ہے۔ اس قسم کی سنگدلانہ مثالوں سے ہمیں مسیحی کلیسا کے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک مؤثر اور فعال رہنے والے اس بازو (HOLY INQUISITIONS) کی کارکردگی اور نیت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ نیز اس ظلم کی شدت کا پتہ ملتا ہے جو وہ بلا کسی خوف کے عوام پر کر سکتے تھے۔ توبہ قبول ہونے والے منحرف (HERETIC) کو اس بات کی نقد ضمانت دینا پڑتی تھی کہ وہ آئندہ منحرف نہیں ہو گا۔ درگزر کا معاوضہ سالانہ بھی وصول کیا جاتا تھا۔

ہینری چارلس لی (HENRY CHARLES LEA) اپنی محولہ بالا کتاب میں بکثرت مثالیں دیتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ پادری معمولی معمولی باتوں پر الزام لگا کر دولت اکٹھی کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ مثلاً ایک دفعہ ایک صاحب یہ کہنے پر دھر لیے گئے، کہ اُس کے پاس اتنی اچھی شراب ہے کہ اسے یسوع مسیح بھی پینا پسند کریں۔ یاد رہے کہ مسیحیت میں نہ صرف یہ کہ شراب پینا معیوب نہیں بلکہ یہ ایک اہم عبادت عشائے ربانی (EUCHARIST) کا حصہ بھی ہے۔

قیدیوں کے بارے میں محولا بالا کتاب کے صفحہ ۱۷۶ کا ایک اقتباس اس طرح ہے "کہ زندہ جلانے کا شکار ہونے والوں کی تعداد متقابلتاً کم تھی۔ جبکہ ہولناک کال کوٹھڑیوں میں اس قدر ہجوم تھا کہ اس پر مبالغہ آرائی تقریباً ناممکن تھی۔"

لیکن اس سے بھی زیادہ اشتعال انگیز اور بُرے اثرات پیدا کرنے والی وہ کڑی اور بے خواب نگرانی تھی (مراد کلیسا کا محکمہ احتساب) جو ہر وقت امیروں کو لوٹنے اور غریبوں کی خون پسینے کی کمائی کو جو اُن کے اہل خانہ کے لیئے مشکل کافی ہوتی تھی نچوڑنے کے لئے ہر وقت چوکس اور فعال رہتی تھی۔ انگریزی متن یہ ہے:

" THE STAKE CONSUMED COMPARATIVELY FEW VICTIMS WHILE THE HORRORS OF THE CROWDED DUNGEON CAN SCARCE BE EXAGGERATED, YET MORE EFFECTIVE FOR EVIL AND MORE WIDELY EXASPERATING WAS THE SLEEPLESS WATCH-FULNESS WHICH WAS EVER ON THE ALERT TO PLUNDER THE RICH AND TO WRENCH FROM THE POOR THE HARD EARNED GAINS ON WHICH A FAMILY DEPENDED FOR SUPPORT.

چونکہ "تطہیر" کی کارکردگی کی رپورٹ صرف پوپ کی خفیہ اطلاع کے لیئے ہوتی تھی۔ اس لیئے متعلقہ اہل کار اپنے آپ کو کسی محاسبے یا انکشاف کے خوف سے محفوظ سمجھتے تھے۔ نہ ہی انہیں آخرت کا خوف ہوتا تھا، کیونکہ بزعم خود ان کے "کام" کی نوعیت ہی ان کے ظاہر اور خفیہ گناہوں کی معافی کے لیئے کافی تھی۔ اس طرح وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے آپ کو ہر قسم کی پابندی سے قطعی آزاد سمجھتے تھے۔ گویا مذہب کے نام پر کیا جانے والا ہر ظلم مسیحی مذہب کے ان پیشواؤں کے نزدیک خدا کا پسندیدہ فعل تھا۔

قید

پوپ گریگری نہم کے ۱۲۲۹ء کے ایک عام حکم (BULL) کے مطابق جو شرک خوف

کی وجہ سے توبہ کریں انہیں جیل خانوں کی کال کوٹھڑیوں میں ڈال دیا جاتا تھا۔ تقریباً اسی وقت طولوس کے مقام پر ہونے والی پادریوں کی مجلس شوریٰ نے بھی یہی حکم جاری کیا اور بشپوں (BISHOPS) کو پابند کیا کہ ایسے تمام لوگوں کو ہمیشہ کے لئے قید رکھا جائے۔ ۱۲۴۴ء میں ناربونے کی مجلس میں طے ہوا کہ پوپ کے خاص تعویذ (SPECIAL INDULGENCE) کے بغیر مجرم "بیوی کے خاوند یا" مجرم "خاوند کی بیوی" یا دونوں کی اولاد یا بیماری یا ضعیف العمری کی وجہ سے کوئی نرمی نہ برتی جائے۔ قارئین کو شائد یہ بات یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ پوپ کے یہ تعویذ یا معافی نامے ایک بکنے والی چیز تھی، جس کی فروخت کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کیئے جاتے تھے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ قیدیوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ ان کے لیئے نئے جیل خانے بنانے کے لیئے رقم کہاں سے آئے بلکہ یہ کہ اتنی بڑی مقدار میں پتھر اور مصالحہ مہیا ہونا مشکل تھا۔ جبکہ "ضدی" اور مشکوک منحرف آگ کی نذر کردیئے جاتے تھے۔ قیدیوں کی خوراک میں صرف روٹی اور پانی دیا جاتا تھا اور علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں بند رکھا جاتا تھا۔ ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ زیادہ سخت پابندی کی صورت میں قیدی کو بہت ہی چھوٹی اور تاریک اور سخت بدبودار کوٹھڑی میں زنجیروں میں جکڑ کر دیوار کے ساتھ لٹکا دیا جاتا تھا۔ الغرض عذاب دینے کے گھناؤنے سے گھناؤنے طریقے اختیار کیئے جاتے تھے۔ یہ ظلم و تعدی کا طویل دور انیسویں صدی کے آغاز تک جاری رہا۔ مؤرخ فلپ لمبورخ (PHILLIP LIMBORCH) اپنی کتاب "محاسبے کی تاریخ" (HISTORY OF INQUISITION) کے صفحہ ۴۸۶ پر لکھتے ہیں کہ پہلے پہل رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس (THEODOSIUS) نے شرک (HERESY) کے واجب القتل جرم ہونے کا اعلان چوتھی صدی عیسوی میں کیا اور اس بے لگام اور وسیع ظلم کے تسلسل کی داستان بظاہر اسی کتاب کے صفحہ ۴۸۹ کے مطابق ۱۸۲۰ء میں مقدس کلیسا کے میڈرڈ (سپین) میں واقع ایک ایسے ہی جیل خانے کے دروازے کھولے جانے کے واقعے پر

ختم ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ جب رہا ہونے والے قیدیوں کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں مقید تھے اور ان کا جرم کیا تھا۔ ان میں سے ایک خوش قسمت کو دوسرے ہی دن زندہ جلایا جانا تھا۔ ۱۸۱۳ء میں جنوبی امریکہ کے ایک مقام لیما (LIMA) میں ایک ایسے ہی موقعے پر جب جیل خانہ کھولا گیا تو اس کے اندر کئی خفیہ تہ خانے پائے گئے جن میں سے بعض میں قیدیوں کی عبوبی بسری خشک لاشیں زنجیروں میں جکڑی لٹک رہی تھیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ اس بے مثال ظلم کا واحد ذمے دار یعنی رومن کیتھولک کلیسا چوتھی صدی عیسوی سے انیسویں صدی تک کی کم وبیش پندرہ صدیوں کے طویل عرصے پر پھیلے ہوئے اپنے اس بھیانک کردار پر نہ صرف یہ کہ پشیمان نہیں۔ بلکہ ڈھٹائی سے مصر ہے کہ یہ سب کچھ "خدائی اختیار سے انسانوں کی بہتری کے لئے کیا گیا" جس کے حقوق وہ اب بھی محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن سیاسی انتظامیہ سے ضروری امداد نہ پا کر "مجبوراً خاموش ہے" اس ضمن میں ملاحظہ ہو سرالیگزنڈر کارٹر یو کی کتاب " محاسبے یا تطہیر کی مختصر تاریخ"

(A SHORT HISTORY OF INQUISITION BY SIR ALEXANDAR . CARREW M.A. A.LEPICIER).

کے صفحہ نمبر ۱۱۰ کا اقتباس اور ابھی حال ہی یعنی ۱۹۰۹ء میں پادری اے لیپیسیر نے جو اس وقت روم کے کلیسائی کالج میں پروفیسر تھا، ایک طویل کتاب چھپوائی جس کے اندر وہ قرون وسطے میں مروج ایذا رسانی کے اصول کو دہراتے ہوئے تجدید کا عہد کرتا ہے، جو دوسروں کے علاوہ سینٹ تھامس ایکوی ناس (ST. THOMAS ACQUINAS) نے مقرر کیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا گیا تو اس میں اس وقت کے پوپ پائیس دہم (PIUS X) کا خاص تعریفی خط بھی درج تھا۔ گویا اس کتاب میں دی گئی ظلم اور جبر کی تعلیم کے بارے میں پوپ نے بھی پُرزور پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ انگریزی متن یہ ہے۔

STILL MORE RECENTLY IN 1909 REV. A. LEPICIER THEN A PROFESSOR IN THE PAPAL COLLEGE AT ROME,

PUBLISHED A LENGTHY BOOK ENTITLED" DE STABILITATE ET PROGRESSEU DOGMATIS" IN THE COURSE OF WHICH THE MEDIEVAL THEORY OF PERSECUTION AS SET FORTH ABOVE ALL OTHERS, BY ST. THOMAS ACQUINAS, WAS REITERATED AND REAFFIRMED. WHEN A SECOND EDITION WAS ISSUED IN 1910. IT WAS ACCOMPANIED BY A SPECIAL LETTER OF COMMENDATION AND APPROVAL FROM THE THEN POPE PIUS X. AS THOUGH TO EMPHASISE THE APPROBATION OF THE TEACHING IN THIS BOOK."

اس کتاب کے مصنف کو ترقی دے کر کارڈینیل CARDINAL بنا دیا گیا تھا۔

دوسری جنگِ عظیم مختتمہ ۱۹۴۵ء کے بعد سے بالخصوص یورپ میں بکثرت ایسا مواد چھپ رہا ہے جس نے مروجہ مسیحیت کی حقانیت اور اس کے کردار کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے "تطہیر" اور "یورپ میں کلیسا کی تاریخ" پر کوئی کتاب اُٹھا کر اگر سرسری ورق گردانی کی جائے تو بھی چوتھی صدی عیسوی سے لے کر اٹھارہویں بلکہ انیسویں صدی تک مسلسل ڈیڑھ ہزار سال کے طویل عرصے میں ظلم اور بربریت کے ایسے بے شمار واقعات نظر آئیں گے کہ کوئی باشعور انسان مذہب کے بارے میں یورپین اقوام کی سنجیدگی پر شک کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مذہب کے نام سے ایک وسیع اور عمیق تنظیم تھی جس کا کام روحانیت اور نیک اعمال کی فکر کم اور مادی لوٹ کھسوٹ کے لیے عوام کو خوف زدہ رکھنا کہیں زیادہ تھا۔ حکومت اور پادریوں کے درمیان دولت کی تقسیم کے بارے میں اکثر چپقلش رہتی تھی۔ جو بعض صورتوں میں پادریوں کے پاس حکومت سے زیادہ ہوتی تھی۔ پادریوں کی آمدنی کی اہم مدات میں سے ایک چکلوں کی آمدنی بھی تھی۔ یہ زنا کاری کے اڈے یورپ بھر میں پادریوں کی سرپرستی میں چلتے تھے۔

زندہ جلانا یعنی کارِ خیر (STAKE, AUTO-DA-FE OR, ACT OF FAITH)

قارئین۔ مسیحیت کی تاریخ کا یہ الیا دلخراش اور بھیانک پہلو ہے جسے جان کر معمولی سمجھ کا آدمی بھی حیران ہوتا ہے کہ اتنے طویل عرصے تک اس بے نظیر ظلم کا مسلسل عمل کیوں کر جاری رہا! ایک ہی جواب سمجھ میں آتا ہے کہ عوام کی سوچ کو پیہم طرح طرح کے ظالمانہ حربوں سے یکسر کند (BLUNT) کر دیا گیا تھا۔ ان کی تمیز، شعور اور حوصلے کو کچل ڈالا گیا تھا تاآنکہ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے محدود سابقہ پڑنے پر ان کا شعور کسی قدر بیدار ہوا۔ اس کے علاوہ سولہویں صدی میں نئی دنیا کی دریافت کے بعد سے انسانی جانوں کی قدر و قیمت بڑھ گئی تو یورپین عوام پر سے پادریوں کی آہنی گرفت ڈھیلی پڑنی شروع ہوئی۔ جائیداد کی ضبطی کے بعد زیرِ حراست منحرف کے بارے میں اگر متعلقہ پادری یہ فیصلہ کرے کہ وہ ضدی (OBSTINATE HERETIC) ہے یا اس کی توبہ مشکوک ہے، تو اسے بظاہر اس مفروضے کے ساتھ سول حکام کے حوالے کر دیا جاتا تھا کہ "کلیسا کو اس سے کوئی غرض نہیں لہٰذا اسے ترک کر کے فیصلے کے لیئے ان کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اس حوالگی کے ساتھ کسی کو شک و شبہ نہیں ہوتا تھا کہ سینیٹ تھامس ایکوی ناس (ST. THOMAS ACQUINAS) کی بے حجاب منطق کے مطابق سول حکام "منحرف" کو موت کے گھاٹ اتارنے کی ذمے داری سے بچ نہیں سکتے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک ریاکارانہ پردہ تھا کہ کلیسا اس خون ریزی میں شریک نہیں، حالانکہ ایسے تمام "منحرفین" کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ جس کا تمام اہتمام خود پادریوں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ یہ عمل شہر کے مرکزی چوک میں بار بار دُہرایا جاتا تھا۔ اس دن عام تعطیل کی جاتی تھی اور عوام الناس کو حکم تھا کہ وہ میلے کی سی تیاری کے ساتھ جوق در جوق موقع پر آکر موجود رہیں۔ بار بار خوشی کا اظہار کریں اور مجرم پر لعن طعن اور گالیوں کی بوچھاڑ کرتے رہیں۔ "مجرم" کے ساتھ ہمدردی یا اس سزا پر ناگواری کا اظہار کرنے والا بھی سزا

کا مستوجب گردانا جاتا تھا۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی نشو و نما کلیسا کے لیئے خطرے کا باعث بھی جاتی تھی۔ اس زندہ جلانے کے عمل جسے "کارِ خیر" (ACT OF FAITH) کا "مقدس" اور پُر فریب نام دیا گیا تھا کے اخراجات مجرم کی ضبط شدہ جائیداد میں سے پورے کیئے جاتے تھے۔ جس کا تمام تر انتظام "محاسب" (INQUISITOR) کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ جب کہ حکومت کے اہل کاروں کا کام صرف تعمیل کنندہ کا ہوتا تھا۔ اس ضمن میں "لی (LEA) کی محولہ بالا کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۲ کا اقتباس اس حقیقت کو واضح طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ ان لرزہ خیز اور بکثرت سزاؤں کا ذمّے دار صرف کلیسا تھا۔ لکھتے ہیں کہ "کلیسا کا "حالیہ" عذر کہ وہ ان بہیمانہ مظالم کے لیئے ذمّے دار نہیں تھا۔ واضح طور پر محض جھوٹا بہانہ ہے۔ جب کہ سترھویں صدی میں بھی کارڈینل البیزیو (CARDINAL ALBIZIO) کو فرا پاؤلو (FRA PAOLO) سے اس امر میں اختلاف کرتے ہوئے کہ وینس کی حکومت کو بھی "محکمہ تطہیر" پر کوئی اختیار ہے۔ یہ دعویٰ کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں تھا کہ وہی یعنی کلیسا کے محاسب ہی ایسے تمام مقدّمات کی سماعت کے مجاز ہیں۔ اور اگر وہ موت کی سزا دیں تو اس پر حاکم وقت (DOGE) اور سینیٹ (SENATE) فوراً عملدر آمد کرتے تھے۔ ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ "انحراف کے شک یا انحراف" کے لیئے موت کی سزا کے سفاکانہ قوانین بنانے کے لیئے اکیلا کلیسا ہی ذمّے دار تھا اور اگر کوئی سول قوانین سزا کے فوری اور مؤثر نفاذ میں مانع سمجھے جاتے تھے۔ تو وہ ان کی منسوخی کے لیئے تحکمانہ انداز سے مداخلت کرتا تھا۔ اسی طرح اگر مجسٹریٹ کلیسا کے "محاسب" کی دی گئی سزا کے سلسلے میں سُستی یا کوتاہی کریں تو بھی دخل دیتا تھا۔ اس زمانے کے عام اور تسلیم شدہ عقیدے کے مطابق یہ کلیسا کا واضح اور "بلند ترین" فرض تھا اور وہ اس میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔" انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"IN FACT, HOW MODERN IS THE PRETENSION THAT THE

CHURCH WAS NOT RESPONSIBLE FOR THE ATROCITY IS APPARENT WHEN, AS LATE AS THE SEVENTEENTH CENTURY, THE LEARNED CARDINAL ALBIZIO, IN CONTROVERTING FRA PAOLO AS TO THE CONTROL OF THE INQUISITION BY THE STATE IN VENICE, HAD NO SCRUPLE IN ASSERTING THAT, "THE INQUISITOR IN CONDUCTING THE TRIALS, REGULARLY CAME TO THE SENTENCE, AND IF IT WAS ONE OF DEATH IT WAS IMMEDIATELY AND NECESSARILY PUT INTO EXECUTION BY THE DOGE AND THE SENATE."

" WE HAVE ALREADY SEEN THAT THE CHURCH WAS RESPONSIBLE FOR ENACTMENT OF FEROCIOUS LAWS PUNISHING HERESY WITH DEATH, AND THAT SHE INTERVENED AUTHORITATIVELY TO ANNUL ANY STATUTES WHICH SHOULD INTEREFRE WITH THE PROMPT AND EFFECTIVE APPLICATION OF THE PENALTIES. IN THE SAME WAY, AS WE HAVE ALSO SEEN, SHE PROVIDED AGAINST ANY NEGLIGENCE OR LAXITY ON THE PART OF THE MAGISTERATES IN EXECUTING OF SENTENCES PRONOUNCED BY THE INQUISITORS.

ACCORDING TO UNIVERSAL BELIEF OF THE PERIOD, THIS WAS HER PLAINEST AND HIGHEST DUTY, AND SHE DID NOT SHRINK FROM IT." (PAGE 232 INQUISITION IN MIDDLE AGES. BY LEA).

کلیسا کی خوفناک تعلیم نے اتنا گہرا نقش قائم کر دیا تھا کہ "منحرفین" کی سزا کے بارے میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ اس کا مطلب زندہ جلانا ہے جس کی تعمیل میں

یورپ کے تمام ممالک نے ایسے "مجرموں" کو زندہ جلانے کے قوانین بنا رکھے تھے، حتیٰ کہ اٹلی کے نسبتاً آزاد علاقے میں بھی "محاسب" کی دی گئی زندہ جلانے کی سزاؤں کی اندھا دھند تعمیل لازمی سمجھی جاتی تھی۔ "لی" (STAKE) کے باب میں بعض مثالیں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۲۴۹ء میں طولوس کے ریمنڈ (RAYMOND) نے اجن (AGEN) کے نزدیک برلائجس (BERLAIGES) کے مقام پر توبہ کا موقعہ دیئے بغیر اسّی (۸۰) منحرفین کو زندہ جلوا دیا۔ شائد وہ اس واقعے کے جلد ہی بعد پیش آنے والی اپنی موت سے پہلے یہ نیکی کا بڑا کام کرنا چاہتا تھا۔ اسی زمانے میں کارکسونے (CARCASSONE) کے علاقے میں پیش آنے والا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ہوا یہ کہ سنیشل نامی ایک محاسب نے کچھ "منحرفین" کو زندہ جلا دیا۔ جس کے خلاف مرشیل ڈی مائرپوکس (MARECHAL DE MIREPOIX) نے اس بات کا دعویٰ دائر کیا کہ "مجرمین" اس کے علاقے میں تھے۔ اس لئے انہیں سزا دینے کا حق اسے تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پیرس (PARIS) کی پارلیمنٹ نے ۱۲۶۹ء میں مدعی کے حق میں یہ فیصلہ دیا کہ سنیشل کے حق کے اعتراف کے طور پر اس کے علاقے کے ان سات آدمیوں اور تین عورتوں کی ہڈیاں ان کے حوالے کر دی جائیں جو حال میں کارکسونے کے مقام پر جلائے گئے تھے، اور اگر ہڈیاں نہ ملیں یا ان کی شناخت ممکن نہ ہو تو ان کی جگہ علامتی طور پر گھاس کے دس بورے بھر کر حوالے کئے جائیں۔ اس وحشیانہ حکم پر عملدرآمد ایک باقاعدہ رسم میں دو دن کے اندر کیا گیا، اور بطور ریکارڈ یہ فعل باقاعدہ تحریر میں لایا گیا۔

مختلف "محاسبوں" کے درمیان دائرۂ اختیار کے بارے میں جھگڑوں کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً کاؤنٹ فوئیکس (COUNT FOIX.) اور برنارڈ گوئی (BERNARD GUI) کے درمیان ۱۳۰۹ء میں جیکس اوٹیئر (JACQUES AUTIER) نامی مرد اور گلیلما کرسٹولا (GUILLELMA CRISTOLA) نامی عورت کو زندہ جلانے کے بارے میں دیر تک جھگڑا چلا۔ ۱۴۸۶ء میں بریسکیا (BRESCIA) کے سول حکام نے کچھ جادوگر مردوں

اور عورتوں کے جلانے کے فیصلے کے کاغذات طلب کیئے تو اسے صریحًا بغاوت سمجھا گیا اور بالآخر انہیں پادریوں کے احکام کی تعمیل کرنا پڑی، یعنی زندہ جلانا پڑا۔ کلیسا کے قدیم سے چلے آنے والے ظالمانہ طرزِ عمل کے نتیجے میں بعض اچھے لوگ بھی "منحرفین" کو زندہ جلانا جائز سمجھتے تھے اور جن کے نزدیک ان کے لیئے نرمی کا مطالبہ خود "انحراف" کے مترادف تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ پادری ایسے عقائد کو اختلاف یا انحراف گردانتے تھے۔ جنہیں آجکل ایسا نہیں سمجھا جاتا۔ اس طرح کلیسا نہ صرف جرم کی تشریح اور اس کی سزا دیتا تھا بلکہ خود ہی جرم کی وجوہ بھی پیدا کرتا تھا۔ مثلاً "لی" صفحہ ۲۳۷ پر لکھتے ہیں کہ پوپ نکولس چہارم اور سیلسٹن پنجم کے تیرھویں صدی کے آخری دور میں تو فرانسسکن (FRANCISCANS) فرقے کو بلحاظ عقیدہ کٹر سچائی پر مبنی سمجھا جاتا تھا لیکن پوپ جان دوازدہم نے برسرِ اقتدار آتے ہی انہیں "منحرف" قرار دے کر سول حکام کو حکم دیا کہ انہیں پکڑ پکڑ کر زندہ جلا دیا جائے۔ ورنہ وہ خود اسی سزا کے مستوجب ہوں گے۔ قصور یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ "یسوع مسیح نے غربت کے اندر زندگی گزاری تھی" اس طرح خوف کے مارے رائے عامہ ایک ضابطے کی شکل اختیار کر گئی تھی کہ "منحرفین" (HERETICS) کے ساتھ سوائے زندہ جلانے کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا" اور یہ سنگین الزام لگا دینا پادریوں کے لیئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ مسلسل عذاب سے جلدی نجات پانے کے لیئے اگر کوئی ملزم اپنے قصور کا اقرار کر لیتا ہے تو بھی اسے زنجیروں میں جکڑ کر مہینوں تہہ خانوں کی قیدِ تنہائی میں رکھا جاتا تھا۔ تاکہ وہ اپنے گناہ کا اقرار کرنے کے علاوہ دوسرے ہم خیالوں کے نام بتلائے۔ اس مقصد کے لیئے کئی کئی پادری مارتے پیٹتے اور ترغیب دلاتے تھے۔ اس کے بیوی بچوں کو بھی اس قابلِ رحم حالت میں اس سے ملا کر نفسیاتی اثر ڈالنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ جس کے نتیجے میں اگر کوئی اقرارِ گناہ اور توبہ کر لیتا تو بھی اس کے اس فعل کو دھوکہ اور عذاب کا بہانہ قرار دے کر زندگی بھر کے لیئے اسے نذرِ زنداں کر دیا جاتا تھا۔ انحراف یا اختلاف کی تعریف و تشریح کرنا چونکہ کلیسا کے اپنے اختیار میں تھا۔ اس لیئے اس وسیع اختیار

کو استعمال کرتے ہوئے عمل تطہیر (INQUISITION) میں پائی جانے والی ہر کمزوری کو دور کرنے کے لئے اپنے مطلب کے معانی نکالے جاتے تھے۔ جہاں مبّیر شہادت کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ وہاں شرک سے مسلسل انکار کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔ مثلاً اگر دو گواہ کہہ دیں کہ انہوں نے ملزم کو "کسی منحرف کی تعریف کرتے ہوئے سُنا ہے" تو اسے اقرار، توبہ اور کفارے کے قابل بھی نہیں سمجھا جاتا تھا، اگرچہ وہ کلیسا روم کے تمام عقائد کا کٹڑ مقلد ہونے کا اقرار کیوں نہ کرے۔ بلکہ منحرف گردانتے ہوئے اسے بے رحمی سے زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ سماعت سے بچنے والوں اور حلفیہ بیان سے گریز کرنے والوں کو بھی چتا کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ بغیر کسی ثبوت کے برائے نام شک کی بناء پر اگر کوئی مشکوک ایک سال کے اندر منت سماجت اور پادری صاحب کو "خوش" کر کے اپنی بریت حاصل نہ کرے تو ایسا ملزم بھی منحرف کی سزا کا مستوجب ہوتا تھا۔ تہہ خانوں کے عذاب در عذاب اور چتاؤں کے خوف سے اختلاف ترک کرنے والوں (ABJURERS) سے جیلیں بھری رہتی تھیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کی ہوئی کلیسا کے اس "متبرک بازو" (HOLYOFFICE) کی پولیس (CHURCH WARDENS) مسلسل صحیح مسیحیت قبول کر لینے والوں کی نگرانی اور نئے منحرفین اور مشکوکوں کی تلاش میں لگی رہتی تھی پوپ لوسیس سوئم (LUCIUS III) کے ۱۱۸۴ء کے احکام ورونا (VERONA DECREE) کی طرح فریڈرک دوم کے رونیا کے حکم (EDICT OF RAVENA) کے مطابق دوبارہ پھر جانے والے منحرفین کے لئے موت کی سزا کا حکم دیا گیا۔ ۱۲۴۴ء میں ناربونے کے مقام پر ہونے والی پادریوں کی کونسل میں ایسے مقدمات بہت بڑی تعداد میں پیش ہوئے جنہیں بغیر کسی سماعت کے پوپ لوسیس سوئم نے زندہ جلا دینے کے لئے سول حکام کے حوالے کر دیا معاہدہ پیرس کے مطابق بعض علاقوں مثلاً لینگوڈوک (LANGUEDOC) کے ہر ۱۴ سال سے زائد مرد اور ۱۲ سال سے زائد عورت سے ہر سال کے بعد عقیدے کے بارے میں

حلف لیا جاتا تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہُوا کہ مذہبی عدالت نے تو کسی ملزم کو قید کی سزا سنائی لیکن سول حکام نے اسے نذرِ آتش کر دیا۔ پوچھے جانے پر سول حکام نے کہا کہ یہی ایک طریقہ ہے جس سے ملک کو انحراف (HERESY) سے پاک کیا جا سکتا تھا۔ یہ کہے جانے پر کہ کلیسا کو ان بدقسمت لوگوں کو اپنے دامن کے سائے سے محروم نہیں کرنا چاہیئے۔ گھڑا گھڑایا روایتی جواب دیا جاتا تھا کہ کلیسا اپنے بچوں کے لئے کبھی اپنا دامن تنگ نہیں کرتا۔ وہ تو اپنی برکتیں مرتے دم تک بکھیرتا ہے۔ لیکن موت کی سزا معاف نہیں کر سکتا۔ اسی لئے مذہبی قانون (CANON LAW) کی شق کے مطابق "مقدس پادری ہاتھ میں صلیب لیئے" مجرم کی روح کو بچانے کے لیئے آخری دم تک چتا کے قریب موجود رہ کر مجرم کو انحراف کے گناہ کے اعتراف کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔ اس طرح کلیسا بضد تھا، اور شاید اب بھی ہے کہ اس کی طرف سے مذہب کے نام پر کئے جانے والے ظلم و زبردستی کو رحم و کرم سمجھا جائے۔ "کیا فلک نے مسیحیت کے علاوہ ایسے رحیم و کریم کہیں اور بھی دیکھے ہوں گے"؟ پہلے جرم کی نوعیت صرف شک کی بنیاد پر اگر بلا ثبوت ہو تو دوبارہ ارتکاب پر آیا ہوا ایسا مجرم بطور دوبارہ منحرف کے زندہ جلائے جانے کی سزا کا مستوجب تھا؟ جب محتسب نے اس بات کا شک رفع کرنے کے لئے پوپ الیگزنڈر چہارم سے رجوع کیا تو اس نے وثوق سے نہایت مثبت جواب دیا کہ اگر شک شدید (VIOLENT) ہو تو اسے کسی قانونی مفروضے کے باوجود جرم کے ثبوت کا کافی قانونی جواز سمجھنا چاہیئے اور ملزم کو موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہیئے۔ اور اگر شک معمولی ہو تو سزا پہلی کی نسبت زیادہ سخت ہونی چاہیئے۔ لیکن دوبارہ شدید انحراف کی سزا یعنی موت سے کم۔ دوبارہ انحراف کے جرم کے ثبوت کے طور پر شہادت معمولی قسم کی بھی کافی سمجھی جاتی تھی مثلاً یہ کہ ملزم کا کسی اور منحرف سے کسی قسم کا رابطہ تھا یا اس کا کبھی ایسے مجرم سے مہربانی سے پیش آنا اس کے خلاف کافی ثبوت ہو گا۔ لیکن موت کی سزا سے متعلق کلیسا کے وضع کردہ قوانین ناقابلِ تغیر اور اٹل پالیسی بن گئے تھے اور کلیسا کے اعلےٰ حکام اس بات پر

متفق تھے کہ موت کی سزا کے سلسلے میں کسی نرمی یا رحم کی گنجائش نہیں۔ منحرفین کو پناہ دینے والے ملزمین (FAUTORS) کو ایک مشہور محاسب برنارڈ گوئی (BERNARD GUI) کے نزدیک موت کے علاوہ ایسی عبرت ناک سزا دینی ضروری تھی جس سے خوف و ہراس پیدا کر کے دوسروں کو باز رکھا جا سکے۔ جب کہ چودھویں صدی کے آخر کا ایک محاسب آئی مرک (EYMERICH) اس قسم کے "دوبارہ" ملزم کو بغیر سماعت کے ترّدد کی موت کے حوالے کر دینے کے حق میں تھا۔

ان احتسابی عدالتوں کی پریشانی کا باعث ایک اور گروہ مفرور قیدیوں اور توبہ کرنے والوں (PENITENTS) کا تھا۔ سمجھا یہ جاتا تھا کہ ایسے مفروروں نے مہربان ماں کلیسا کی طرف سے ان کی بہتری کے لئے تجویز کردہ علاج سے روگردانی کر کے جھوٹی توبہ کا ارتکاب کیا ہے اور کلیسا کے ضابطوں کو توڑا ہے۔ اس لئے شروع ہی سے ایسے مجرمین کو بھی منحرفین کی سزا یعنی موت کا مستوجب قرار دیا جاتا تھا۔ ایسے جرائم کی دو اہم قسمیں تھیں۔ ایک وہ جو زرد صلیبیں اُتار دیتے تھے، اور دوسرے جیل سے فرار ہونے والے۔ گرفتار ہونے پر پہلے والوں کو تو مزید اضافے کے ساتھ سزا دے کر زندہ رہنے دیا جاتا تھا لیکن دوسری قسم کے مجرموں کو بلا سماعت زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ تاہم پہلی قسم میں سے بھی کارٹاگینا CARTAGENA کے مقام پر ایک عورت کو سزائے موت دینے کے شواہد موجود ہیں۔

کلیسا کے "متبرک بازو" (HOLY INQUISITION) کے اصل مؤثر ہتھیاروں کا سراغ جن کے بل پر وہ عوام پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے زیر زمین قید خانوں، جائیداد کی ضبطگی، ذلیل کرنے والی سر عام کفارے کی سزاؤں، ذلالت کی علامت، زعفرانی رنگ کی پہنی جانے والی صلیبوں اور اس کی خفیہ پولیس میں ڈھونڈا جا سکتا ہے جن کے نام سے ہی ان بد قسمتوں کے دل اور روح سُن ہو جاتے تھے۔ جو ایک دفعہ ان کے ہتھے چڑھ چکے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ بلند پایہ فرانسیسی محقق اور مورخ ڈام برائیل (DOM BRIAL) کی دیانت اور بے تعصبی میں

کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا ، جو اپنی کتاب کی جلد اکیس کے دیباچے ("RECUEH DES HISTORIENS DES GAULES") کے صفحہ نمبر xiii پر لکھتے ہیں کہ ۲۳-۱۳-۱۳۰۸ کے دوران میں طولوس کے محاسب برنرڈ گوئی (BERNARD GUI) نے اپنے محدود علاقے میں ۶۲۷ منحرفین کو آگ کے حوالے کیا۔ قارئین کو شاید یہ بات یاد دلانے کی ضرورت نہ ہو کہ اس موضوع پر یورپ میں پائے جانے والے تاریخی شواہد خود پادریوں کے مرتب کردہ تھے "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" والی بات تھی، جو معلوم وجوہات کی بنا پر تلف کر دیئے گئے یا اناجیل کے بے شمار اختلافی نسخوں کی طرح چھپا دیئے گئے ، اور (APPOCRYPHAL) یا مخفی کہلاتے ہیں۔ پھر بھی اس طویل تاریک دَور کی دستبرد سے جو مواد بچ رہا وہ ماضی قریب اور جدید زمانے کے بے لاگ مؤرخین اور محققین کے ہاتھ لگا، گزرے ہوئے ابواب انہی سے ماخوذ ہیں، جو کسی طرح کم مہیب اور شرمناک نہیں۔ ان کے مطالعے سے کوئی بھی دیانت دار قاری ان قہر آلود اور اخلاق باختہ پادریوں کی حکومت کا اندازہ کر سکتا ہے جن میں ان طویل صدیوں کا بے بس اور مجبور عام مسیحی رہتا ہوگا۔ زندہ جلائے جانے کی سزا کے آخری سین کا نقشہ "لی" صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۹ پر اس طرح کھینچتا ہے۔ "جب عوام الناس کو انحراف کے مرتکب کی دردناک آہ و بکا کا نظارہ کرنے کے لئے اکٹھا کیا جاتا تھا۔ اس عمل کے "مقدس" ذوق و شوق کی کسی قسم کی رحمدلانہ صورت میں تضحیک نہیں کی جاتی تھی۔ آگ لگانے سے پہلے مجرم کو گلا گھونٹ کر ہلاک نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ بعد میں سپین میں ہُوا اور نہ بارود کی ایجاد کے بعد شدید درد و کرب کی مُدّت کو کم کرنے کے لیئے اس کے گلے میں بارود کا تھیلا باندھ دینے کی تجویز ہوئی تھی بلکہ زندہ حالت میں اسے لکڑیوں کے ڈھیر پر اونچا کر کے باندھ دیا جاتا تھا تاکہ وفادار عوام المیے کے ہر پہلو کی ہیبت اور جلال کو انجام تک بغور دیکھ سکیں۔ "پاکباز" پادری آخر تک اس کے قریب رہتے تھے تاکہ وہ مجرم کی روح کو "شیطان" سے چھڑا لیں۔ ایسے مواقعوں کے لیئے عام طور پر چھٹی کا دن

مقرر کر کے عوام کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع ہوں، تاکہ زیادہ لوگوں کی عبرت کا باعث ہو۔ کسی ناخوشگوار صورت حال سے بچنے کے لیئے مجرم کو خاموش کر دیا جاتا تھا (مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کیسے؟ بہت ممکن ہے زبان کاٹ دی جاتی!) تاکہ اس کی آہ و بقا۔ اور فریاد لوگوں کے جذبۂ ہمدردی کو بیدار نہ کر دے۔ اس کے متعلق ایک عینی شاہد نے ۱۴۱۵ء میں جان ہس (JOHN HUSS) کے کانسٹنس (CONSTANCE) کے مقام پر زندہ جلائے جانے کے واقعے کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسے لکڑیوں کے چند گٹھوں پر کھڑا کر کے رسّوں سے ایک کھمبے کے ساتھ ٹخنوں کے گرد گھٹنوں سے نیچے اور اوپر ٹانگوں کے درمیان سے کمر کے گرد اور بازوؤں کے نیچے سے مضبوطی سے باندھ دیا گیا۔ گردن زنجیر سے باندھی گئی جس کے بعد معلوم ہوا کہ غلطی سے اس کا منہ مشرق کی طرف رہ گیا ہے، جس کا کوئی منحرف مستحق نہیں۔ اس لیے مغرب کی طرف کیا گیا۔ پھر لکڑیوں کے ساتھ گھاس پھونس ملا کر اس کے ارد گرد ٹھوڑی تک چن دی گئیں۔ اس کے بعد کاؤنٹ پیلیٹیا لوئیس (COUNT PLATINE LOUIS) جو سزا کی نگرانی کر رہا تھا۔ کانسٹنس کے مارشل کے ہمراہ ہس کے قریب گیا اور اسے آخری وقت اپنی غلطی تسلیم کر لینے کو کہا لیکن اس کے انکار پر انہوں نے پیچھے ہٹ کر تالی بجائی جو جلاد کے لیئے اشارہ تھا کہ وہ چتا کو آگ لگا دے۔ اس کے بعد آدھ جلی لاش کو ٹھکانے لگانے کے گھناؤنے اور قابل نفرت کام کی باری آئی اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیئے گئے۔ ہڈیاں توڑ دی گئیں اور یہ سب معہ انتڑیوں کے نئی آگ کے انبار پر ڈالے گئے۔ آگ ٹھنڈی ہونے کے بعد اس خوف سے کہ کہیں لوگ راکھ وغیرہ باقیات کو تبرکاً نہ رکھ لیں، سب کچھ اکٹھا کر کے ایک ندی میں بہا دیا گیا۔ انسانی گراوٹ کی نمائش کی یہ انتہا ہے کہ ایک طرف تو دل ہلا دینے والی ہیبت ناک سزائیں ہیں اور دوسری طرف ڈھٹائی اور سرد مہری سے رکھے گئے ان اخراجات کا حساب کتاب ہے جو انسانی جانوں کو شعلوں کی نذر کرنے پر آتے تھے۔ آرناڈ اسالیٹ (ARNAUD ASSALIT) کے رکھے گئے حساب

کے مطابق ۲۴ اپریل ۱۳۲۳ء کے دن چار منحرفین کے زندہ جلانے پر مندرجہ ذیل خرچ دکھایا گیا ہے۔ موٹی لکڑی ۵۵ سول، ۶ دینار۔ انگور کی بیلوں کی لکڑی ۲۱ سول ۳ دینار۔ گھاس پھونس ۲ سول ۶ دینار۔ ۴ کھمبے ۱۰ سول ۹ دینار۔ مجرموں کو باندھنے کے لئے رسّے ۴ سول ۷ دینار یا دو لیور فی مجرم سے قدرے زیادہ۔ اگر مجرم (HERETIC) قدرتی موت کے نتیجے میں ظالموں کے ہاتھ سے نکل جاتا تھا تو بھی اس کی میت یا ہڈیوں کا ڈھانچہ قبر سے نکال کر جلا دیا جاتا تھا۔ اس صورت میں یہ رسم اگرچہ کم پُر اثر ہوتی تھی۔ تاہم اس کا بھی زیادہ سے زیادہ چرچا کیا جاتا تھا۔ گلیم پلیسن (GUILLEM PELISSON) نامی ایک ہم عصر بیان کرتا ہے کہ کیسے ۱۲۳۷ء میں طلوس کے بعض شرفاء وغیرہ کی قبریں کھود کر جب ان کی بدبو بھری لاشوں اور ہڈیوں کو گلیوں میں گھسیٹا گیا، جن کے آگے آگے منادی کرنے والا یہ آواز لگاتا جاتا تھا "جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔" آخر کار خدا کی عظمت اور اس کی مقدس ماں مریم (کیتھولک عیسائی حضرت مریم کو خدا کی ماں بھی کہتے ہیں) کی عزت افزائی کے نام اور ان کے خادم ڈومینک (DOMENIC) کی عزت افزائی کے لیئے مرحوم مشرکین کے بارے میں آخر تک یہی فارمولا قائم رکھا گیا۔ اگرچہ معاشی اعتبار سے یہ کفایت شعارانہ نہ تھا۔ اسالیٹ (ASSALIT) کے بیان کے مطابق ۱۳۲۳ء میں تین مُردہ منحرفین کی قبریں کھدوا کر ہڈیاں نکلوانے، انہیں ڈالنے کے لیئے ایک بورے اور رسّی پر اور انہیں دو گھوڑوں سے گھسیٹ کر لے جانے پر اور جلانے پر ۵ لیور ۱۹ سول اور ۶ دینار سکہ رائج الوقت خرچ آیا۔

کتابیں جلانا

یورپ کو منحرفانہ تحریروں کی وبا سے پاک کرنے کے لیئے بھی آگ کی مدد لی جاتی تھی جو بعد میں پریس کی سنسر شپ پر منتج ہوئی۔ ناگوار ہونے کے باوجود یہ رسم بھی اپنی قدامت کی وجہ سے پسندیدہ اور واجب الاحترام سمجھی جاتی تھی کیونکہ چوتھی صدی عیسوی میں کانسٹنٹائن (CONSTANTINE)

نے حکم دیا تھا کہ تمام ایرین (ARIAN) تحریریں حکام کے حوالے کر دی جائیں، ورنہ موت کی سزا دی جائے گی۔ ۴۳۵ء میں تھیوڈوسیس دوم اور ویلنٹینن سوم نے حکم دیا تھا کہ تمام نسطورین (NESTORIAN) کتابیں جلا دی جائیں۔ ایک اور حکم کے ذریعے سزا کا خوف دلا کر اسی مقصد کے لئے ایک دوسرے فرقے کی کتابیں حوالے کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ چھٹی صدی میں شاہ جسٹینین (JUSTINIAN) نے (SECUNDA EDITIO) نامی کتاب جلا دینے کا حکم دیا، کیونکہ اس میں تلمود (TALMUD) کے معتبر ہونے کا اعتراف کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آنے والے بربریت کے تاریک زمانے میں انسانی سوچ کو دبانے کے لئے شاید ہی کچھ باقی رہ گیا تھا، لیکن انسانی فکر کے متحرک ہونے کے ساتھ ہی ۱۲۱۰ء میں پیرس یونیورسٹی میں آمایوری (AMAURY) اور اس کے شریک کار ڈیوڈ ڈی ڈینانٹ (AVID DE DINANT) کی تحریروں کے خلاف ایجی ٹیشن کے علاوہ ارسطو کی طبیعات اور علم الارواح سے متعلق تحریروں کو جلانے کا حکم دیا گیا۔ ۱۲۲۹ء میں ناربونے کی کونسل نے عام آدمی کو انجیل کے کسی بھی حصے کے رکھنے کا حکم امتناعی جاری کرنے کے علاوہ سینٹ آمر (ST. AMOUR) کے ولیم کی کتاب (DE-PERICULIS) اور تلمود کے جلانے کا حکم دیا۔ یہودی کتابیں خصوصاً تلمود اس لئے زیادہ تباہی کا شکار ہوئیں کہ ان میں حضرت یسوع مسیح اور حضرت مریم کے متعلق توہین آمیز کلمات لکھے گئے تھے جس کے نتیجے میں کلیسا ان کے دبانے میں ہمیشہ سرگرم رہا۔ ۱۲۳۹ء میں پوپ گریگری نے تمام مسیحی بادشاہوں اور پادریوں کو حکم دیا کہ آنے والے موسم بہار کے تیوہار (LENT) کے موقعے پر جب سب یہودی اپنے ہیکلوں میں جمع ہوتے ہیں، ہر جگہ چھاپے مار کر ان کی سب کتابیں ضبط کر کے مسیحی راہبوں کے حوالے کر دی جائیں۔ اس ضمن کی ایک رپورٹ پیرس میں محفوظ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وافر مقدار میں یہودی لٹریچر آسانی سے برآمد ہوا جس میں حضرت مریم اور یسوع مسیح کے بارے میں قابل اعتراض مواد کی کمی نہ تھی۔ یہودی ربیوں نے صفائی کی ناکام کوشش کی اگرچہ معاملہ ۱۳ مئی ۱۲۴۸ء تک یعنی تقریباً ۹ سال کے طویل عرصے تک گھسٹتا رہا اور بالآخر

یہ اعزاز پیرس کے حصے میں آیا جہاں ایک موقعے پر ایسی یہودی کتابوں کی چودہ گاڑیاں جلائی گئیں اور ایک دوسرے موقعے پر چھ گاڑیاں نذر آتش ہوئیں۔ چونکہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ تلمود کو تباہ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے خاص طور پر کوشش کی گئی کہ اسے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جلادیا جائے۔ ۱۳۰۹ء میں پیرس میں پھر تین گاڑیاں بھر تلمود سرعام جلائی گئیں۔ اسی طرح محاسب برنرڈ گوئی نے سب یہودی کتابوں کو جو ہاتھ آسکتی تھیں، اکٹھا کر کے عبرانی زبان کے ماہرین کو ان میں قابل اعتراض مواد تلاش کرنے کا حکم دیا۔ جنہوں نے دو گاڑیوں کے بوجھ کے بقدر ڈھونڈھ نکالیں جو باقاعدہ ایک منادی کرنے والے کے جلو میں گلیوں، بازاروں سے گزار کر پوری رسوم کے ساتھ جلائی گئیں۔ اس خاص طور پر ناگوار کتاب کے خلاف جنگ بدستور جاری رہی۔ ۱۳۲۰ء میں پوپ جان دوازدہم نے اس کی تمام کاپیاں ضبط کر کے جلانے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ ۱۵۵۴ء میں بھی پوپ جولیس نے ان احکام کو دہرایا کہ یہودی اپنی حضرت یسوع اور مریم کے خلاف قابل اعتراض تحریروں والی تمام کتابیں حوالے کر دیں ورنہ سزائے موت کے مستوجب ہوں گے۔ کیتھولک مذہبی قوانین کی یہ شق اب بھی موجود ہے۔ کتابوں کے خلاف محاسبے اور سنسر شپ کا عمل صرف یہودی کتابوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ عام مسیحی کے لئے کسی بھی قسم کی کتاب رکھنا ممنوع تھا۔

احتساب (INQUISITION) کی وسعت کا کماحقہ احاطہ کرنا اس مختصر کام میں ممکن نہیں۔ تاہم ان اثرات کا اجمالی جائزہ بے جا نہ ہوگا جو اس کے ملزمین کی سزا اور سماعت وغیرہ کے سلسلے میں اختیار کئے گئے خود کلیسا پر اس کے احکام اور سفارش کردہ طریقۂ کار کا جو اس نے احتساب کے لئے تجویز کئے تھے بہت بڑا اثر پڑا۔ اور کلیسا کی دوسری عام عدالتوں نے جب یہ دیکھا کہ تشدد کا خاطر خواہ نتیجہ نکلتا ہے تو انہوں نے دیگر معاملات میں بھی ایذا رسانی کا طریقہ اختیار کیا۔ ۱۳۱۷ء میں برنرڈ گوئی اس عمومی متشددانہ طریقے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ تشدد صرف مشکوک اور منحرفین تک ہی کیوں محدود رکھا جائے اور کیوں ایذا رسانی کے

استعمال کو ہر دوسرے معاملے کا معمول نہ بنائے جائے ؟ اس طرح کلیسا سنگدلانہ طور طریقوں کا عادی ہو کر زیادہ سے زیادہ سخت اور ظالم بن گیا۔ بارہویں اور تیرہویں صدی کے بدترین پاپاؤں نے بھی ایسی بے مثال سنگدلی اور ظلم کا مظاہرہ نہیں کیا ہوگا جیسا کہ پوپ جان دوازدہم نے کاہورس (CAHORS) کے لاٹ پادری ہیوگ جیرالڈ (HUGUES GEROLD) کے ساتھ نفرت کے اظہار میں کیا جو شاید کسی سابقہ ناراضگی کا نتیجہ ہوگی۔ ہُوا یوں کہ جونہی پوپ جان گدی پر بیٹھا ۴ مئی ۱۳۱۷ء کو اس نے ہیوگ کو گرفتار کر کے دائمی قید میں ڈال دیا۔ یہی نہیں بلکہ پوپ کی زندگی کے خلاف سازش کا الزام لگا کر اسے زندہ جلانے کے لئے سول حکام کے حوالے کر دیا۔ اسی سال جولائی میں اسے جزوی طور پر زندہ بھونا گیا۔ اس کے بعد گھسیٹ کر چتا تک لے جا کر جلا دیا گیا۔ سنگدلی میں شدت کا یہ عمل پادریوں کے بلند ترین درجوں تک بھی اس وحشیانہ بے رحمی کی حد تک سرایت کر گیا تھا کہ جسے دیکھ کر پیشہ ور قاتل اور ڈاکو بھی شرما جائیں۔

۱۳۸۵ء میں چھ عظیم پادریوں (CARDINALS) پر پوپ اربن ششم کے خلاف سازش کرنے کا الزام لگا کر غضب ناک پوپ نے انہیں گرفتار کر کے نوسیرا (NOCERA) کے قلعے کی پانی کی ایک خشک ٹینکی میں بند کروا دیا۔ جہاں وہ خود ٹھہرا ہوا تھا۔ ٹینکی اتنی تنگ تھی کہ اس میں دراز قد کارڈینل ڈی سانگرو (DI SANGRO) پوری طرح پاؤں نہیں پھیلا سکتا تھا۔ ازاں بعد محتسبوں (INQUISITORS) کے سکھائے ہوئے طریقے استعمال کرتے ہوئے بھوکے رکھا گیا، سردی اور جوؤں کا عذاب دیا گیا۔ اس دوران میں پوپ کے گماشتے انہیں "اقبالِ جرم" کی ترغیب دلا کر رحم کا یقین دلاتے رہے۔ اس طریقے کی ناکامی کے بعد اکویلا (AQUILA) کے لاٹ پادری پر شدید اذیت کا نسخہ آزمایا گیا، جو کامیاب ثابت ہُوا اور اس نے ایسا بیان دیا جو باقیوں کو ملوث کرتا تھا۔ پھر بھی ان کے انکار پر انہیں مسلسل ہر روز اذیت دی گئی جس کے نتیجے میں کارڈینل ڈی سانگرو نے اس قدر اقبال کیا کہ وہ یہ سزائیں اس ظلم کے بدلے میں بھگت رہا ہے۔ جو وہ خود آرچ بشپوں، لاٹ پادریوں اور دوسرے پادریوں پر پوپ اربن کے

کے حکم سے کرتا رہا تھا۔ یعنی جب خود پہ گزری تو خدا یاد آیا۔

جب وینس (VENICE) کے کارڈینل کی ایذا۔ رسانی کی باری آئی تو پوپ اربن نے یہ کام ایک پرانے بحری قزاق کے سپرد کیا، جسے اس نے سسلی کے سینٹ جان نے راہب خانے کا منتظم مقرر کیا تھا۔ اسے ہدایت تھی کہ وہ ملزم کو اس قدر اذیت دے کہ پس دیوار چہل قدمی کرتا ہوا پوپ اس کی چیخ و پکار کی آواز سن سکے۔ اس دوران پوپ اونچی آواز سے "تسبیح" کرتا رہا، تاکہ اس کی موجودگی کے احساس کی وجہ سے جلاد اذیت کی شدت میں اضافہ کرے۔ اس طرح حصول اقبال میں ناکامی کے بعد گرجوں کے بعض حصوں میں اس وقت کے رواج کے مطابق رکھے گئے اذیت پہنچانے والے آلات میں سے سٹراپاڈو، اور ریک (RACK AND STRAPPADO) استعمال کئے گئے، اور طرح طرح کا تشدد اس وقت تک جاری تھا جب کہ نوسیرا کو درازو کے چارلس نے محاصرے میں لے لیا۔ تو پوپ اربن بچ کر نکل بھاگا اور قیدیوں کو بھی گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ لے گیا۔ "آکیلا" کا بشپ اپنی ضعیف العمری اور کمزوری کی وجہ سے ساتھ نہ دے سکا۔ تو اسے قتل کر کے لاش سڑک کے کنارے چھوڑ دی گئی"۔ لی (LEA) کے بقول چھ کارڈینل قیدی بذریعہ سمندر جنوآ لے جائے گئے اور وہاں اس قدر گندے اور قابل رحم حالات میں تہہ خانے میں مقید کئے گئے کہ مقامی حکام ان کے لیئے رحم کی ناکام اپیل کی۔ تاہم ان میں سے آدم آسٹن نامی انگریز کارڈینل کو شاہ رچرڈ دوم کی زبردست سفارش پر رہا کر دیا گیا۔ لیکن باقی کے پانچ کو کسی نے پھر زندہ نہیں دیکھا۔ کسی نے کہا کہ پوپ اربن نے انہیں قتل کروا دیا۔ کوئی کہتا ہے کہ سسلی بحری سفر کے دوران انہیں سمندر میں غرق کر دیا گیا، جب کہ بعض کہتے ہیں کہ پوپ کے اصطبل میں ایک بڑی قبر کھدوا کر انہیں ان بجھے چونے کے ساتھ زندہ دفن کر دیا گیا۔ تاکہ ان کے جسم جلدی بے نشان ہو جائیں۔ پوپ کلیمنٹ ہفتم (CLEMENT VII) نامی اربن کا حریف بھی کم ظالم اور سفاک نہ تھا۔ رابرٹ کے نام سے جب وہ جنیوا (GENEVA) کا کارڈینل تھا جہاں وہ پوپ گریگری یازدہم کے گماشتے کے

(CESENA)
طور پر کام کرتا تھا، اس نے پوپ کی علاقائی حدود کی حفاظت کے بہانے سیسینا میں ناحق قتلِ عام کیا۔ اسی طرح اس آدمی نے اپنی فطرت کے مطابق بولونا (BOLOGNA) کے شہریوں کو یہ کہہ کر خوف و ہراس میں دیر تک مبتلا رکھا کہ "میں اپنے ہاتھ اور پاؤں تمہارے خون سے دھوؤں گا۔" کہتے ہیں اگر برنابو گالیزو وسکونٹی (BERNABO GALEAZZO VISCONTI) نے پادریوں کو نرم آنچ پر بھون کر ہلاک کروایا تو اس نے خود کلیسا (پادریوں) کے پڑھائے ہوئے سبق پر ہی عمل کیا تھا۔

"عام فوجداری قوانین پر اثر"

کلیسا کے "محاسبے" کے قوانین نے لادین یعنی سول فلسفۂ قانون کو بھی بُری طرح متاثر کیا اسی لئے صدیوں تک یورپ کے فوجداری قوانین میں کلیسا کے تشدد کرنے کے طریقوں کو بطورِ خاص شامل کیا گیا۔ "محاسبہ" اپنے جلو میں جو لعنتیں لے کر آیا ان میں شاید سب سے بڑی لعنت یورپ کے بڑے حصے کے حصے میں یہ آئی کہ ملزم کے بارے میں بطورِ پیشگی اصول یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے کوئی حقوق نہیں، جس کا جرم سماعت سے پہلے ہی طے شدہ معاملہ سمجھا جاتا تھا۔ جس سے تشدد یا دھوکے سے بہرحال اقبالِ جرم کرانا ہوتا تھا۔ گواہوں سے محض مخصوص کام لیا جاتا تھا اور جب ملزم تشدد کے نتیجے میں جرم کا اقبال کرے تو اسے دوسرے مجرمین کے نام وغیرہ بتانے کے لئے دوبارہ سہ بارہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ اسی طرح شک کو بھی کلیسائی طرزِ عدالت کی نقل کرتے ہوئے جرم کا درجہ دے کر عام قانون کا معمول بنا لیا گیا۔ یعنی اگر کسی ملزم کو اس پر لگائے گئے الزام کی پاداش میں عدم ثبوت کی وجہ سے سزا دینا ممکن نہ ہوتا تو قانونی جواز کی عدم موجودگی میں جج کی صوابدید کے مطابق ایسے ملزم کو کسی اور قانون کے تحت سزا دے دی جاتی۔ اس بے اندازظلم وستم کی وسعت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے جو نہ صرف برِاعظم یورپ کے بے بس عوام بلکہ مقبوضات کے عوام پر بھی

حالیہ صدی تک توڑے گئے۔ جن کی جڑوں کی نشاندہی براہ راست محاسبے کے نام سے قائم کی گئی، ان مسیحی مذہبی "عدالتوں" تک پہنچتی ہے۔ جن کے قوانین کو سول حکام نے برِ اعظم یورپ اور مقبوضات کے ضابطہ فوجداری کی بنیاد بنایا۔ "ہنری چارلس لی" اپنی محولہ بالا کتاب کے خاتمے پر لکھتے ہیں کہ ظلم کے ان ضابطوں کو جو شیطانوں کی اختراع معلوم ہوتے ہیں، ایک مشہور مفکر سرجان فورٹیسکو (SIR JOHN FORTESCUE) نے جائز طور پر دوزخ کی راہ قرار دیا تھا۔

"سپین اور بعض دیگر عیسائی ممالک میں ڈھائے گئے مظالم"

یہاں "محاسبے" ہی کے ضمن میں سپین اور بعض دوسرے ممالک میں مسیحی پادریوں کے ہاتھوں کئے گئے مظالم کا مختصر ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ مسلمانوں کی حکومت کے زیرِ سایہ سپین نے دنیا کی دوسری اسلامی سلطنتوں کی طرح تقریباً آٹھ صدیوں تک رواداری، امن، علم اور صنعت و حرفت کا زرّیں دَور دیکھنے کے بعد ۱۴۹۲ء میں عیسائی بالادستی کے آتے ہی رواداری کا بہار آفریں پھول بے رحمی سے کچل کر رکھ دیا گیا۔ شرائط صلح کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جس کی قریب قریب تمام مسیحی دنیا آج تک عادی ہے۔ اس امر کا اقرار بعض دیانتدار مسیحی مؤرخین کی طرح ولیم پریسکوٹ (WILLIAM H. PRESCOT) نے بھی اپنی انیسویں صدی کے شروع میں لکھی جانے والی "فرڈی نینڈ اور ازابیلا کے دورِ حکومت کی تاریخ" کے صفحہ نمبر ۱۴۵ پر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "اس بارے میں یہ کہنا کسی مبالغے پر مبنی نہیں کہ ایسے معاہدے جن پر عملدرآمد طاقتور حریف کی نیک نیتی اور در گزر پر منحصر ہو، کسی مسیحی قلمرو میں ان پر سال بھی گزرنے نہیں پاتا کہ کسی حیلے بہانے یا سقم کا بہانہ بنا کر انہیں توڑ دیا جاتا ہے اور یہ صورتِ حال آج کے زمانے میں بھی جوں کی توں ہے۔"

انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

IT IS NOT TOO MUCH TO SAY THAT SUCH A TREATY, DEPENDING FOR ITS OBSERVANCE ON GOOD FAITH AND FORBEARANCE OF THE STRONGER PARTY, WOULD NOT HOLD TOGETHER A YEAR IN ANYCOUNTRY OF CHRISTENDOM, EVEN AT THE PRESENT DAY, BEFORE SOME FLAW OR PRETEXT WOULD BE DEVISED TO EVADE IT. (PAGE 415).

چنانچہ اسی عادت کے مطابق معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پہلے تو غرناطہ اور (ALPUJARAS) کے مغلوب مسلمانوں اور یہودیوں کو لالچ اور ترغیب سے مسیحی بنانے کی کوشش کی گئی، لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو یہ عیسائی ان لاکھوں پُرامن نہتے شہریوں پر درندوں کی طرح ٹوٹ پڑے، ان کا مال اسباب لوٹ لیا اور بے شمار کو قتل کرنے کے علاوہ ستر ہزار کو زبردستی مسیحی بنا لیا گیا۔ کچھ زندہ جان بچا کر البجارہ (ALPUJARAS.) کے کوہستانی علاقے کی طرف بھاگ گئے۔ جہاں زیادہ تر آبادی مسلمان گڈریوں کی تھی۔ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ یکے بعد دیگرے اس علاقے کے مسلمانوں کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔ ایک مسجد میں پناہ گزین بے شمار عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بھی تہ تیغ کیا گیا۔ کچھ خوش قسمت جان بچا کر شمالی افریقہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جنہیں زندہ رہنے دیا گیا انہیں زبردستی مسیحی بنا لیا۔ اس طرح زبردستی مسیحی بنائے جانے والے مسلمانوں کو (MORISCOS) کا نام دیا گیا۔ جب کہ اپنے دورانِ حکومت میں وہ مور (MOORS) کہلاتے تھے۔ لیکن بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ مسیحی بنا لیے جانے کے باوجود طرح طرح کے الزام لگا کر ان کی زندگی اجیرن بنائی جاتی رہی اور جب منہ کو لگے انسانی خون کی پیاس پھر بھڑک اُٹھی تو ایک بار پھر ان نئے عیسائیوں پر چڑھ دوڑے اور ہسپانوی مؤرخ لورنٹے (LLORENTE) کے بقول ۸۸۰۰ زندہ جلا دیئے گئے اور ۹۶۵۰۴ کو دوسری اذیت ناک سزائیں دی گئیں۔ یہ ایک چھوٹے سے محدود علاقے کا ذکر ہے، تمام ملک کے اعداد و شمار کیا ہوں گے!؟ یہ وحشت ناک اندازہ لگانا

زیادہ مشکل نہیں۔ سپین میں یہ عمل ۱۸۱۸ء تک جاری رہا۔ جب کہ اس دوران میں اس کے جنگجوئی دنیا کو بھی ظالمانہ تہذیب سکھانے میں لگ گئے جس کے واضح اثرات اب تک دیکھے جاسکتے ہیں۔ تھامس پین نے "مقبولیت کا زمانہ" (AGE OF REASON) میں پادریوں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو یہ جانتے ہوئے کہ وہ غلط عقیدے کی تبلیغ کرتے ہیں پھر بھی محض حکومت اور دولت کے لالچ کی خاطر اپنا ضمیر بیچ دیتے ہیں ایسے انسانوں کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز اُٹھ جاتی ہے، اور وہ محض غرض کے بندے ہو کر رہ جاتے ہیں۔" مشہور فرانسیسی سائنسدان، محقق اور انسان دوست شخصیت والٹیئر (VOLTAIRE) کہتا ہے کہ کیتھولک حکمرانوں نے ذاتی پادری (CONFESSORS) اکثر غایت درجے کے متشددانہ مظالم کی اصل جڑ تھے"۔ شائد یہ بات یاد دلانے کی ضرورت نہ ہو کہ مسیحیت کی جڑ بھی یہی کیتھولک مذہب ہے۔ جس کے سولہ صدیاں پرانے تنے پر پروٹسٹنٹ ازم کا پیوند لگایا گیا۔ کیا پیوند کے نتیجے میں پیدا ہونے والا مذہب تنے کے اثرات سے بچ سکتا ہے؟ سوچنے کی بات ہے! پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) یورپین آباد کار جب امریکہ پہنچے تو انہوں نے اپنے علاقے میں کیتھولکوں پر وہی مظالم ڈھانے میں کوئی کمی نہ کی۔ جن سے بچنے کے لیئے وہ خود یورپ کے کیتھولک ممالک سے ہجرت کر کے امریکہ گئے تھے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ دونوں محبت اور امن کے شہزادے کے پیرو ہونے کے دعویدار ہیں۔ یہ لوگ اگر اس وقت طاقت کے زور پر ایسا کرتے تھے تو اب دولت کے بل پر سادہ لوح اہلِ دنیا کو بے وقوف بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ایلی قدوری چیتھم ہاؤس ورشن (ELLI KADOURI IN CHATHAM HOUSE VERSION) کے صفحہ ۳۵۰ پر لکھتے ہیں کہ سپین میں ۱۴۸۱ء سے ۱۴۹۹ء تک ۱۰،۲۲۰ مسلمان زندہ جلائے گئے ۶۷،۸۶۰ کو پھانسی دی گئی (شائد جلانے کے لیئے ایندھن ختم ہو گیا ہو گا مصنف) اور دوسرے لاتعداد کو نہایت اذیت ناک سزائیں دی گئیں۔ لورنٹے (LLORENTE) کی

چرچ ہسٹری (MILLERS CHURCH HISTORY) کے صفحہ ۴۹۰ کے مطابق صرف سپین میں ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک زندہ جلائے جانے والوں کی تعداد ۳,۴۱۰۰۰ (تین لاکھ اکتالیس ہزار) بتاتا ہے اور سپین ہی کے تورکیوما دا (TORQUEMADA) نامی ایک مشہور لاٹ پادری نے اپنی ترقی کی خوشی "منایا ہے" کہ جیلوں میں مقید دو ہزار قیدیوں کو زندہ جلا کر منائی جیسے ظلم اور بربریت مسیحی مذہب کے نظام میں ترقی کے لئے لازمی شرط ہو۔

سپین میں مسلمانوں پر کئے گئے مظالم کی تاریخ میں کارڈینل ضمنی (XIMENES) کا نام بھی سرفہرست ہے، جس نے مسلمانوں سے کئے گئے امن کے معاہدے توڑنے اور ظلم ڈھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی کے حکم سے خوبصورت مجلد کتابیں جن کے لئے مسلمان یورپ بھر میں مشہور تھے۔ دس لاکھ پانچ ہزار کی تعداد میں غرناطہ کے ایک بڑے چوک میں جلوادیں۔ انقلاب میں فرق بیان کرتا ہوا ولیم پریسکوٹ اپنی محولہ بالا کتاب میں لکھتا ہے کہ "وہی قوم جو آٹھ صدیاں پہلے کے مقابلتاً تاریک دور میں فاتح بن کر آئی تھی، اور جس نے مفتوح مسیحی قوم کے ساتھ انتہائی مہربانی اور دریادلی کا سلوک کیا تھا، آج اس نیکی کے عوض محبت اور امن کے دعویدار مسیحیوں کے ہاتھوں بدترین اور ختم نہ ہونے والے مظالم کا شکار تھی۔"

مذہب کے نام پر تشدد اور ناروا داری شروع ہی سے عیسائیت کا خاصہ رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ رومن بادشاہ تھیوڈوسس اوّل نے پہلے سے موجود تعصب کو اور زیادہ باقاعدہ اور شدید بنا دیا۔ اس کے چھٹی صدی عیسوی میں شاہ جسٹینین (JUSTINIAN) نے اس وقت کے پوپ کی شہ پر دو لاکھ مصری قبطی مسیحی صرف اس لئے قتل کروا دیئے کہ وہ رومن کیتھولک عقیدے کے خلاف یسوع مسیح میں صرف انسانی صفت ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ حالانکہ فلسطین کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے ان کا عقیدہ عینی شاہدوں کے سینہ بہ سینہ چلے آنے والے زیادہ معتبر علم کی بنیاد پر تھا۔ قبطی مسیحی اب بھی بنیادی عقیدے اور رسوم کے معاملے میں یورپین مسیحیوں سے بہت مختلف ہیں۔ وہ مکمل تباہی یا زبردستی

تبدیلی مذہب سے آج تک اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ ساتویں صدی سے مسلمانوں کے زیر تسلط آجانے اور ان کی لامحدود اور گراں قدر مذہبی رواداری کے سائے میں ضمیر کے مطابق اپنے عقیدے کو قائم رکھ سکے قبطی بھی بعض دوسرے علاقوں کے ابتدائی مسیحیوں کی طرح بعد میں ٹھونسے جانے والے عقیدے پر اعتراض کرتے ہوئے چبھتے ہوئے سوال پوچھتے تھے کہ "اگر حضرت یسوع مسیح مجسم خدا تھے تو ان کی والدہ حضرت مریم کیا تھیں، اور کیا عورت کے بطن سے پیدا ہونے سے پہلے بھی ان کا وجود تھا؟ اور اگر وہ مجسم خدا تھے تو ایک انسان کی طرح صلیب کے عذاب سے گزرنے کا سوال ہی کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ" یہ وہ اعتراضات تھے جو شروع کے پادریوں کے درمیان نہ صرف یہ کہ موضوع بحث بنتے تھے بلکہ وجہ تشدد بھی صحرا کی زیارت (DESERT PILGRIMAGE) میں جیمس ایلارڈ JAMES ALLARD صفحہ نمبر ۵۲ پر لکھتے ہیں کہ شروع سے یہی تمام غیر عیسائیوں سے نفرت کرتے تھے اور کہ شاہ ہیڈریان (HADRIAN) ۷۶-۱۳۸ نے ان کا ذکر بطور باغی، گھٹیا اور کینہ پرور لوگوں کے کیا ہے، وہ کہتا ہے مذہب تبدیل کرتے ہی ان کا رویہ دوسرے لوگوں کی طرف متشددانہ ہو جاتا تھا۔ جو بالکل نئی بات تھی۔ کیونکہ اس وقت تک کی رومن دنیا مذہبی تعصب سے پاک تھی۔

انگلستان میں ظلم کی مثالیں

انگریز محقق سر الیگزنڈر جی کارڈیو اپنی کتاب "مذہبی محاسبے کی مختصر تاریخ:۔

(SIR ALEXANDER G. GARDEW IN A SHORT HISTORY OF INQUISITION)

کے شروع میں قاری کو یاد دلاتے ہیں کہ "محاسبے کے وحشیانہ اعمال کی خوبی یا خرابی کے فیصلے پر پہنچنے سے پہلے متعلقہ زمانے کے ماحول کو بھی ذہن میں رکھیں۔ فاضل مصنف اس انتباہ کے وقت یہ بھول گیا کہ ماحول جو بھی تھا خود کلیسا ہی کا پیدا کردہ تھا جو آخری حد تک عوامی زندگیوں کے گوشے

گوشے پر حاوی تھا۔ صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں کہ "کلیسا کی (محاسبے کی) یہ جیلیں بغیر روشنی، ہوا اور صفائی کی کال کوٹھڑیاں تھیں۔ قیدیوں کو بطور خوراک، پانی اور روٹی دی جاتی تھی اور سردی سے بچنے کے لئے آگ یا بستروں کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جیلر بددیانت اور لالچی تھے۔ لیکن یہ بات ان تک ہی مخصوص نہ تھی بلکہ یہ عام معمول تھا۔ مصنف مزید لکھتا ہے کہ آج کے تصور میں ظالمانہ معلوم دینے والی زندہ جلانے کی سزا کا خیال کرتے وقت یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ قرون وسطےٰ میں موت کی سزا دینے کے ایسے ہی دوسرے طریقے بھی مروج تھے جیسا کہ زندہ دفن کر دینا، تیل میں اُبالنا وغیرہ کہا جاتا ہے کہ "مقدس" رومن شہنشاہ فریڈرک دوم اپنے قیدیوں کو سیسے کے غلاف میں بند کر کے آہستہ آہستہ بھوننے کی سزا دیا کرتا تھا۔ محاسبے کے دوران بے رحمی کی وکالت میں ایک عذر یہ پیش کیا جاتا تھا، کہ ایسا کرنا ملزم سے قصور کا اعتراف کرانے کے لئے ضروری ہوتا تھا۔ تاکہ وہ پھر سے "کلیسا کے ساتھ موافقت پیدا کرتے ہوئے اپنی زندگی کو بچالے"۔ کیونکہ اعتراف کے بغیر "عدالت" کے پاس اسے زندہ جلانے کے لیئے حکام کے حوالے کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اعتراف جرم کے لئے وحشیانہ طریقوں کا استعمال ضروری سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ ایک ضروری شرط یہ بھی تھی کہ وہ دوسرے شرکین کے نام بتائے تاکہ ملزموں کی نئی نئی کھیپیں محاسبے کے عمال کے ہتھے چڑھتی رہیں۔ صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں کہ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ "باوجود اس کے کہ تشدد سے انکار ممکن نہیں پھر بھی لکھا یہ جاتا تھا کہ اعتراف کسی تشدد (TORTURE) کے نتیجے میں نہیں کیا گیا بلکہ از خود آزادانہ طور پر کیا گیا"۔ ظلم کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ملزم کو الزام لگانے والوں اور گواہوں کے ناموں سے قطعی بے خبر رکھا جاتا تھا۔ نیز ساری کارروائی خفیہ رکھی جاتی تھی۔ جیفرے پیرنڈر "مذہب کے مقابلے" (GEOFRAY PARRINDER IN COMPARATIVE RELIGION). میں صفحہ نمبر ۴۷، ۶۱، اور ۷۰ پر لکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ "عیسائی عقائد کسی قسم کی بحث یا شک سے بالاتر ہیں اور یہ کہ ایسا کرنا گناہ اور غرور کی بات ہوگی اگر یہ پوچھا جائے کہ خدا کے پیغام کی پہچان کیونکر ممکن ہے۔ تو جواب یہ ملے گا کہ انسان

بوجہ انتہائی بدچلن (CORRUPT) ہونے کے ایسا کرنے کا اہل نہیں۔ یہ ایسی بھونڈی دلیل ہے جو جدید دور کے انسانوں کو ہرگز مطمئن نہیں کر سکتی۔ کیونکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مسیحیت کو اس کے اپنے مقرر کردہ معیار کے مطابق پرکھا جائے۔ چنانچہ مسیحی یا تو ہدایات عشرہ (TEN COMMANDMENTS) کی کسوٹی کے برعکس ہونے کی وجہ سے مسیحیت کی مذمت کریں یا پھر اپنی تعلیمات کے مطابق عمل کا ثبوت پیش کریں۔ ایسی صورت میں قوی امکان اس بات کا ہے کہ جھوٹی کہہ کر اسے رد کر دیا جائے۔ کمیونسٹ تمام مذاہب کو توہم پرست اور جاگیردارانہ قرار دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انقلاب روس سے پہلے روسی کلیسا بدچلن اور ظالم تھا۔

بلند ترین سطح پر مسیحیت کے متعصبانہ اور سرکش مزاج کی ایک مثال پوپ اربن دوم کی جانب سے دی گئی کھلی چھٹی تھی۔ جس کے مطابق مسیحی صلیبوں کے لیے مسلمانوں کا قتل، ان کی عورتوں سے زنا بالجبر، ان کے اموال اور جائیدادوں کو لوٹنا اور جلانا اور ان کے ساتھ کئے گئے معاہدے توڑ دینا جرم نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۰۹۹ء میں عام معافی کے معاہدے کے باوجود یروشلم کے سقوط کے موقعے پر ستر ہزار مسلمان مرد، بوڑھے، عورتیں اور بچے تہ تیغ کر دیئے گئے۔

مسیحیوں کی طرف سے اسی طرح کی بدمعاملگی کی بے شمار مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں کہ انسان یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاید ان کے ہاں پابندئ عہد یا ضمیر نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں، یا یہ کہ عہد شکنی اور دھوکہ دہی بھی ان کے مذہبی عقیدے میں شامل ہیں بعض مؤرخین ان کے مذہبی رہنماؤں کی جہالت اور گھناؤنے کردار کا سرسری ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اس قدر گندہ اور کمینہ (LWED AND WICKED) تھا کہ اسے ضبط تحریر میں لاتے ہوئے انہیں شرم آتی ہے (MILLER IN CHURCH HISTORY PAG 514)
یہی مصنف صفحہ ۵۲۰ پر لکھتا ہے کہ "اموال اور انسانی جانیں حقوق کے حساب سے تلف

کرانا گویا پاپاؤں کی اپنی زندگی کے لیے ضروری تھا۔

(WHOLESALE DESTRUCTION OF HUMAN LIFE AND PROPERTY WAS THE VERY LIFE BLOOD OF POPPERY).

ایس چانڈلر ظلم کی تاریخ کے صفحہ ۲۱۱ پر لکھتے ہیں: "انگلستان میں کرانمر (CRANMER) کے ہاتھ جان لمبرٹ اور آن آسکیو (JOHN LAMBERT & ANN ASKEW) کی طرح اور بہتوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ جن کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ قربانی کی روٹی میں یسوع مسیح کی بدنی موجودگی (CORPORAL PRESENCE) کے منکر تھے۔ ۱۵۴۹ء میں جون بوچر (JONE BOCHER) کی موت کی سزا کے حکم پر دستخط کرتے وقت ہنری ہشتم نے آنسو بھری آنکھوں سے بشپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: مجھے یہ بے گناہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ میں تمہارے حکم کے سامنے مجبور ہوں"۔ اس لئے خدا کے سامنے جواب دہ تم ہوگے۔

قارئین پادریوں کے طبقے کے مقابلے میں حکمرانوں کی بے بسی کی اس سے بڑی اور واضح مثال اور کیا ہوگی۔ سمتھ فیلڈ (SMITH FIELD) کے مقام پر جارج وان پارے (GEORGE VAN PARE) نامی ایک ولندیزی کو اس لئے زندہ جلایا گیا کہ وہ خدا کے مقابلے میں یسوع مسیح کا درجہ قدرے کم بتاتا تھا۔ صفحہ ۲۴-۲۳۳ پر مزید ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے سترھویں صدی تک کے ظالمانہ ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ لکھتے ہیں: "واجب الاحترام پارلیمنٹ کی ہائیکورٹ کے نام۔ فلیٹ کی جیل کے حقیر قیدی الیگزانڈر لیٹن کی عاجزانہ درخواست۔ آپ کی بہت لمبی تباہ حالی سے دوچار درخواست دہندہ کو ۷، فروری تک دس سال ہو گئے ہیں کہ ایک وعظ سے واپس آتے ہوئے بلیک فرائر (لندن) کے مقام پر ہائی کمیشن کے وارنٹ پر گرفتار کر کے طرح طرح کے چھتوں اور نیزوں وغیرہ سے گھسیٹتے اور گالیاں دیتے ہوئے اور غدار اور فرقہ پرست کا الزام لگاتے

ہوئے لندن ہاؤس لے جاکر قید کر کے منگل کے دن سے لے کر جمعرات کی رات تک بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ قابلِ نفرت کال کوٹھڑی یا کُتّے کا گھر جو چوہیوں سے بھرا تھا، جہاں مجھے کپڑوں، بستر یا آگ کے بغیر رکھا گیا۔ عارض کے گھر کی اس بہانے تلاشی لی گئی کہ وہ میرے فرقے کی کتابوں کی تلاش کے لئے آئے ہیں۔ ان تشدد پسند شکاریوں نے عارض کی مصیبت زدہ بیوی کے ساتھ ایسا غیر انسانی ظالمانہ سلوک کیا کہ بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ انہوں نے میرے پانچ سال کے بچے کے سینے پر پستول رکھ کر ڈرایا دھمکایا کہ اگر اس نے کتابوں کے بارے میں نہ بتایا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ انہوں نے ہر چیز تہہ و بالا کی اور ڈاکوؤں کی طرح تمام کتابیں مخطوطات، کپڑے، ہتھیار اور دوسری چیزیں لے گئے۔"

عارض نے اپنی طویل درخواست میں لکھا ہے کہ اسے کیسی کیسی غیر انسانی اذیتیں دی گئیں زہر تک دیا، جس سے وہ بچ گیا یہ سب صرف اس لئے کیا گیا کہ عارض ایک ایسی کتاب کا مصنف ہے جو کلیسا کے عقائد سے حرف بہ حرف نہیں ملتی۔ عارض درخواست کے خاتمے پر لکھتا ہے "میں آپ کے ہاتھ چومتا ہوں"۔ اور دریافت کرتا ہوں "کیا آپ ان کو رہا نہیں کرائیں گے جو موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں اور جو قتل کیے جانے کے لئے تیار ہیں"۔ لیکن وائے ناکامی نتیجہ کچھ نہ نکلا ظاہر ہے کہ کس کی مجال تھی کہ اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر ایک زیرِ عتاب گو بے گناہ قیدی کی مدد کرتا۔ پھر کیا ہوا؟ چانڈلر لکھتے ہیں کہ "جمعہ ۱۶ نومبر ۱۶۲۹ء کے دن لیٹن (LEIGHTON) کو کاٹھ (PILLORY) میں کس کر شدت سے کوڑے لگائے گئے۔ ایک کان کاٹ دیا گیا۔ ایک طرف سے ناک چیر دیا گیا، اور ایک گال گرم سلاخوں سے داغا گیا۔ سات دن بعد جب اس کے زخم ابھی ہرے تھے کہ پھر چیپ سائڈ کی کاٹھ میں کس کر شدت سے کوڑے مارے گئے اور باقی کی سزا پوری کرتے ہوئے دوسرا کان بھی کاٹ دیا گیا۔ دوسری طرف سے ناک چیرا گیا اور دوسرا گال داغا گیا۔ مصنف لکھتا ہے کہ یہ اس قسم کی دی جانے والی بہت سی سزاؤں کا صرف

ایک نمونہ ہے، جو ایک بہت "تقدس مآب" پادری دیتا تھا اور یہی انسانیت، رحمدلی اور انصاف کی مثال ہے۔ انگریزی اقتباس یہ ہے۔

PAGE 434. ON FRIDAY NOVEMBER 1626 OR SO LEIGHTON WAS SEVERLY WHIPPED AND BEING SET IN THE PILLORY. HE HAD ONE OF HIS EARS CUT OFF, ONE SIDE OF HIS NOSE SLIT AND BRANDED ON THE CHEEK WITH RED HUT IRON. AND ON THAT DAY SEVEN NIGHTS HIS SORES BEING NOT CURED, HE WAS WHIPPED AGAIN IN THE PILLORY OF CHEAPSIDE, AND THERE HAD THE REMAINDER OF HIS SENTENCE EXECUTED BY CUTTING OFF THE OTHER EAR SLITING OTHER SIDE OF THE NOSE AND BRANDING OTHER CHEEK. THESE AND THE LIKE SENTENCES ARE SPECIMENS OF THIS MOST REVERRAND PRELATE'S HUMANITY, COMPASSION AND CHRISTIAN MODERATION. (THIS WAS IN REIGN OF CHARLES I) (PAGE 333-334).

انتہائی بہیمانہ مذہبی تعصب کا شکار ہونے والے بہت سے مسیحیوں کی طرح یہودی بھی اس جان لیوا تعصب سے بچنے کے لیئے ملک در ملک جان چھپانے کے لیئے بھاگتے ہوئے جب بھی انگلستان میں وارد ہوئے تو یہاں بھی وحشیانہ ظلم سے بچ نہ سکے۔ سترھویں صدی میں پیش آنے والے ایسے ایک واقعے میں یارک (YORK) کے مقام پر ہزاروں یہودی زندہ جلا دیئے گئے۔

انگلستان میں مذہبی رواداری کا قانون پہلے پہل ۱۶۸۹ء میں منظور ہوا گو کہ اس پر عملدرآمد بہت دیر بعد تک معطل رہا۔ جیسا کہ چانڈلر کی محولہ بالا کتاب کے صفحہ ۴۱۶ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ "حالیہ زمانے میں کینٹ میں وائی (WYE) کے مقام پر پروٹسٹنٹ

میں پرشور (PERSHORE) کے مقام پر، برک شائر میں چلڈرے نزد وانٹیج (CHILDERY NEAR WANTAGE) کے مقام پر، سفک میں وکھم مارکیٹ (WICKHAM MARKET) کے مقام پر، شروپ شائر میں ڈریٹن (DRAYTON) کے مقام کے علاوہ بہت سی دوسری جگہوں پر مذہبی تعصب کی وجہ سے ظلم کئے گئے۔ جن کا ذکر اگر تفصیل سے کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بھر جائے لیکن میں اپنے ملک (انگلستان) کی عزت کی خاطر درگزر کرتا ہوا چاہتا ہوں کہ جاریاانسویں صدی ایسے لرزہ خیز جرائم پر پردہ ڈالتے ہوئے انہیں ہمیشہ کے لئے بھول جائے" مصنف مزید بیان کرتا ہے کہ اس وحشیانہ دستور العمل کو ۱۸۱۱ء کے موسم بہار میں پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

۱۸۷۰ء سے ۱۹۱۴ء تک کے عرصے کا احاطہ کرنے والی "لندن کے منحرفین" (LONDON HERETICS) نامی کتاب کے مصنف وارن سلویسٹر سمتھ (WARAN SYLVESTER SMITH) صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں کہ انجیل کا حصہ پیدائش (GENESIS) جھوٹ ہے۔ صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں۔ آزاد خیالوں (FREE THINKERS) کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ انتہائی تلخ اور سنسنی خیز نمونے کے معاملات کی طرف توجہ مبذول کرواتے تھے۔ مشرقی لندن کے ایک کمرے کے تہہ خانے کے بارے میں متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں" باپ ماں تین بچے چار سور (PIGS) اس میں رہتے ہیں" ایک اور کمرے کے بارے میں لکھتے ہیں:" ایک چیچک زدہ باپ، آٹھویں زچگی سے گزرتی ہوئی بیوی بچے غلیظ اور ادھ ننگے بے دفن پڑی لاشیں، اخلاق کا فقدان ان جھونپڑیوں کے اندر رہنے والے جوڑوں سے اگر آپ یہ پوچھیں کہ کیا وہ شادی شدہ ہیں؟ تو وہ آپ کی سادگی پر ہنسیں گے۔ اس بات کو نہ کوئی جانتا ہے نہ پرواہ کرتا ہے اور نہ توقع کرتا ہے کہ ایسا ہوگا ایک محقق کی رپورٹ کے مطابق ایک ۲۵ گھروں کی گلی میں سے ۳۲ قحبہ خانے نظر آئے۔ جن میں پائی جانے والی بعض پیشہ ور عورتوں یا طوائف بچیوں کی عمریں ۱۲ سال سے زیادہ نہ تھیں۔

ایک سرسری جائزے کے مطابق ہر دس ہزار کی آبادی میں طوائفوں کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔ صفحہ ۱۶۹ پر مصنف تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے "کلیسا ابھی تک دفن ہونے سے کیوں بچا ہوا ہے"۔ اور کہ نشستوں (PEWS) کی خرید و فروخت کی وجہ سے غریب آدمی کے لئے گرجا کی حاضری بڑا ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کلیسا سے معاشرتی بھلائی کی توقع رکھی جائے تو مسیحیت کی تعلیم کو از سرِ نو مستقل طور پر بدلنا ہوگا۔ مزید کہتے ہیں کسی مسیحی گرجا میں غریب آدمی امیر کے قریب نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

۱۹۱۰ء میں تمام کیتھولک پادریوں سے جدیدیت (MODERNISM) کے خلاف حلف لیا گیا۔ کلیسا کے مؤرخ ایلک وڈلر (ALLEC VIDLER) نے اسے پادریوں کی دہشت گردی کی حکمرانی (ECCLESIASTICAL REIGN OF TERROR) قرار دیا ہے۔ حالانکہ بقول مصنف (LONDON HERETICS) صفحہ ۲۳۲ "کلیسا خود عقیدے میں بنیادی رد و بدل کرتا رہا ہے مثلاً یسوع مسیح کی ابتدائی یہودی دائرے کے اندر کی تعلیمات کو دوسری صدی عیسوی کے پادریوں نے اس وقت کے یونانی مزاج کے مطابق بدل دیا"۔ کلیسا کی ایسی ہی متلون مزاجی یا تضاد کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے کہ "۱۴۳۱ء میں تو کلیسا کے پادریوں نے جون آف آرک کو مذہب سے انحراف اور جادوگری وغیرہ کی مجرم قرار دے کر زندہ جلا دیا۔ لیکن ۱۹۰۹ء کے پادریوں کے ایک ایسے ہی ہجوم نے فیصلہ دیا کہ جون تو ولیا (SAINT) تھی اور کہ آئندہ اسے سینٹ جون آرک کہا جائے۔ مسیحیت کی تاریخ ایسی اور کئی مثالوں سے بھری پڑی ہے"۔ ۱۹۰۰ء میں توحید پرستوں (UNITARIANS) کی طرح بعض دوسرے نئے نئے وجود میں آنے والے آزاد خیال فرقوں کے اکابر نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ یسوع مسیح محض انسان تھے خدا یا خدا کا حصہ نہیں تھے۔ اس طرح مسیحیت کے بنیادی عقیدے سہ پہلو خدا (TRINITY) کی بنیاد ہلا کر رکھ دی۔ انگریزی زبان کے بارے میں ایلی قدوری کہتے ہیں کہ "اسے قصداً سیاسی اغراض کے لئے ذو معنی اور مشکوک الفاظ سے بھر کر اس قدر ذلیل کر دیا

گیا ہے کہ ظلم جائز معلوم دے اور ٹیڑھا پن سیدھا نظر آئے اور کہ یہی وجہ ہے کہ سیاسی دھوکہ دہی کے لیئے اکثر دنیا نے اس زبان کو اپنا لیا ہے"۔ انگلینڈ میں دی جانے والی سزاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ہفتہ وار رسالہ "ٹائمز" اپنے شمارہ نمبر ۲ مؤرخہ ۲۲ جنوری ۱۹۸۳ء میں پھانسی کی سزا کے تحت لکھتا ہے: "انگریزوں کے ہاں دو سو سے زائد اقسام کے جرائم کی سزا موت تھی، جو بالعموم معمولی مادی نقصان مثلاً شلغم چرانا، درخت کاٹنا، جیب کاٹنا وغیرہ پر دے دی جاتی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں خود اس مصنف کو ہیلی فیکس (HALIFAX) سے گزرتے وقت ایک انگریز ہم سفر عورت نے شہر سے باہر گڑے دو کھمبوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ تقریباً ایک صدی پہلے ان کھمبوں کے ساتھ آخری پھانسی ایک بارہ سالہ لڑکے کو دی گئی تھی جس کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک روٹی چرائی تھی"۔ ان سزاؤں کے دن عام تعطیل ہوتی تھی۔ ۱۸۰۷ء میں ایک ایسے ہی موقعے پر مجمع کے قابو سے باہر ہو جانے کی وجہ سے ایک سو آدمی کچل کر مر گئے۔ بعض دفعہ ایک ہی مجرم کو مرنے کے باوجود تماشے کے طور پر دو تین بار پھانسی پر لٹکایا جاتا تھا۔ موت کے بعد لاشوں اور پھندوں پر مخلوق ٹوٹ پڑتی تھی، کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ ان میں شفا کی قوت پائی جاتی ہے۔ عام حالات میں موت کی سزا کافی نہ سمجھتے ہوئے اس سے پہلے ذلیل کرنے کے لیئے سخت اذیت ناک سزائیں سرِعام دی جاتی تھیں۔

مندرجہ بالا دو تین مثالیں بظاہر براہ راست مسیحیت سے متعلق معلوم نہیں ہوتیں، لیکن یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ عام یورپین اور سول حکومت کے روزمرہ کے اعمال کی تشکیل میں مسیحی مذہب نے فیصلہ کن رول ادا کیا تھا۔ مذہب کے نام پر ظلم ڈھانے میں فرانس بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ طوالت سے بچنے کے لیئے یہاں قارئین کی توجہ ہر معیاری انسائیکلو پیڈیا میں پائے جانے والے ALBIGENSES, WALDENSES ANABAPTISTS وغیرہ عنوانات کی طرف توجہ دلانے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جہاں اس ضمن کا بہت سا مواد موجود ہے تاہم یہاں ڈیوڈ جورس (DAVID JORIS) کی مثال کا دلچسپی کا باعث ہو گا۔ یہ

شخص اپنی نیکی اور پارسائی کے لیے مشہور تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ "روح القدس کی حکمرانی ہی ہر چیز کی بنیاد ہے"۔ اس کے ہم خیال پیروکاروں نے اپنے آپ کو پُر امن طرزِ عمل کے لیئے وقف کر رکھا تھا لیکن ۱۵۳۸ء کے بعد اس فرقے پر ظلم شروع کر دیا گیا جس کے نتیجے میں ستائیس آدمی اور جورس کی ماں موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ جورس خود جان بچا کر بازل (BASLE) بھاگ گیا۔ جہاں وہ نام اور بھیس بدل کر بارہ سال تک رہنے کے بعد ۱۵۵۶ء میں فوت ہو گیا لیکن ۱۵۵۹ء میں یہ معلوم ہونے پر کہ مرحوم دراصل (JORIS) تھا۔ اس کی قبر کھود کر اُس کی لاش مع اس کی کتابوں کے سرِعام جلائی گئی۔ اس دوران میں عوام کا بڑا ہجوم موجود رہا۔ (THEY SAW IT HAPPEN IN EUROPE, BY C.R.N. ROUTH. PAGE 282-83).

کہتے ہیں مارٹن لوتھر کے احتجاج کی وجوہات میں سے ایک پوپ کے تعویذوں (INDULGENCE) کی گرانفروشی بھی تھی۔ کیونکہ مینز (MAINZ) کے آرچ بشپ نے اپنے لیے خلافِ معمول دو عہدے پوپ سے ۳۰ ہزار فلورین کے عوض خریدے تھے جو اس نے فگر (FUGGER) نامی ساہوکاروں سے قرض لیے تھے، جسے ادا کرنے کے لیئے اس نے قیمت بڑھائی تھی THEY SAW IT HAPPEN IN EUROPE.P 236

عموماً پوپ چونکہ خود دولت کے بل پر مذہب کے تخت (PAPISH THRONE) تک پہنچتا تھا۔ اس لیئے برسرِ اقتدار آتے ہی وہ کیے گئے اخراجات واپس حاصل کرنے کی تدبیر یعنی لوٹ مار میں لگ جاتا تھا۔

کلیسائی تطہیر اور فاتح مسیحیوں کا دنیا کے مفتوح ممالک کے عوام کے ساتھ بے مثال ظلم اور بربریت کا سلوک

قرونِ وسطیٰ میں رومن کیتھولک کی پہلی دفعہ یورپ سے نکل کر مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک پر صلیبوں کی صورت میں حملہ آور ہوئے۔ اس دوران میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے

ان واقعات پر ایک علیحدہ ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ نیز وہ اس کتاب کا موضوع نہیں۔ اس لیئے یہاں چند متفرق واقعات کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ہینری ڈینیل روپس (HENRY DENIEL ROPS) اپنی کتاب کیتھیڈرل اور صلیبی (CATHEDRAL AND CRUSADES) کے صفحہ ۴۵۹ پر لکھتے ہیں کہ انگلستان کے نام نہاد شیر دل بادشاہ رچرڈ نے فلسطین میں مہم جوئی کے دوران میں اپنے تین ہزار مسلمان قیدیوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کروا دیا تھا۔ صفحہ ۶۳-۴۶۲ پر مورخ نائیسٹاس ایکومیناٹس (NICETAS ACOMINATES) کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چوتھی صلیبی جنگ کا رُخ قسطنطنیہ کی طرف شاید مذہبی اختلاف کی وجہ سے پھیر اگیا۔ کیونکہ کٹر رومن کیتھولک عقیدہ یہ ہے کہ روح القدس کا منبع بیک وقت باپ یعنی خدا اور بیٹے یعنی یسوع مسیح دونوں میں ہے۔ جب کہ مشرقی کٹر (EASTERN ORTHODOX) مسیحی عقیدے کے مطابق روح القدس کا مخرج خدا کے بعد یسوع مسیح سے ہے غالباً اسی بات کو بہانہ بنا کر ۱۲۰۴ء میں قسطنطنیہ کو فتح کر کے کئی دن تک لوٹ مار، آتش زنی، اور قتل و غارت کا بازار گرم رکھا گیا جس سے سینٹ صوفیہ کا مشہور کلیسا بھی محفوظ نہ رہا جس کے اندر گھوڑے باندھے گئے۔ عبادات میں مستعمل مقدس نوادرات کو توڑ پھوڑ کر غلاظت کی جگہوں میں پھینکا گیا اور مسیحی دنیا کے اس دوسرے درجے کے مقدس کلیسا کے تخت پر ایک طوائف کو بٹھا کر فحش گانا سُنا گیا۔ گھر سے مقدس مشن پر نکلے ہوئے مسیحیوں کا خود اپنی ہی برادری کے ساتھ یہ سلوک تھا تو دوسروں کے ساتھ کیسا ہوگا؟ صفحہ ۴۶۷ پر مصنف خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جن منگول حملہ آوروں نے مسلمان ممالک اور شہروں کو فتح کر کے وہاں کی آبادیوں کو بلا لحاظ عمر یا جنس مع ان کے کتوں اور بلیوں کے تہ تیغ کیا۔ وہ مسیحی تھے۔

جیفرے پیرنڈر مذاہب کا مقابلہ (GEOFFREY PARRINDER IN COMPARATIVE RELIGION) کے صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ "سیلون میں ولندیزیوں

کے عذاب دینے کے طریقے کچھ مختلف تھے۔ مثلاً کسی بچے کو بغیر مسیحی بنے کسی سکول میں داخل نہیں کیا جاتا تھا اور نہ کسی کو مسیحی مذہب قبول کئے بغیر سرکاری نوکری مل سکتی تھی وغیرہ۔ صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں" دوسرے ممالک میں کام کرنے والے مسیحی مشنریوں پر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ مسیحی بنانے کے لئے تبلیغ کی بجائے رشوت اور مادی انعامات سے کام لیتے ہیں۔ اس طرح مذہب تبدیل کرنے والوں کے مدنظر صرف خوراک، تعلیم اور مادی ترقی کا حصول ہوتا ہے۔ جو کلیسا کے لئے اچھی شہرت کا باعث نہیں"۔ یاد رہے ڈچ یا ولندیزی لوگ باہر کی دنیا سے پٹنے سے کچھ ہی پہلے خود ہسپانوی مذہبی ظلم و تشدد کا شکار ہو چکے تھے۔ ہندوستان میں گوا کے مقام پر جو پرتگیزیوں کے زیر تسلط تھا "مقدس تطہیر" (HOLY INQUISITION) کا عمل صدیوں تک جاری رہا۔ محولہ بالا کتاب میں چانڈلر صفحہ ۲۷۵ پر لکھتے ہیں "مسٹر ڈلن (DILLON) نامی فرنیشن کو دمن (DAMMAN) کے مقام پر ایک پادری کی موجودگی میں سرسری گفتگو کے دوران محض عمل تطہیر پر تنقید کی پاداش میں دو سال تک ایک تنگ و تاریک تہہ خانے میں قید تنہائی میں رکھا گیا۔ جسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں سیاہ لباس میں ملبوس کون لوگ تھے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ زندہ جلائے جانے والے تھے۔ ایسی ہی زندہ انسانوں سے کھیلی جانے والی آتش بازی کے ایک موقع پر عبرت کے لئے اسے ننگے پاؤں لے جا کر مشاہدہ کرایا گیا۔ انیسویں صدی کے شروع میں ڈاکٹر بکانن (DR.BUCHANAN) نے تحقیقات کی کوشش کی تو اسے معلوم ہوا کہ "مقدس عدالت" (HOLY OFFICE) گوا میں صدیوں سے قائم ہے، اور اس کے ہتھے چڑھ کر زندہ جلائے جانے والوں میں بعض انگریز بھی تھے۔ اس دوران میں اتفاق سے ایک انگریز کمانڈر کیمپ تھورن (KAMPTHORONE) مع اپنے بحری جنگی جہاز کے بندرگاہ میں موجود تھا جس نے اس کے ساتھ رہ کر اسے اکیلے میں پادریوں کے ہاتھ پڑنے سے بچایا۔

ای۔ اے۔ ندا اپنی کتاب " رسوم، تہذیب اور مسیحیت (E.A. NIDDA IN

(CUSTOMS CULTURE AND CHRISTIANITY کے صفحہ ۱۶۴ پر رابرٹ کار برکین بری اور ڈاکٹر آدم پر ۱۸۶۷ء میں جزائر نارمن میں، مسٹر متھیو لمب پر جزائر سینٹ ونسینٹ میں، مسٹر جان براؤنیل پر جزائر نیوس (NEVIS) میں اور مسٹر ڈینیل کیمبل وغیرہ پر جزائر جمیکا میں انیسویں صدی میں مذہبی اختلاف کی بناء پر کیے گئے مظالم کا ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ ولیم۔ایچ۔ پریسکوٹ اپنی کتاب فرڈی نینڈ اور ازابیلا کے باب "کولمبس کا برتاؤ" (TREATMENT OF COLUMBUS) میں لکھتے ہیں. جزیرہ ہسپانولہ کے ساحل پر اُترتے ہی انہوں نے نرم خو مقامی باشندوں پر بلاکسی وجہ اشتعال کے ظلم وجبر شروع کردیا. جنہوں نے اپنی سادہ لوحی میں سفید فاموں کا اپنا ایلچی سمجھ لیا تھا. احتجاج کرنے پر اس بدقسمت قوم کو لاکھوں کی تعداد میں قتل کرڈالا. حتیٰ کہ چار سال سے بھی کم عرصے میں ایک تہائی آبادی ختم ہوگئی جو باقی بچے ان کو کولمبس کے حکم (REPARTIMIENTOS) کے مطابق تمام سفید فاموں کے تابع فرمان کردیا کہ "وہ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کو جیسے مرضی استعمال میں لائیں، چاہیں تو قتل کردیں ان پر کوئی اخلاقی یا قانونی گرفت نہ ہوگی"۔ اس طرح ان بدنصیب اقوام پر نہ ختم ہونے والے ایسے مظالم کا آغاز ہوا جو کسی نہ کسی شکل میں اب تک جاری ہیں، اور جن کی نظیر وحشی ترین اقوام عالم کی تاریخ میں بھی اور کہیں نہیں ملتی۔ اسی کتاب کے صفحہ ۶۵۰ کے مطابق ہسپانوی مؤرخ لاس کساس (LAS CASAS) لکھتا ہے۔ امریکی مفتوح علاقوں پر حکومت کے حقوق "پوپ کی طرف" سے سپین کے بادشاہ کے حوالے اس شرط پر کیئے گئے کہ وہ ان ممالک میں پائی جانے والی اقوام کو مسیحی بنائے گا۔ کیونکہ بحیثیت یسوع مسیح (خدا) کا نمائندہ ہونے کے پوپ تمام بنی نوع انسان کی ارواح پر بالادستی کا دعویٰ رکھتا ہے۔ ایک انگریزی اقتباس ملاحظہ ہو۔

"EVERY SPAINIARD HOWEVER HUMBLE, HAD HIS PORTION OF SLAVES. THUS MEN WITH LEAST TOUCH OF HUMANITY IN THEIR NATURE, WERE INDIVIDUALLY INTRUSTED WITH ULIMITED DISPOSAL OF THE LIVES AND DESTINIES OF THEIR FELLOW CREATURES THEY ABUSED THIS TRUST IN THE GROEESEST MANNER." P.650.

صفحہ ۶۵۰ کے فٹ نوٹ میں درج لاس کساس کی یادداشتوں کے مطابق ہسپانوی امریکی مقبوضات میں دریافت سے لے کر اڑتیس سال کے عرصے میں ایک کروڑ بیس لاکھ انسان قتل کیئے گئے. شروع میں ان ممالک کو زیر کرتے وقت جو مارے گئے وہ ان کے علاوہ تھے اسی فٹ نوٹ میں ایک اور مؤرخ ہریرا (HERRERA) کو نقل کیا گیا ہے. جو لکھتا ہے کہ کیلے ہسپانولہ کی آبادی ۲۵ سال میں دس لاکھ سے گھٹ کر صرف چودہ ہزار رہ گئی.

حرفِ آخر CONCLUSION

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے حضرت مسیح کی وفات کے تیس چالیس بعد مسیحیت کے اُفق پر پال نامی ایک بالکل اجنبی آدمی اچانک نمودار ہوتا ہے. جو خود انجیل میں یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ میری تعلیمات نہ تو یسوع مسیح کی تعلیمات سے ماخوذ ہے اور نہ ہی ان کے حواریوں (DISCIPLE) سے. گویا اپنی تعلیمات اور عقائد کا بانی خود پال ہی تھا. جس نے اپنی طرز کے نئے مذہب کی بنیاد رکھ کر یسوع مسیح کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام مسیحیت رکھ دیا. یہ مسیحیت اپنی "بغیر اعمال کے نجات" کی نوعیت کی وجہ سے سوسائٹی کے نچلے کم فہم لوگوں میں مقبول ہو کر اصلی حواریوں اور پال کے درمیان شروع ہی سے وجہ نزاع بن گئی. اسی لیئے عام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ شروع کی صدی کے درمیان میں صائب الرائے لوگ حیران

تھے کہ بعض لوگ جس مسیحی عقیدے کا ذکر کرتے ہیں اس کی بنیادی تعلیم، اصول یا حدود اربعہ ہے کیا؟ لیکن جب نجات پہنچتے ہوئے قوانینِ قدرت کے خلاف بغیر عملوں کے صرف یسوع مسیح کے نجات دہندہ ہونے پر ایمان لے آنے سے ملتی ہو تو اعمال کی پابندی کوئی کیوں قبول کرے؟ اسی میں زور آوروں اور حکمرانوں کا سیاسی اور مادی فائدہ تھا تو روح اور معاشرتی توازن کی فکر کیوں ہو۔ اسی لئے زمانہ حال کا محقق بآوازِ بلند یہ کہہ رہا ہے کہ جو مسیحیت یورپ اور امریکہ میں مروّج ہے یا رہی ہے انسان کی روحانی، اخلاقی اور معاشرتی ضروریات کو پورا نہیں کرتی۔ آغاز ہی سے پیدا ہونے والی افراتفری کے نتیجے میں ہاتھی اور اندھوں والی مثال کی طرح ہر کوئی اپنے اپنے معنے نکالتا تھا۔ بارہ حواریوں میں سے مسیحی دنیا کہیں کہیں سرسری طور پر صرف ایک پطرس کا ذکر کرتی ہے، جسے یسوع مسیح نے اپنی موت سے عین پہلے شیطان کہہ کر رد کر دیا تھا۔ پھر بھی جو کچھ اس کے نام سے منسوب تھا بعد میں کئے جانے والے۔ ترمیم کی وجہ سے اسے بھی انحراف (HERESY) کہہ کر رد کر دیا گیا۔ شروع کے ان پریشان کن حالات کی وجہ سے بعض عجیب و غریب فرقے وجود میں آئے سیرنتھس (CERINTHUS) نامی پہلی صدی میں پائے جانے والے فرقے کا عقیدہ تھا کہ دریائے اُردن میں بپتسمے (BAPTISMA) لیتے ہی یسوع پر مسیح نامی ایک الوہی وجود نازل ہو کر ان میں حلول کر گیا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ خدا کی راہ میں تکلیف برداشت کرنے کے اہل نہیں تو صلیب پر انہیں چھوڑ کر چلا گیا (از چیمبرز انسائیکلوپیڈیا)

چاہیئے تو یہ تھا کہ مسیحیت کے شروع کے سال بہت روشن اور بغیر کسی ابہام کے ہوتے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ تاریک زمانہ کہلاتا ہے (DARK SPOT OF HISTORY) چوتھی صدی عیسوی سے لے کر مسیحی عقیدے نے جزوی طور پر جو شکل صورت اختیار کی، اس نے عقل کے تقاضے ڈنڈے کے زور سے پورے کئے۔ جیسا کہ اس زمانے کے رومن بادشاہوں کے پے در پے احکامات سے ظاہر ہے۔ رومن شاہی پروہت (PONTIFF) کی جگہ

پوپ نے لے لی۔ نام بدل گیا کام وہی رہا۔

ایسی متضاد اور مضحکہ خیز باتیں شائد صرف مسیحیت ہی کو زیب دیتی ہیں کہ بعض پوپ خدا کے نائب اور ان کی باتیں خدا کا کلام کہلانے کے ساتھ ساتھ عیسےٰ مسیح کے دشمن (ANTI CHRIST) اور کچھ پوپ "پوپ دشمن" (ANTI POPES) بھی کہلاتے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس بلند مقام پر پہنچنے کا معیار نیکی اور پارسائی نہیں۔ بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی بات تھی ورنہ کوئی پارسا، رشوت (SIMONY) جعلسازی (FALSE DECRETAL) اور طاقت کے بل پر پوپ کے تخت کے لیئے جدوجہد کیوں کرتا!

ایک مسیحی عقیدے کے مطابق خدا اور دنیا کے درمیان مسلسل رابطہ صرف پوپ کے ذریعے قائم رہتا ہے اور پوپ بڑے پادریوں (CARDINALS) کے ووٹ کا محتاج ہوتا ہے جو جسے بھی زیادہ ووٹ دے دیں وہی خدا کا نمائندہ بن جاتا ہے۔ گویا خدا پادریوں کے ووٹ کے تابع کسی چیز کا نام ہوا۔ بعض اوقات یہ انتخاب متنازعہ بن کر طول کھینچ لیتا تھا تو ووٹ دہندہ پادریوں کو خالی تخت کا واسطہ دے کر مختلف طریقوں سے انہیں جلدی فیصلہ کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود بعض اوقات مہینوں بلکہ سالوں تک یہ فیصلہ نہیں ہو پاتا تھا کہ خدا کی نمائندگی کون کرے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ اکٹھے دو دو پوپ چن لئے گئے۔ نہ معلوم اس دوران رابطہ منقطع ہونے کے باوجود خدا کی دنیا کیوں کر قائم رہی؟

پادری بیک وقت مذہبی پیشوا، منتظم، پولیس افسر، جج سب ہی کچھ تھے، جو اپنے جاسوسوں (CHURCH WARDENS) کے ذریعے گھر گھر پر اپنا رعب اور خوف طاری رکھتے تھے۔ عوام سزا کے خوف سے اپنی آمدنی کا دسواں حصہ (TITHES) ادا کرنے پر اور گرجا میں باقاعدگی کے ساتھ حاضری دینے پر مجبور تھے۔ انہیں اپنے پادری کے انتخاب کا بھی کوئی حق نہ تھا۔ وہ اوپر سے مسلط کئے گئے پادری کی تابعداری پر مجبور تھے۔ چاہے

OF WHAT HE LIVED, AN EVIL GOSPEL, BAD NEWS.
(GUNTHER BORNKAMM IN PAUL PAGE 230)

ایک زمانے تک کلیساؤں میں مجسموں (ICONS) اور نوادرات (RELICS) کی نہ صرف یہ کہ پرستش کی جاتی رہی بلکہ مسلمانوں سے متاثر ہو کر مخالفت کرنے والوں کے ساتھ باقاعدہ جنگیں بھی لڑی جاتی رہیں۔ رومن کیتھولک کلیساؤں میں کسی حد تک اب بھی یہ عمل جاری ہے۔ فرانس میں اس مصنف نے خود چوراہوں پر جابجا یسوع مسیح کی شبیہہ صلیبوں پر لٹکی دیکھی۔ راؤل گلابر (RAOUL GLABER) ایک قدیم فرانسیسی مورخ لکھتے ہیں کہ "عام انسانوں پر مکمل اختیارات نے پادریوں کو بدچلن بنا دیا تھا: خاص خاص راتوں میں وہ جنسی مجالس برپا کرتے تھے۔ اور نشے میں دُھت ہو کر گرجاؤں کے اندر وہ کچھ کرتے تھے جن کے ذکر کی شرافت اجازت نہیں دیتی۔

سماجی زندگی میں سدھار کے لیے مسیحیت نے کچھ نہیں کیا۔ یہاں اس بارے میں ۷ جنوری ۱۹۸۴ء کے نیوز ویک کے شمارے میں "امریکہ کی ایک تصویر" کے عنوان کے تحت دیئے گئے بعض اعداد و شمار ملاحظہ ہوں۔ "صرف ماں یا باپ دونوں میں سے ایک کی سرپرستی میں چلنے والے خاندانوں کی تعداد کل آبادی کا ۴۰ فیصد بیس سال سے کم عمر کی لڑکیوں کو پیدا ہونے والے حرامی بچوں کی تعداد ۴۸،۳ فیصد (ان میں بیس سے کر زیادہ عمر کی عورتوں کو پیدا ہونے والے حرامی بچوں کی تعداد بھی شامل کر لی جائے تو کل پیدا ہونے والے حرامی بچوں کی تعداد ۵۰،۷ فیصد سے کم کیا ہوگی؟) قتل، مار کٹائی اور زنا بالجبر کی وارداتوں میں کل آبادی کے ہر ۱۶۶ افراد میں سے ایک ملوث ہوتا ہے۔ یہ غیر فطری دار حالات میں پیدا ہونے اور پروان چڑھنے والی نسلیں قدرتی طور پر صحیح اور متوازن جذبات سے عاری ہونے کی وجہ سے کیا کیا گل کھلاتی ہیں؟ ایک مثال ملاحظہ ہو۔ اگست ۱۹۸۳ء کے انگریزی ریڈرز ڈائجسٹ کے صفحہ ۳۰ پر "بچے برائے فروخت اور فحش تصاویر کی نئی تاریک دنیا" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ "اکیلے

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہر سال تقریباً دس لاکھ بچے جن کی عمریں ایک سے سولہ سال تک ہوتی ہیں نہ صرف یہ کہ جنسی تشدد کا شکار ہوتے ہیں بلکہ اس شیطانی عمل کی تفصیلی تصاویر اور فلمیں بڑے شوق سے بنائی، خریدی اور دیکھی جاتی ہیں اور اس "تجارت" کے تاجر سالانہ ایک ارب ڈالر (ONE BILLION DOLLERS) منافع کماتے ہیں جن کی پشت پر بڑی بڑی با اثر اور مضبوط تنظیمیں ہیں۔

قرون وسطی کی سو سالہ اور تیس سالہ جنگیں، حالیہ زمانے کی وسیع تباہ کن جنگیں اور سنگین نوعیت کے روز مرہ کثرت سے پیش آنے والے معاشرتی جرائم، مفتوح اقوام پر مسلسل پانچ صدیوں سے توڑے جانے والے بے مثال مظالم بڑی حد تک اسی ناجائز پس منظر کا نتیجہ ہیں۔

پادریوں کا فرار

(PLAIN TRUTH) سینٹ البنز (ST.ALBANS) انگلینڈ میں چھپنے والا ماہوار رسالہ اپنے جون ۱۹۷۳ء کے شمارے میں "کیتھولک ازم کا بحران" (CATHOLICISM IN CRISIS) کے عنوان کے تحت لکھتا ہے۔ "اپنے فرانسیسی حصے (COUNTERPART) کی طرح امریکہ میں بھی کیتھولک مسیحیت کھلم کھلا بغاوت سے دوچار ہے۔ ویٹیکن کی جاری کردہ حالیہ سالانہ رپورٹ کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں پادری کا پیشہ چھوڑ دینے والوں کی مجموعی تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ یاد رہے کہ ان ممالک میں معقول تنخواہ کے علاوہ اس طبقے کو اور بہت سی مراعات حاصل ہوتی ہیں، رسالہ مزید لکھتا ہے کہ "عقیدے سے مخالفت کے بارے میں بڑی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایسے حلقے کی جانب سے ہو رہی ہے جس سے کیتھولک عقیدے کی ریڑھ کی ہڈی ہونے کی توقع کی جاتی ہے یعنی پادری، وہ بعض بنیادی عقیدوں سے اختلاف کی وجہ سے اپنے عہدوں کو ترک کر رہے ہیں ویٹیکن کی جاری کردہ اپنی قسم کی اس پہلی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۰ء

کے عرصے میں ۱۳۴۴۰ پادریوں نے اپنا پیشہ ترک کیا، جب کہ اکیلے ۱۹۷۰ء کے سال میں ۳۴۹۵ پادری مستعفی ہوئے۔ المیہ یہ ہے کہ خالی جگہوں کو پُر کرنے کے لیے شاید ہی کوئی آگے آتا ہے نتیجۃً دنیا میں پھیلے ہوئے تقریباً ایک لاکھ نوے ہزار کیتھولک گرجاؤں کا پانچواں حصہ یعنی تقریباً اڑتیس ہزار گرجا گھر پادریوں کے بغیر ہیں۔ زیادہ تکلیف دہ صورت کیتھولک ازم کے گڑھ فرانس میں ہے جہاں ۱۹۶۳ء سے لے کر ۱۹۷۱ء تک کے عرصے میں اکیس ہزار سات سو تیرہ پادریوں میں سے صرف آٹھ ہزار تین سو اکانوے باقی رہ گئے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے کیتھولک کلیسا کے ایک مشہور نمائندے پادری اینڈریو گریلے (ANDREW GREELEY) نے موجودہ کیتھولک لیڈرشپ پر اخلاقی، عقلی اور مذہبی دیوالیہ پن کا لیبل لگایا ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء میں ویٹیکن ریڈیو کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں کارڈینیل ڈینیلیو (CARDINAL DANIELOU) نے اس بات کا اعتراف کیا کہ آجکل مذہبی زندگی کا احیاء تو کجا ہر پہلو سے زوال آ رہا ہے۔ ظاہر ہے جب بنیاد طاقت کے بل پر قائم رہی ہو اس کے ڈھیلا پڑتے ہی زوال نہ آئے گا تو اور کیا ہوگا!؟ بھیانک ماضی کی تجدید کم ازکم موجودہ بیدار دور میں تو ناممکن سی بات ہے مستقبل میں بھی اس ہمہ وقتی ہدایت کے مطابق کہ "عیسائی مذہب کے معاملے میں عوام فاتر العقل ہو کر ایمان لے آئیں" کبھی یورپی اقوام مشقِ ستم کے لیے پھر سے اپنی گردنیں پادریوں کے حوالے کر دیں، بعید از قیاس ہے۔ کچھ انگریزی اقتباس:

EXTRACTS FROM "PLAIN TRUTH" OF JUNE 1973 PAGE 9-II.

AMERICAN CATHOLICISM LIKE ITS FRENCH COUNTERPART, IS OPENLY FRAYING. THE RECENTLY RELEASED VOLUME OF THE VATICAN'S NEW STATISTICAL YEARBOOK SHOWS THAT THE U.S.A. HAS THE LARGEST NUMBER AND

HIGHEST OVERALL RATE OF PRIESTLY DROPOUTS IN THE WORLD.

WHAT MAKES THE DOCTORINAL CONTESTATION AND REVOLT SO GRAVE IS THE FACT THAT MORE AND MORE OF IT IS COMING FROM A SECTOR THAT ONE WOULD EXPECT TO CONSTITUTE THE VERY BACKBONE OF CATHOLICISM "THE PRIESTHOOD". IN INCREASING NUMBERS, PRIESTS ARE EXPRESSING THEIR DIFFERENCE WITH CERTAIN TENETS OF CATHOLIC DOGMA, AND ARE ABANDONING THEIR MINISTERIES. THE FIRST REPORT OF ITS KIND EVER TO BE ISSUED BY VATICAN REVEALED THAT 13440 PRIESTS LEFT THEIR POSTS IN THE PERIOD FROM 1964 to 1970. IN THE YEAR 1970 ALONE, 3495 PRIESTS RESIGNED. HARDLY ANYONE IS STEPPING FORWARD TO REPLACE THEM. VATICAN FIGURES SHOW THAT APPROXIMATELY ONE FIFTH OF THE 190,000 ROMAN CATHOLIC PARISHES THROUGHOUT THE WORLD ARE WITHOUT PRIESTS. THE PINCH IS MARKEDLY FELT IN DENSELY CATHOLIC FRANCE, WHERE, FROM 1963 TO 1971, THE TOTAL ENROLEMENT IN THE NATIONS SEMINARIES DRAMATICALLY DROPPED FROM 21713 TO 8391.

ONE OF AMERICAS MOST WIDELY KNOWN CATHOLIC SPOKESMAN, PRIEST SOCIOLOGIST

ANDREW GREELEY, HAS LABELED THE PRESENT LEADERSHIP OF THE CHURCH AS "MORALLY, INTELLECTUALLY AND RELIGIOUSLY BANKRUPT."

○

خدائی معاملات (یعنی مسیحیت) کو عقل کی کسوٹی پر مت پرکھو، اس لئے کہ انسان اس کا نہ تو اہل ہے نہ حقدار۔" یہ الفاظ دنیائے مسیحیت کی اکثریت کے رہنماؤں یعنی پاپاؤں کے ہے ہیں۔ جو وہ بعض عقائد پر اعتراضات کے جواب میں وقتاً فوقتاً کہتے رہے ہیں مسیحیت کی کمزور بنیادوں کا یہ سب سے بڑا ثبوت ہونے کے علاوہ وہ ایسا استدلال زور آور کی منطق کے سوا اور کچھ نہیں تاریخ شاہد ہے کہ اوّل تو پادریوں نے عوام میں اتنی جرأت ہی نہیں چھوڑی تھی کہ وہ کوئی معترضہ جملہ زبان پر لاتے۔ کسی باشعور نے اگر کبھی حوصلہ کیا بھی تو اس کا منہ انسان کی کم فہمی اور نااہلیت کے عذر سے بند کر دیا۔ صرف یہی وجہ ہے کہ یورپ میں مسیحیت یا پاپائیت کے عروج کا چوتھی صدی سے چودھویں صدی عیسوی تک ایک ہزار سالہ دَور یورپ کا تاریک دَور کہلاتا ہے۔ جس کے دوران میں عقل و خرد پر بٹھائے گئے سخت پہرے کے نتیجے میں سوائے مسلمانوں کے زیرِ تسلط سپین اور پرتگال کے یورپ بھر میں کوئی قابلِ ذکر تعلیمی، سائنسی یا تخلیقی سرگرمی چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اس دَور کے یورپ کا عام انسان گھریلو جانور سے شاید ہی بہتر نظر آتا ہے۔

خدا کی پہچان کے لیے علم اور عقل کی ضرورت ہوتی ہے جس کی بدولت انسان نیک و بد اور کھرے کھوٹے میں تمیز کا اہل بنتا ہے اور یہی بات پادری کے دنیاوی مفاد کے خلاف تھی۔ پادری کی گرفت جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، عوام کی زندگی پر بہت مضبوط اور ہمہ گیر تھی۔ اس نتیجے انہوں نے ایک ہزار برس تک یورپین اقوام کو بزورِ جاہل اور بے وقوف بنائے رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ سترھویں صدی عیسوی سے لے کر جب لوگوں کو کسی قدر مذہبی آزادی نصیب ہوئی تو عام علمی

اور سائنسی ترقی ان لوگوں کے حصے میں آئی جو کٹر مسیحیت کے خلاف بلکہ باغی تھے۔ اس لیے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ موجودہ دور کی مادی ترقی مسیحیت کی مرہونِ منت ہے۔ حالانکہ اس ترقی نے بھی جہاں معاشرے کے بعض مسائل حل کئے ہیں وہاں بہت سے پیدا بھی کئے ہیں۔ وجہ اس کی اور کچھ ہو نہ ہو لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس اندھادھند دوڑ کے دوران میں روحانی اور اخلاقی اقدار کو بُری طرح پامال کیا گیا جو پہلے اگر مذہب کی جہالت کی وجہ سے ناپید تھیں تو بعد میں مادر پدر آزادی کا شکار ہوئیں۔ یہ تھا نتیجہ اس مذہب کی طرف سے کوئی واضح اور منطقی رہنمائی نہ ہونے کا۔ چنانچہ خود مسیحی دنیا کے اندر سے کثیر تعداد میں بلند پایہ محققین اور مفکرین کے پیش کردہ تاریخی شواہد بلا شک وشبہ اس بات کا وافر ثبوت مہیا کرتے ہیں کہ نہ تو مسیحیت جائز مذہب کہلائے جانے کی مستحق ہے اور نہ ہی یہ بنی نوع انسان کی روزمرہ زندگی میں رہنمائی اور خیر وبرکت کا باعث ہونے کی اہل ہے۔ گزری ہوئی صدیوں پر محیط پیش کردہ منفی گواہی سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟

کتاب ہذا زیر طباعت تھی کہ میرے نام سیالکوٹ کے پادری برکت اے خاں کی جانب سے ایک کتابچہ بعنوان "جناب عیسے مصداقِ موسے" موصول ہوا اس میں چونکہ دینِ اسلام پر بعض اعتراضات کئے گئے تھے اس لیے میں نے "عیسائیت کا ایک جائزہ" کے عنوان سے مذکور پادری کو جواب کے ساتھ ساتھ صدیوں پر محیط مسیحیت کے درخت کو لگنے والے کڑوے پھل کی مثالیں بھی پیش کر دیں۔ بعض مضامین کے اعادے کے باوجود امید ہے۔ یہ ذکر قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

پمفلٹ میں مذکور تمام معلومات مستند تاریخی واقعات اور شواہد پر مشتمل تھیں جن کا کوئی جواب نہ پاکر مذکور پادری نے اس عذر کے ساتھ کہ اس کے پمفلٹ کے جواب میں میرے جوابات بالترتیب نہیں ہیں۔ مندرجہ ذیل توہین آمیز خط لکھ کر مسیحی پادریوں کے عمومی گھٹیا اخلاق کی روایات کو تازہ کر دیا۔ یہ ذات شریف بزعم خود بلند پایہ پادری اور کئی مسیحی کتابچوں اور کتابوں کے مصنف بتائے جاتے ہیں۔ گو کہ ان کی تحریر غیر معیاری

ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو پادری کا منظوم خط

مکرمی عبدالمجید ناظم اسلامک سوسائٹی ٹرسٹ کالونی بہاولپور۔ معرفت سید اختر احسن صدر اسلامی مشن سنت نگر لاہور۔

تسلیمات! خدا تمہارا بھلا کرے آپکو عقل و دانش اور شرافت کی طرف رہنمائی کرے۔

تم نے جناب شائع کیا عیسائیت کا ایک جائزہ
اس کے متعلق جواب بھی سن لیں ذرا ہمارا
نام کتاب لکھ کر پھر لکھا نام ہمارا
پمفلٹ جب پڑھا سمجھے خراب دماغ کسی کا
گھوڑی تمہاری کماد میں
تانگے کا نہیں کوئی پہیہ
ترتیب وار سلیقہ نہیں تمہاری بات کا
جیسے سلیقہ کوئی نہیں قرآنی آیات کا
پیچھے کی باتیں آگے آگے کی باتیں پیچھے
ماضی کی باتیں آگے اور حال کی باتیں پیچھے
قرآن نے زہر اگلا ہے مسیحی عقائد پر
تم نے بھی زہر اگلا ہے دل کھول کر
ترتیب سے جواب دو ہماری کتاب کا
جیسے مصداق موسے چھ الواب کا،
سمجھیں گے ورنہ خراب دماغ ہے کسی کا
ناس تم نے اپنا کر دیا اپنے کلام کا
جگ ہنسائی تم نے کی ہے اپنی اوقات کی
توہین تم نے خود کرائی اپنی ذات کی
پہلے قلم اٹھانے سے سوچا کرو جناب
نہ اپنی عزت خود کرو ہاتھ اپنے سے خراب
تیرے اللہ کو ہم نے پڑھا ہے دنگا فساد کرتے
کس کس سے نیکی کرتے کس کس سے جہاد کرتے
تیرے اللہ کا ہمارا اللہ بھلا کرے
انتقام و جہاد ترک کرے محبت کی راہ چلے

خدا ہمارا محبت ہے محبت خدا کرے

۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۸۹ء
پادری برکت اے خاں سیالکوٹ کینٹ

شاعر نہ ہونے کے باوجود میں نے بھی منظوم جواب کوشش کی ہے ملاحظہ ہو

سچ کے ایک ہی وار سے تلملا اٹھے
توصلہ ہار دیا مغلوں کی راہ چل نکلے

زبان و بیان پہ اپنی ذرا غور کرو
کہیں یہ اصل تمہاری کی آئینہ دار نہ ہو

ہم نے شرافت سے تھا جواب دیا
تیری کب ہے مغز ہرزہ سرائی کا۔

بُتِ شکن ذکر کا جواب بن نہ پڑا
تو بدکلامی سے ترتیبِ جوابات کا جواز کیا

کوئی کسی ممتحن سے جا پوچھے
ترتیبِ سوال و جواب پابند ہیں کیا؟

وہ ہنسے گا اس حماقت پر
کہ ترتیب سوال و جواب پابند ہیں کیا؟

کیا لکھا ہے کونسی بائبل میں
واں تو سینکڑوں رہی ہیں گردش میں۔

قصۂ بائبل اب تلک نہ صاف ہوا
شرم ہو تو گریبان میں جھانک کر دیکھو

یہ وطیرہ رہا ہے تیری قماش والوں کا
بدکلامی کی آڑ لے لو جواب اگر بن نہ پڑے

میرا پمفلٹ کیا ہے ضربِ کلیم ہے۔
جس کا اک اک لفظ سچ کا امین ہے۔

بوکھلا اٹھے کم ظرف سچ کے سامنے
نقشہ جو پیش کر دیا ان کی شبیہہ کا

حق کیلئے جہاد اللہ کے دین کا کمال ہے
جو ظالموں کا ہاتھ روکے وہ ڈھال ہے

مقدور ہو تو مسیحی تاریخ کو کھولو
عالم تمام میں قتل و غارتگری کو تولو

سفید و سیاہ عام مسیحی پہ پادری کا وہ ظلم
جس کی صدیوں کے ذکر سے لرزے قلم

مسیحیت اور محبت عقل کی بات کرو
کبھی آگ پانی بھی یک جا ہوئے ہیں

اس کا نام کیوں لو اللہ کا مطلب ایک ہے
جو تمہارے تین کے عقیدے کی کاٹ ہے۔

ناقیا/ NICEA کے ایمان کو دیکھو اور یہ اقرار کرو
جس میں تین برابر خدا ہے۔ اس سے نہ فرار کرو

میں مولوی نہیں پر تو پادری ضرور ہے۔
تیری گندی زبان اس بات کا ثبوت ہے

کتے کا پٹہ پہن کر اس کا مزاج کیوں نہ ہو۔
عملاً تمہاری بات میں جو کتے کا رنگ ہو

نوٹ: آکسفورڈ کنسائز ڈکشنری کے مطابق پادری کی گلے کی وردی کو DOG COLLAR یعنی کتے کا پٹہ کہتے ہیں۔

آپ نے اسلام میں بہتر فرقوں کی بات کی ہے. مسیحیت کے برعکس جن کے بنیادی عقیدے میں کوئی فرق نہیں. آپ کے خیال میں شاید مسلمانوں کو معلوم نہیں. کہ صرف امریکہ میں ۱۹۶۳ء کی مردم شماری کے مطابق مسیحی فرقوں کی تعداد ۲۵۶ تھی جن میں بعض کے عقائد میں زمین و آسمان کا فرق ہے. مثلاً بعض آپ کی طرح یسوع مسیح کو خدا اور بعض محض انسان قرار دیتے ہیں. رخدا اور انسان کا فرق توجہ طلب ہے. ۲۵۶ میں اگر افریقہ کے عیسائی قبائل کے فرقوں کو شامل کر لیا جائے تو تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے. گویا مردم شماری میں مذہب عیسائی لکھوائیں تاکہ بوقت ضرورت یورپی عیسائی سرپرست سیاسی فائدہ اٹھا سکیں. اعمال اور عقائد کی بات ہوتی تو اتنے فرقے کیوں ہوتے؟ مسیحی آقاؤں کا سیاسی اور اقتصادی مقصد تو صرف مردم شماری کی بنیاد پر حل ہو ہی جاتا ہے. افریقہ کے اکثر ممالک میں ہل چل ایسے ہی نام نہاد مسیحی قبائل کے ذریعے کروائی جاتی ہے. اور مطلب نکل جانے کے بعد بشپ نیلسن منڈیلا کی طرح عمر جیل میں کٹتی ہے یا بشپ ٹوٹو کی طرح کسی کونے کھدرے کے حوالے کر دیا جاتا ہے. آپ کے ذکر کردہ دولت، وسیع و عریض تنظیم اور دیگر وسائل اور طور طریقے جن کے بل بوتے پر آپ کی تبلیغی سرگرمیاں جاری ہیں. اگر مسلمان اختیار کریں تو بہت جلد ساری دنیا کو مسلمان بنا لیں. لیکن ان کے ہاں تو یہ حال ہے. کہ ۱۹۸۸ء میں ولڈ میر زار روس معہ اپنی رعایا کے مسلمان ہونے کے لیے تیار تھا. بشرطیکہ انہیں سوٗر شراب اور گھوڑی کے دودھ کے استعمال کی اجازت دیدی جائے. جس سے انکار کر دیا گیا. جب کہ آپ کے ہاں تو ہر چیز عوام کے لیے حلال ہے. آپ کے مذہبی پیشرو یہودیوں کے ہاں سوٗر حرام ہے. آپ کے ہاں حلال. ان کے ہاں ختنہ لازمی آپ کے ہاں ناجائز ہے. ان کے ہاں خدا ایک ہے آپ کے ہاں تین. پھر بھی آپ ان کے وارث کہلانے میں شرماتے نہیں. پندرہویں صدی عیسوی تک یہودی آپ کے مذہب کے آغاز کے گواہ ہیں.

اگر آپ سچائی کے متلاشی ہوں. جو ہر سنجیدہ آدمی کی منزل ہوتی ہے. تو حضرت یسوع مسیحؑ سے پہلے پائے جانے والے مذاہب متھرا ازم. نیو پلاٹون ازم اور علاقے میں پائے جانے والے

دیگر اساطیری مذاہب کے مطالعے سے آپ دیکھیں گے۔ کہ ان مذاہب اور مسیحیت میں قریب قریب مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اسی لئے اکثر مفکرین اور محققین یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ اس زمانے میں بعض مروجہ پرانے عقائد کو جمع کر کے مسیحیت کے نام سے نیا مذہب تشکیل دیا گیا۔ آپ کے سینٹ پال بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہ "میں نے دانا معمار کی طرح خود ہی نیو رکھی"۔ پادری صاحب! نیو یعنی بنیاد کا لفظ توجہ طلب ہے۔ اور سینٹ پال کا جو تعلق مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں سے تھا۔ اس کا ذکر بے سود ہے۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا۔ نہ جانے کیوں آج کل یورپ اور امریکہ کے بعض مفکرین اور محققین سینٹ پال کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور انہیں مسیحیت کو مسخ کرنے والے وغیرہ کے القاب دے رہے ہیں۔ امید ہے آپ بھی غور فرمائیں گے۔

جہاں تک آپ کا مسیحیوں کے مختلف علوم میں مہارت کے دعوے کا تعلق ہے۔ اس سے مجھے آپ کے تعلیمی معیار پر شک گزرتا ہے۔ یا پھر یہ اندھے تعصب کا نتیجہ ہے۔ جو پشتوں کے معمولی پس منظر کے حامل نئے مسیحیوں سے ہی متوقع ہوسکتا ہے ورنہ روایتی (رپاتی) مسیحی دنیا تو اس بات کی معترف ہے کہ وہ جو کچھ ہیں وہ مسلمان یونیورسٹیوں سے سیکھنے کے بعد کا نتیجہ ہے۔ سپین اور شمالی افریقہ کی جامعات میں قرونِ اولٰے میں مسلمان علماء اسباب و اثرات جیسے دقیق مسائل پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ جبکہ صدیوں پرانا مسیحی یورپ غائیت درجے کی جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر کیا ہوا سنیئے! ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ علم کا دیوانہ سپین کا مسلمان بادشاہ حکم دوئم لائبریری کے احاطے میں بیٹھا کتابیں جلوا رہا ہے۔ دریافت کرنے پر بادشاہ نے بتایا۔ کہ "وہ صرف ایک ہی مضمون یعنی علم کیمیا (سائنس) پر لکھی گئی کتابیں ہیں۔ اور کہ وہ اس علم کے رواج اور ترقی میں بنی نوع انسان کی خیر نہیں دیکھتا"۔ کتنی سچی بات تھی۔ اس مسلمان عالم بادشاہ کی! آج جس علم کی بات آپ فخریہ کرتے ہیں۔ اس کی بدولت یورپ کے مسیحیوں کی نیند حرام ہے طرح طرح کے نشوں اور خواب آور گولیوں کے سہارے ڈھونڈتے ہیں۔ ایٹمی جنگ سے خوف زدہ ہیں۔ گھریلو زندگی

ویسے ہی درہم برہم ہے۔ ان کی زندگی کا خوب صورت نقشہ بیان کرنے والے پادری برکت سینٹ:
مغربی یورپ اور امریکہ کا ہر تیسرا آدمی یک نفری کنبے SINGLE PERSON FAMILY
میں رہتا ہے۔ ہر تیسری شادی طلاق پر منتج ہوتی ہے۔ حرامی بچوں کی بھرمار ہے (اسی لیے
وہاں کوئی ولدیت نہیں پوچھتا) بچوں پر ظلم روکنے کا محکمہ کثرتِ کار کی وجہ سے بڑا مصروف
رہتا ہے۔ جگہ بجگہ ماں اور باپ دونوں کے متروک بچوں کو پالنے کے لیے رضاعی والدین سرکاری
طور پر مقرر ہیں۔ ہر دسواں آدمی خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ نہ جانے کتنے اور آرزو کرتے ہوں
گے۔ کہ کاش مر گئے ہوتے۔ بوڑھے ماں اور باپ جیسی مقدس ہستیوں کو محتاج خانوں میں جمع کرا
دیا جاتا ہے۔ اسے مسیحی محبت کا نتیجہ کہیں یا نفرت کا!؟

مسلمانوں نے علم کو جان بوجھ کر وہاں تک محدود رکھا تھا جو انسان کی روحانی اور جسمانی
ضرورت کے لیے کافی تھا۔ انہوں نے ایسی معاشرت کو جنم دیا جس میں ہر انسان مطمئن تھا۔

رنگ و نسل اور مذہب کے معاملے میں مسیحیوں کی بے تعصبی کا آپ کا دعوےٰ صریحاً خود
فریبی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے۔ کہ مسیحیوں سے زیادہ متعصب اور ظالم قوم
شاید ہی کوئی اور ہو۔ ڈولف ہسپین کی تاریخ میں لکھتا ہے" رواداری اور محبت کا وہ خوشنما
پھول جس کی عربوں نے اپنی آٹھ صدیوں کی حکومت میں آبیاری کی تھی مسیحیوں کے ہاتھوں آن
واحد میں کچل دیا گیا۔ پھر ہسپین کے لاکھوں بلکہ کروڑوں عربوں اور یہودیوں کے خلاف ظلم و ستم
کا وہ بھیانک دور شروع ہوا جس کے ذکر سے قلم لرزتا ہے اور یہ خونریزی مسیحی پادریوں،
ذمینز وغیرہ کی سرپرستی میں مدت تک جاری رہی۔ بہترین مجلد لاکھوں کتابوں کی لائبریری
کو بھی نذر آتش کیا گیا۔

امریکہ میں چھپی ROOTS نامی مشہور کتاب پڑھیں۔ جس کے مطابق کروڑوں
افریقی حبشیوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر امریکہ کی منڈیوں میں جانوروں کی طرح فروخت کیا جاتا
تھا۔ اور اس نیک کام میں عیسائی کلیسا برابر شریک تھا۔ پادریوں نے تو عام مسیحیوں پر پندرہ

صدیوں تک پڑھنے لکھنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ اس لیے قبل از مسیح کے مشہور یونانی دانشوروں اور فلسفیوں کا علم بھی مسیحیوں کو عربوں کی کتابوں کے ذریعے ملا۔

پادریوں نے وجلس کو زمین گول کہنے پر زندہ جلا دیا۔ مردہ ہس کو قبر سے نکال کر اور وکلف کو بائبل کا لاطینی سے انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے کے جرم میں زندہ جلا دیا۔ بد قسمت گلیلیو نے زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ کہنے کا "جرم" کر دیا۔ تو پادریوں نے اس بے چارے کو مار مار کر اندھا کر دیا اور تب چھوڑا جب اس نے اس سائنسی حقیقت سے انکار کر کے معافی مانگ لی۔ صدیوں پر محیط یہ ایک طویل ظلم کی داستان ہے... جو پادریوں کے ہاتھوں عام مسیحیوں اور غیر مسیحیوں پر ہوتا رہا۔ وقت کی حکومتیں بھی لالچ کی خاطر مسلسل شریک جرم رہیں۔ بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔ کہ حکومتیں خود اس ہمہ گیر شیطانی تنظیم سے ڈرتی تھیں آپ اگر اس زمانے میں ہوتے۔ تو مسلمانوں سے اس رابطے کے "جرم" میں زندہ جلائے جانے سے بچ جاتے۔ تو بھی اذیت ناک قید کی سزا ضرور ملتی۔

مقابلتہً مٹھی بھر یہودیوں نے صرف آغازِ اسلام میں خود یہودی منصفوں کے فیصلے کے مطابق سزا پائی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ بعد کی صدیوں میں عیسائیوں کے ظلم کے ہاتھوں انہیں اگر کہیں پناہ ملتی تھی۔ تو وہ مسلمان ملک ہی تھے۔

بے شمار اور مثالوں کے علاوہ انگلینڈ میں پارک کے مقام پر چودھویں صدی میں اور خود اس رواں صدی میں جرمنی میں آپ کے ہم مذہب عیسائیوں کے ہاتھوں لاکھوں کے حساب سے یہودی زندہ جلائے گئے۔ صلیبی جنگوں کے دوران لاکھوں مسلمانوں کو بے دردی سے تہ تیغ کیا گیا تھا۔ حق کی تلاش اور سچی بات سننے کا حوصلہ ہو تو اقوامِ عالم اور عیسائیوں پر صدیوں تک توڑے گئے مظالم کی داستان کی مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔ اگر کمائی اور حلوے مانڈے کا مسئلہ آڑے نہ آیا تو انشاء اللہ آپ مذہب کے معاملے میں اپنی پوزیشن پر ضرور غور فرمائیں گے۔

BIBLIOGR'PHY

1. Dealing with Inquisition, Papal Rome, her priests & Jesuits etc. by Rt. Rev. Giacento Achilli.
2. Biweekly "Awake" London edition of 8th January 1964.
3. Encyclopaedia Britanica.
4. Jew gypsy & Al-Islam by Richard Burton.
5. Lady into woman by Vera Brittain.
6. Paul, by Gunther Bornkamm.
7. A History of Bible by F.Gladstone Bratton.
8. Bible Quran & Science by Maurice Baucaili.
9. Problem of progress by Vincent Broom.
10. What the Jews believe by Phillip S. Bernstein.
11. The Kingdom of God by Peter Balm.
12. Bible (Old & New testaments)King James' Version.
13. Origins of Christianity by Charles Biggs.
14. Twelfth century Renaisance by Christopher Brooks.
15. BBC of 15th September, 1965.
16. A short history of Inquisition by Sir Alexander Cardrew.
17. Christianity & Burtend Russel, by, C.H.Douglas Clark.
18. Cambridge Medieval history Vol.I by Cam.University Press.
19. History of persecution by S.Chandler.
20. Crimes against Creation by Miss Dreyfus.
21. Chambers Encyclopaedia.
22. The decisive battles of the world by J.F.C.Fuller.
23. Guiness book of world records.
24. Chain of history by Pauline Grigg.
25. Manchester Guardian of 25th September 1965.
26. Church in Dark Ages by H.Daniel Rops.
27. Century of Revolution by Christopher Hill.
28. Jewish Encyclopaedia(U-Z).
29. Meet Central Africa by John Gunther.
30. Decline & Fall of Roman Empire(Abridged) by Gibbon.
31. Spanish Inquisition by H. Kamen.
32. Chatham House Version etc. by Elie Kadouri.
33. The Inquisition of middle ages by H.Charles Lea.

34. A peculiar people(jews) by Littivinoff.
35. Seven pillars of wisdom by T.E. Lawrence.
36. A history of the Inquisition by Phillip Limborch.
37. The age of Illusion by James Laver.
38. History of Inquisition in France Italy etc. by P.Limborch.
39. Encyclopaedia of social science by Macmilian & Free Press.
40. The Rothchilds by Fredric Morten.
41. Millers Church History by Miller.
42. A History of Christianity by L. Manschrek.
43. The Christendom by Einer Molland.
44. Thomas Gage in Spanish America by Norman Newton.
45. The Inquisition by Hoffman Nickerson.
46. Customs Culture & Christianity by E.A. Nida.
47. Man & his life the world over by Odham.
48. History of reign of Ferdinend & Isabella the Catholic by W.H.Prescot
49. Age of Reason by Thomas Paine.
50. The unknown Oman by Wendal Phillips.
51. The Christian Centuries by Robert Paine.
52. Islam by J.H.Proctor.
53. Caesars & Saints by Stewart Perowne.
54. Comparative Religion by Geoffrey Parrinder.
55. Voices of the crowds against H.Bomb by Btd.Russel.
56. They Saw it Happen in Europe by C.R.N.Routh.
57. A History of Crusades by Runciman.
58. Readers Digest(English)of June 1966 & 67 April 1971.
59. The London Heretics by Sylvester Smith.
60. Introducing Turkey by Credric Satter.
61. The Eastern Question by Darek Townsend.
62. Plain Truth of Septt-Oct-1972 & March,June 1973.
63. Church Times (England) of 15th December, 1972.
64. The Crusades by Henry Treece.
65. Paul Envoy extra ordinary by Malcolm Muggeridge & Allec Vildler
66. Desert Pilgrimage by James Wellard.
67. History of Church of England by Wakeman.
68. A History of early church by J.W.C. Wand.
69. Zinda Kalam,Urdu version of New Testament by M/S Bibles for the world of Illionois U.S.A.
70. The Empire of Arabs by John B.Glubb.
71. Crescent Under Shadow by Gibbs.